



Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

# گوہر بے آب

دانیل خان

# گوہر بے آب



از قلم دانین خان

All Rights Reserved

**Copyright:** Daneen Khan (Author)

**Published by:** Safar-e-Adab

**Published On:** safareadab.com

---

To get published with us, contact us via email or website:

[safareadab.com](http://safareadab.com)

[khanumaira@safareadab.com](mailto:khanumaira@safareadab.com)

[adab@safareadab.com](mailto:adab@safareadab.com)

---

**Note:** We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

## ضروری بات

گوہر بے آب کے تمام جملہ حقوق لکھاری "دانهن خان" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





وہ تقریباً آٹھ سال کی بچی تھی۔ جولاغرو جو دلے زمین پر کسی ڈھیر کی طرح پڑی تھی۔  
 اس کا جسم زخموں سے بھرا وحشیانہ تاثر دے رہا تھا۔ کپڑے جسم پر اوڑھے نہیں پھینکے گئے۔  
 سانس لینے کی کوشش میں وہ پھڑپھڑا کر رہ گئی۔  
 اس کے سر دسوکھے ہونٹوں سے آہ کی صورت ایک لفظ نکالتا تھا۔  
 اللہ۔

اور زمین و آسمان جیسے کانپ گئے تھے۔

ڈنر ٹیبل پر گمبیر خاموشی کا رقص تھا۔ آواز تھی تو صرف چچ کانٹوں کی۔ سربراہی کرسی پر حسن شیخ براجمان تھے ان کے دائیں جانب ان کی زوجہ ورشہ شیخ پوری تمکنت سے بیٹھی نازکت سے چری کانٹے کی مدد سے سٹیک کھا رہی تھی۔ ان کے سامنے ان کے دونوں بیٹے S Ys کا رپریشن کے وارث یوعان شیخ اور یوشع شیخ موجود تھے۔  
 اس گہری خاموشی کو حسن شیخ کی سنجیدہ آواز نے توڑا۔

”میں نے کریم اعوان سے تمہارے رشتے کی بات کی ہے۔“

ان کا مخاطب یوعان شیخ تھے۔ یوشع نے چونک کر باپ کو دیکھا۔ پھر ماں کو دیکھنے لگا۔ جن کے ہاتھ ایک پل کو رکے تھے۔

”اعوان گروپ آف کمپنیز آج کل پیک پر ہے یہ یقینی صحیح فیصلہ ہے۔“

انہوں نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر سے کھانے میں مصروف ہو گئی۔

”مارب اعوان کو یقیناً جانتے ہوں گے۔ کریم کی چھوٹی بیٹی ہے جس نے ایک سال میں ہی اعوان گروپ کی پوزیشن بدل دی۔ وہ لڑکی ہیرہ ہے۔“

ان کے لہجے میں حقیقی ستائی ش تھی۔ یوشع نے بے چینی سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔ جو ہونٹ پر قفل لگائے کھانے میں مصروف تھا۔ وہ خاموش رہتا تھا بہت خاموش۔ اتنا کہ کبھی کبھی الگے بندے کو گمان ہونے لگتا کہ یوعان شیخ گونگا ہے۔

”تم ایک ملاقات کر لو مارب اعوان سے تاکہ پھر ہم آگے کے معاملات طے کر سکے۔“

باپ کی سوباتوں کے جواب میں نینکین سے منہ تپتپاتے اس نے فقط سر ہلایا تھا۔ وہ دونوں ہی کھانے سے فارغ ہوتے ڈائی نگ روم سے نکل گئے۔ یوشع نے ماں کو دیکھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ لوگ کیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مام۔“

ورشہ نے بھنویں اچکائی۔

”آپ لوگ بھائی کی زندگی ایک بزنس ڈیل کی نظر نہیں کر سکتے۔ کم ان مام یہ ان کی زندگی ہے مذاق نہیں۔“

وہ چھتے لہجے میں بولا وہ اس سرکل سے تنگ آچکا تھا۔ جہاں رشتوں سے زیادہ پیسہ اہمیت رکھتا تھا۔



”ایسا ہی ہے۔ تم سہی سمجھے۔“

”اگر ایسا ہے تو پھر مجھے اپنی مردانگی پر شک ہو رہا ہے۔“

لڑکی کے چہرے کا رنگ ان کی بات سن کر بدلا تھا۔ لیکن یہ بس کچھ لمحوں کی بات تھی۔

”تمہاری میرے ساتھ کیا دشمنی ہے۔“

”دشمنی۔۔۔ ہا ہا ہا ہا۔۔۔ دشمنی تو کوئی ہے ہی نہیں یہ تو دشمنی سے بھی بہت آگے کی بات ہے۔ چلو میں تمہیں ایک

ہنٹ دیتی ہوں۔“

وہ کچھ قدم چل کر ان کے قریب آئی۔

اس کے ہر قدم کے ساتھ مقابل کی دھڑک تھم رہی تھی۔ فضا اب واقعی گھمبیر ہو چکی تھی۔ وہ جتنا اس لڑکی کو ہلکے میں لے رہے تھے۔ معاملہ اس سے زیادہ خراب تھا۔

”میرے سینے میں ایک آگ بھڑک رہی ہے۔ میں بارہ سالوں سے اس آگ میں روز جلتی ہوں۔“

وہ صوفے کے پیچھے آکر ٹھہر گئی۔ چہرہ ان کے کان کے پاس جھکایا اور ایک بھاری ٹھہرادیے

والی سرگوشی اس کے ہونٹوں سے برآمد ہوئی۔

”اور یہ آگ تمہاری موت سے بجھے گی۔ تمہاری آخری ہچکی اس آگ پہ کسی ٹھنڈی پوار کی طرح برے گی۔ تب جا کے

میرے جگر میں ٹھنڈک اترے گی۔“

وہ سیدھی ہوئی۔ جانتی تھی اپنی اندر کی جلن سے وہ اس آدمی کو رکھ کر چکی ہے۔ یہ انداز اسے اس کا متغیر سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر ہوا تھا۔

معا ایک لڑکی پھرتی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

”تم نے ابھی تک اس کا کام تمام نہیں کیا۔ کن باتوں کا انتظار ہے تمہیں۔ ایک حنجر ہی تو اس کی گردن پہ پھیرنی تھی تم سے وہ بھی نہیں ہوا۔“

وہ غلت میں یوں بولتی جا رہی تھی۔ جیسے کسی کی گردن نہیں سبزی کاٹنے کی بات کر رہی ہو۔ اس آدمی کی تو اب کے خوف سے آنکھیں پھٹتی چلی گئی۔ گھبراہٹ سے گلے میں گٹلی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

پہلی والی لڑکی نے بوٹ میں اڑھسا حنجر نکالا۔ حنجر کی دھار پہ انگلی پھیری تو وہ اتنی تیز تھی کہ اس کی انگلی سے خون ابل ابل کر بہنے لگا۔ جسے دیکھ اس آدمی کا جسم سرد پڑتا چلا گیا۔ اس میں اتنی بھی ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کیلئے حرکت کرتا۔

”Oh come on girl just do it“

دوسری لڑکی آنکھیں گھماتی تیز لہجے میں بولی۔

پہلی والی لڑکی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ مقابل کی آنکھوں میں تسلی تھی۔ اس کی ڈوبتی ہمت کو کنارہ ملا تھا۔ اور دوسرا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر تیزی سے حنجر اس کی گردن پہ پھیرا تھا۔ خون کی کچھ چھینٹیں اس کے چہرے پہ بھی پڑی تھیں۔ جو اسے خوف زدہ کرنے کی بجائے پر سکون کر گئی۔

آف وائیٹ بزنس تری پیس سوٹ پہنے شولڈر کٹ بالوں کو لو ز کر لڑ ڈالے کندھوں پر کھلا چھوڑا تھا۔ ہائی پمپس پہنے وہ تیزی سے میٹنگ روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ہائی پنسل، سیلز میں بھی اس کی سپیڈ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی سیکٹری بمشکل اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک دھاڑ سے میٹنگ روم کا دروازہ کھولتی وہ اندر داخل ہوئی۔ سیال اعوان نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ جہاں سنجیدگی اور سرد مہری کی طہ چہرے پر چڑھائے مآرب اعوان کھڑی تھی۔

“Get out in less than two seconds.”

اس کی چنگاڑتی آواز پر آفس کے ایمپلوئی ز تیزی سے میٹنگ روم سے نکلتے چلے گئے۔۔۔ پیچھے صرف وہ ڈیلیکیشن تھی جو میٹنگ کیلئے آئی تھی اور سیال اعوان جو ماتھے پر بلبل لے تھیر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی چاہ میں اس کے لب پھڑپھڑ کر رہ گئے۔

قدم قدم چلتی وہ اس ڈیلیکیشن کے پاس آکر رکئی۔ کمرے کی خاموش فضا میں اس کے ہیل کی ٹک ٹک نے ایک انتشار پیدا کیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”اوٹ۔“

بھنوں سے اشارہ کرتے وہ بریلے لہجے میں پھنکاری

”مآرب بہیو۔۔۔۔۔“

”مسٹر سیال اعوان آپ نے ہمیں یہاں بے عزت کرنے کو بولا یا تھا۔“

ان میں سے ایک جوش سے کھڑا ہوتا سرخ چہرے سمیت بولا۔ سیال نے خونخوار نظروں سے بہن کو دیکھا۔

وہ اس کی جانب مڑی۔

”یہ جس کانٹریکٹ کیلئے آئے ہیں۔ وہ انہوں نے پہلے ہی وی آر کمپنی کیساتھ سائی ن کر لیا ہے۔ یہاں کارخ انہوں نے بزنس کے مقصد کیلئے ہر گز نہیں کیا۔“

پھر وہ ان کی جانب دوبارہ مڑی۔ استفہامیہ بھنویں اٹھائی۔

”ایم آئے رائیٹ مسٹر راجر۔“

مقابل کارنگ اڑا چہرہ بیال کو بہت کچھ سمجھا گیا۔

”انہوں نے وی آر کمپنی کیساتھ کانٹریکٹ سائی ن کر کے ان پہ یہ تاثر چھوڑا کہ ہم نے خود ان کو اپروچ کیا ہے۔ تاکہ یوں وہ اشتعال میں آکر ہمارے بیچ ہوئے تمام معاہدوں کو تھوڑ دیں اور اعوان گروپ آف کمپنیز کی ساکھ ملیامیٹ ہو جائے۔ ایسا ہی ہے ناں۔“

وہ ان کے گرد گومتی ٹھہر ٹھہر حقیقت سے پردہ اٹھا رہی تھی۔ ان کے چہرے ایسے ہو چکے تھے جیسے خون نچھوڑ چکا ہو۔ پیلے زرد متغیر سے۔ ہیل کی ٹک ٹک ان کے دماغوں پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی۔

ایک گٹلی سی بیال اعوان کے گلے میں ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ کیا ہوتا اگر وہ وقت پر نہ آتی۔ کیا ہوتا اگر وہ اپنی بے خبری میں یہ کانٹریکٹ سائی ن کر لیتا۔ کیا ہوتا اگر وی آر کمپنی غلط فہمی کا شکار ہوتے ان سے کنارہ کر لیتے۔

”آپ ہم پہ یوں الزام نہیں لگا سکتی وہ بھی اس صورت میں کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی نہ ہو۔“

ان میں ایک نے لکھڑاتے لہجے میں کہا۔

مآرب ہونٹ کا کونا اٹھا کر مسکرائی۔ پھر سرد مہری سے دھاڑی۔

”اوٹ رائی ٹ ناو۔“

”آپ ہمیں یوں زلیل نہ۔۔۔۔۔“

وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتی اس کے سامنے جھکی۔ اور آنکھوں میں آنکھوں ڈالتی غرائی۔ لہجے میں بے رحمی سی تھی۔

”میں صرف لفظوں کا استعمال کر رہی ہوں عزت سے نکل جاو ورنہ میں ہاتھوں کو کام میں لانے میں دیر نہیں کروں گی۔“

یہاں اپنی دال گلتے نہ دیکھ وہ لوگ اگلا لمحہ ضائع کئے بغیر نکل گئے۔ مآرب ٹیبل سے ہاتھ اٹھاتے سیدھی ہوئی

کوٹ ٹھیک کرتے بالوں کو جھٹکا دے کر کندھوں پر پھینکا۔ اور منہ ہی منہ بڑبڑائی۔

”آفف میں بزنس کیلئے ہر گز نہیں بنی۔“

معایبال اعوان کی آواز پر چونکی۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

”لوگوں کو مار کٹائی کی دھمکیاں دینا بند کرو۔ تمہیں مارشل آرٹس کی آلف بے بھی نہیں آتی۔“

کوٹ کے آستین موڑتی وہ اس کی جانب مڑی اور منہ بسورتے کہا۔

”اور تم مجھے ہر بار یہ تانا دینا بند کرو۔ اس سے پہلے کہ میں بزنس چھوڑ کر مارشل آرٹس میں اپنی زندگی وقف کر دوں۔“

اسی پل دروازہ کھولا اور بگ بوس کی سیکٹری ماندردا داخل ہوئی۔

”آپ دونوں کو چئی یرمین صاحب اپنے آفس میں بولا رہے ہیں۔“



”ایک تو ادھر ہم سانس لے ادھر ان کو خبر ہو جاتی ہے۔

کوٹ کا دوسرا آستین فولڈ کرتے اس نے قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

”آہ اب ایک اور دن مجھے تمہاری واہ واہ سنتے گزاری ہے۔“

سرد سی سانس خارج کرتے یہاں اعوان نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔

یہ ایک کلب کا منظر تھا جہاں اس وی آئی پی لاونچ میں ایلٹ کلاس کی عورتیں بیٹھی ایک دوسرے کو مرغوب کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

انہی میں ایک ورشہ خان اور ماجین اعوان بھی تھی جو شاید پہلی مرتبہ ایک چھت تلے اکٹھی ہوئی تھی آخر کو عنقریب وہ ایک رشتے میں بندھنے والے تھے۔

”آپ کو کیا لگتا ہے ہمیں اپنے بچوں کا رشتہ اناؤنس کر دینا چاہیئے۔“

بالوں کو نزاکت سے جھٹک کر شریر لہجے میں کہتی یہ ورشہ خان تھی۔ ماہ جبین اعوان نے مشروب کا گھونٹ بھرتے ساخر آنکھیں گھوما کر ان کی جانب دیکھا۔

”مجھے جب تک کام کی بھنگی کا یقین نہ ہو میں ڈھنڈورا نہیں پیٹتی۔“

ورشہ خان بے ساختہ ہنس دی۔ یہ ایک کوشش تھی اپنی حجالت چھپانے کی۔ حالانکہ دل جلتے کوئی لوں پر لوٹ گیا تھا۔

”آوہ کیا یہ گوچی کی لیٹسٹ کالکشن ہے۔“

ایک عورت جو مسز کاظمی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ چونک کر ورشہ خان کے پاؤں کے پاس رکھے بیگ کو دیکھتی بولی۔ ساری عورتیں جو خوشگپیوں سے زیادہ شیخیاں بگھارنے میں مصروف تھی رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ورشہ خان کے چہرے پر ایک زندہ دل مسکراہٹ رقصا ہوئی تھی۔

بالوں کی لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ نزاکت افرینی سے گویا ہوئی۔

”میں عنقریب گوچی کی برینڈ ایمبسڈر بننے والی ہوں۔ انہوں نے پیشگی تحفے کے طور پر اپنی پہلی کالکشن سے مجھے یہ بھیجا ہے۔۔۔۔۔ ابھی یہ مارکیٹ میں آیا نہیں ہے۔“

وہاں موجود عورتوں کی آنکھیں جل اٹھی ان میں یقیناً حسد کا جذبہ جھلک رہا تھا۔ ماہ جبین اعوان نے اپنا جام دو باہ بھرا اور لمبی مصنوعی پلکیں اس جانب موڑتی وہ گلاس ہو امیں اونچا کرتی بولی۔

”تمہاری کامیابی کے نام۔“ Safar-e-Adab

ورشہ خان دل بھری سے مسکراتے اپنا گلاس اٹھا کر اس کے گلاس کے ساتھ ہلکا سا ٹکرا گئی۔ وہ اسے زیر کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی۔ یہ ماہ جبین اعوان کی آنکھوں سے پتا چل رہا تھا۔

ہوٹل کے اس پرائیوٹ کیمین میں دو لوگوں کے باوجود خاموشی کا راج تھا۔ لڑائی کھاتی وہ ایک نگاہ زرا کی زرا اس پر بھی ڈال لیتی جس پہ اسے دوسروں کی طرح گونگے کا گمان ہو رہا تھا۔

مآرب اعوان کبھی ایسے شخص سے نہیں ملی تھی جو بیک وقت خاموش اور سرد ہو۔ جس کی موجودگی ہی انسان کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہو۔ اسے اس وقت اس کیمین کا ماحول بھی بڑا بر فیلا سا لگا تھا۔ اس نے کانٹا رکھ کر پانی کا گلاس اٹھایا۔

”آپ کی عمر کیا ہے۔“

اسے کچھ تو کہنا تھا ناں لیکن وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ یہ کہہ دے گی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

یوعان شیخ نے چونک کر سر اٹھایا۔ اور پھر واپس جھکاتے ایک لفظی جواب دیا۔

”ییتنس۔“

پانی اس کے گلے میں پھنسا تھا۔ لیکن وہ سرعت سے خود پر قابو پاگئی۔

(میں ایک بوڑھے سے شادی نہیں کر سکتی ہاں ٹھیک ہے کہ یہ ییتنس کا ہو کے پیچیس کا لگتا ہے لیکن۔۔۔۔۔)

”میں اپنے پیرنٹس کے ساتھ نہیں رہتا۔“

ادھوی بات اور پھر سے خاموشی۔ ٹھیک ہے کہ اگر یہ کم گو ہے تو کیا خاموشی اسے بھی پسند ہے۔

اپنی سوچوں سے متضاد وہ سوال داغ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”تو پھر کہاں رہتے ہیں۔“

”پارٹمنٹ۔“

پھر سے یک لفظی جواب۔

”اور میں کہاں رہوں گی۔“

اس نے ہونٹ نیکیپن سے تپتپاتے اسے دیکھا۔

”جہاں آپ چاہے گی۔“

اس نے تحیر سے اس سرد مزاج آدمی کو دیکھا۔

پھر حواس متجمع کرتی بولی۔

”ابھی تو یہ پہلی ملاقات ہے مجھے لگتا ہے ہمیں اتنا آگے نہیں جانا چاہیئے۔ آپ سوچیں میرا بھی دل راضی ہوا تو بات آگے بڑھے گی۔“

اسے اٹھتے دیکھ وہ بھی اٹھی بل پے کرتے وہ دونوں ساتھ ہوٹل سے نکلے تھے۔ یوکان شیخ اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کیلئے دروازہ کھول کر اس کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ بیٹھی تو وہ جھکا۔ اور مدھم مدھم سر آواز میں بولا۔

”ہم جہاں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ہماری سوچیں پیسے کے فائی دے سے آگے نہیں جاتی۔ اور دل۔۔۔۔۔ اسے تو مار کر ایک کونے میں دفن دیا جاتا ہے۔ جو سینے میں دھڑکتا ہے تو صرف خون پمپ کرنے کیلئے رہ جاتا ہے۔“

یہ پہلی بات تھی جو اتنی لمبی اور معنی خیز تھی۔ کچھ دیر اس کی حیران ساکت آنکھوں میں جھانکتے وہ پیچھے ہوا اور ڈرائیور کو گاڑی بڑھانے کا اشارہ کیا۔ جب تک اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی وہ وہی کھڑا رہا۔

اپنی گاڑی کی جانب بڑھتے اس کے ذہن میں ایک ہی سوچ تھی۔ اس کی ہونے والی بیوی کی آنکھیں پیاری ہے۔

گارڈ نے مستعدی سے دروازہ کھولا اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی سٹاٹ کی۔ گاڈرز سے بھری گاڑی بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

اپارٹمنٹ کی صفائی کرتے وہ مسلسل اپنے بائیس سالہ بھائی کی تنبیہیں سننے پر مجبور تھا۔ جو جب سے آیا تھا ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔ اس کے پیچھے گھومتے وہ اسے اس شادی سے باز رکھنے کی اپنی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اسے اس شادی کے نقصانات گنوا کر وہ بول رہا تھا۔

”آپ ایک انجان لڑکی کو اپنی زندگی کی ڈور صرف ایک بزنس ڈیل کے تحت کیسے تھام سکتے ہیں۔“

”ایسی شادیاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتی بھائی۔“

”آپ کی ساری زندگی بس بزنس بزنس کھیلتے گزر جائے گی۔ آنے والی آپ کا احساس رکھ بھی پائے گی یا نہیں۔“

”آپ یہ شادی مت کرے بھائی۔“

دوسری جانب مآرب اعوان کے بھی کچھ ایسے ہی حالات تھے۔ یسال اعوان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تو تمہارا مطلب ہے تم آج ایک بلائی نڈ ڈیٹ پہ گئی تھی۔“

فائل میں سردے مآرب نے سنجیدگی سے اس کی نفی کی۔

”ہم ڈیٹ پہ نہیں جاتے یسال ہم مسلمان ہے۔“

یسال نے تلخی سے سر جھٹکا۔

”ہم شراب پی سکتے ہیں کلب میں تماشہ بنے ناچ سکتے ہیں لیکن ڈیٹ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہم مسلمان ہے۔“

کچھ دیر خاموشی کی نظر ہوئے مآرب اپنے کام میں جتی رہی۔ یسال نے اسے مصروف دیکھا۔ تو اس کے سر پر ہاتھ رکھتے

اوپر اٹھایا۔

”تم یہ شادی مت کرو۔“

اس نے پختگی سے نفی میں سر ہلایا۔

”میرے انکار سے نقصان ہمارا ہی ہو گا۔“

یسال نے اس کے سر سے ہاتھ ہٹا کر چڑ کر کہا۔

”او کم ان گرل تم اپنا سوچو فائی دے کا سوچو گی تو زندگی زہر سے بتر ہو جائے گی۔“

اس کے خیال کے پردوں پر یوعان شیخ کی آواز نمودار ہوئی اور اس پل مآرب اعوان نے من وعن خود کو اس کی بات دہراتے سنا تھا۔

”ہم جہاں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ہماری سوچیں پیسے کے فائی دے سے آگے نہیں جاتی۔ اور دل۔۔۔۔۔ اسے تو مار کر ایک کونے میں دفن دیا جاتا ہے۔ جو سینے میں دھڑکتا ہے تو صرف خون پمپ کرنے کیلئے رہ جاتا ہے۔“

یسال نے بے بسی سے اپنی جڑوا بہن کو دیکھا اس کی بات سو آنے ٹھیک تھی لیکن۔۔۔۔۔

”تمہیں اپنے کمرے میں اس وقت ہونا چاہیئے تھا یسال تمہاری بیوی تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔“

سنجیدگی سے کہتے وہ دوبارہ فائی ل ہر جھکی اسے آج کی ہی رات یہ کام نمٹانا تھا۔

”مجھے واقعی اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہیئے تھا لیکن میری بیوی آفسوس کہ میرا انتظار ہر گز نہیں کر رہی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کل کو تمہارا بھی انتظار کرنے والا کوئی نہ ہو اس لئے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔“

خود آذیتی سے کہتے وہ اس کے سر پر جھک کر بوسہ دیتا ہال سے نکل گیا۔ پیچھے وہ ایک لمحے کیلئے منجمد ہو چکی تھی۔ کیا اس کا مستقبل بھی یوں ہو گا جیسے اس گھر کے باقی افراد کا تھا۔

اگلے ہی پل وہ سر جھٹک کر کام پہ فوکس کرنے لگی۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مآرب اعوان کبھی حالات سے گبھرائی نہیں تھی۔ وہ مضبوط تھی ہاں اسے یاد رکھنا تھا کہ وہ مضبوط تھی۔

اگلے دن یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی تھی۔ ہر طرف بس ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی۔ بزنس ٹائی کون یوعان شیخ اور بزنس کی دنیا میں نمایاں ہوتی مآرب اعوان رشتہ آزوج میں منسلک ہونے جا رہے ہیں۔ وہ دونوں تو مانو لوگوں کی نظروں کا مرکز بن گئے تھے۔

اس وقت بھی اپنے آفس سے سہائی ٹ کیلئے نکلتے اسے رپوٹرز کے ایک جگمگٹے نے گیرے میں لیا تھا۔ بلیک بزنس سوٹ پہنے مآرب اعوان اس جم غفیر کو رام کرنے کو رک گئی گاڑز کو ہاتھ سے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا۔ جو میڈیا کو پیچھے ہٹا رہے تھے اس کے حقیف سے اشارے پر اس کے ارد گرد حفاظتی دئی راہ بناتے کھڑے ہو گئے۔

”مآرب اعوان آپ ملک کے ایک کامیاب بزنس ٹائی کون کے ساتھ رشتہ بنانے جا رہی ہے کیا یہ سچ ہے۔“

اس نے آنکھوں سے گاگلز ہٹاتے سنجیدگی سے اس رپوٹر کو دیکھا۔

”یہ خبر میرے عطلاعات کے مطابق یوعان نے اپنی طرف سے کلیئی رک دی تھی۔ پھر مجھ سے پوچھنے کا مقصد۔“

اس کے ٹکے سے جواب پر رپوٹر اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

ایک لڑکی رپوٹر جلدی سے زبردستی گھستی آگے آئی۔ اور تیزی سے سوال پوچھنے لگی۔

”یوعان شیخ جیسے کہ اب آپ کے ساتھ رشتے میں منسلک ہونے جارہے ہیں۔ تاہم یہ بات بھی ملحوظ نظر رکھی جائے کہ یوعان شیخ کے دیباو قار کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات ہیں کیا اس بارے میں آپ جانتی ہیں۔“

دیباو قار ایک مشہور ماڈل تھی۔ وہ اسے صرف اسی تعارف سے جانتی تھی۔

”یہ واقعی نئی اطلاع ہے مطلعہ کرنے کا شکریہ میں یوعان سے کنفرم کر کے آپ کو آگاہ ضرور کروں گی۔“

اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ لڑکی سمجھ نہ سکی اس نے مذاق کو سنجیدگی کے لبادے میں اوڑھ لیا ہے یا پھر وہ واقعی سنجیدہ ہے۔

اس کے بعد بغیر کوئی بات کہے مارب اپنی گاڑی کی جانب بڑھی گاڑی مستعدی سے اپنی ڈیوٹی نبھاتے اسے باحفاظت گاڑی میں بیٹھا گئے تھے۔

Safar-e-Adab

”الف-----“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

ایک کرارا تھپڑ اس کی کمر پر پڑا تھا۔

”کتنی بار کہا ہے کہ الف کو کھینچ کر پڑھنا ہے۔“

قاری صاحب نے تنفر سے ایک زوردار چت اس کے سر پر لگائی تھی۔ اور یہ چت پیار بھری ہرگز نہیں تھی۔

وہ پانچ سالہ بچہ ہلکی بمشکل روکتے دوبارہ پڑھنے لگا۔



یہ دوسرا مہینہ تھا بچے کو اس قاری سے پڑھتے ہوئے۔ زرارہ اسی غلطی پہ قاری صاحب پرواک نے بغیر اسے دھنک کر رکھ دیتے۔

اور وہ بچہ ڈر کے مارے غلطی پہ غلطی کئے جاتا۔

ان کے مطابق یہ بہتر طریقہ تھا بچے کو پڑھانے کا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ یوں وہ اس بچے کو آہستہ آہستہ قرآن سے متنفر کر رہے ہیں۔

اور یہی ہمارا شیوا ہے کہ بچوں کو سمجھانے کی عمر میں مار کر سمجھاتے ہیں اور مارنے کی عمر میں سمجھانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عمر جب بچے پیار و محبت اور نرمی سے سمجھ کر اعتماد حاصل کرتے ہیں ہم انہیں مار پٹائی سے ایک بدتر زندگی سے روشناس کروا دیتے ہیں۔ اور وقت ہاتھوں سے نکلنے کے بعد ہمارا گلا کیا ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے نافرمان اولاد سے نوازا ہے۔ حالانکہ انہیں سخت جان ہی نے تو بنایا ہوتا ہے۔

”میں تین دن کی شادی ہر گز افورڈ نہیں کر سکتی۔ بارات والے دن میری انٹرنیشنل ڈیلیکیشن کے ساتھ میٹنگ

ہے۔ میں نے اس کو ٹائی م دیا ہے۔ فضول کے چونچلوں کیلئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

ماہ جبین اعوان نے پریشانی سے بیٹی کو دیکھا۔

”میرے ہزاروں مہمان ہیں میں ان کو کیا جواب دوں گی۔ میرے ڈرائیور سے لے کر میرے جیولر تک میری بیٹی

کے شادی کے منتظر ہیں میں نے ان کو کیا کہنا ہے تم سارے جگ میں مجھے ذلیل کرنے پر کیونکر تلی ہوئے ہو۔“

”تو ٹھیک ہے ناں ریسپشن ویسے بھی تو رکھ رہے ہیں۔ آپ اپنے ہزاروں مہمانوں کو اس دن انویٹ کر لیجئے گا۔ مہندی کی ضرورت ہی نہیں اور بارات میری سادگی سے جائے گی۔“

ماہ جبین پھر بھی خوش نظر نہ آئی۔ شکایتی انداز میں شوہر کو دیکھا۔ جو مطمئن نظر آرہے تھے۔

”میٹنگ ضروری ہے اگر تو یہ کانٹریکٹ ہمیں مل گیا سمجھو ہم آسمانوں کو چھونے لگیں گے۔“

”اور لڑکے والوں کا کیا۔“

دراپہ یسال بولی۔

”ان سے میں بات کر لوں گا۔“

کریم اعوان پر سوچ انداز میں بولے۔

یسال نے تاسف سے اپنی جڑوا بہن کو دیکھا تھا۔ جو بزنس میں کھو خود کو اپنی شخصیت کو بھولا بیٹھی تھی۔ وہ اگر کہتی تھی کہ مارب اعوان بزنس کیلئے نہیں بنی تو ٹھیک کہتی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی اور آپ مان کیسے گئے۔“

یوشع تو باپ کی بات سن کر ہی بھڑک اٹھا۔ جبکہ یوعان شیخ کے تاثرات سپاٹ ہی رہے۔

”اس میں مضائقہ بھی کوئی نہیں۔“

حسن شیخ اپنے چھوٹے بیٹے کے جذباتی پن سے بخوبی واقف تھے۔ سوا سے کبھی سنجیدہ نہیں لیا۔ اس وقت بھی بے نیازی سے بولے۔ یوشع نے سختی سے لب آپس میں پوست کئے۔ زچ سے انداز میں بھائی کو دیکھا۔ جنہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑھ رہا تھا۔ اور یہی چیز اس کے جھنجھناہٹ کا بائی ث بنی ہوئی تھی۔

”ویس ٹوچ ڈیڈ یعنی لڑکی بارات کے دن گرینڈ فنکشن نہیں چاہتی کیونکہ اس کی بزنس میٹنگ ہے۔ اور مہندی کا تو نام و نشان ہی نہیں۔ پھر بھی آپ کے مطابق اس میں کوئی مضامی قہ نہیں ہے۔ مجھ پتا ہے کیا لگتا ہے آپ لوگ دن بدن میشین بنتے جا رہے ہیں۔“

اسے بدستور بحث میں مصروف دیکھ کر یوکان کھلائی میں موجو گھڑی میں وقت دیکھتا اٹھا۔

”مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے تو کسی اور بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے گا نکاح ان کے گھر پہ ہو گا۔ اور ریسپشن میری مرضی سے۔“

بیک وقت باپ اور بھائی کو جواب دیتے وہ ہال سے نکل گیا۔ اسے جلدی آفس پہنچنا تھا کہ ابھی بہت سارا کام پنڈنگ پہ پڑا تھا۔ لیکن باپ کے بولاوئے پہ کام بیچ میں چھوڑ کر آنا پڑا۔

”تو اب ہم گھر میں ایک اور ورکا ہو لک لارہے ہیں۔“

اس نے طنزیہ مسکراہٹ باپ کو پاس کی۔ حسن اعوان اسے نظر انداز کرتے چلے گئے۔ پیچھے وہ صوفے سے ٹیک لگاتا آنکھیں چھت پر مرکوز کرتا بڑبڑایا۔

”مجھے ڈر ہے میرے بھائی کی زندگی میں روشنی کی جو کرنیں آئی ہے وہ دوبارہ اندھیری رات میں نہ بدل جائے۔“

وہ لیپ ٹوپ کے سامنے بیٹھی تیزی سے ہاتھ چلاتے جیولیری اتار رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اسی تیزی سے اپنے سرخ لبوں کو دوائی پس سے رگڑا تھا۔ بیڈ کے پاس کھڑا اپنا کوٹ اتار تا یوعان شیخ اس منظر پر ہلکے سے اضطراب میں مبتلا ہوا تھا۔

سرخ لیپ سٹک اتار کر اس نے ہلکے گلابی رنگ کالپ گلوں لگا لیا۔ لمبی مصنوعی پلکیں بھی وہ اتار چکی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ اس کے نکاح میں آتے یوعان شیخ کے فلیٹ میں رخصت ہو کر آئی تھی۔

میٹنگ شروع ہونے میں کچھ منٹ رہ گئے تھے اس نے کمرے میں نظریں دوڑائی تو بیڈ پر یوعان کا کوٹ نظر آیا۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر وہ اٹھا کر پہن لیا۔ یوعان نے تعجب سے اس کی حرکت نوٹ کی تھی۔ جس پر وہ معذرتی تاثر اسے دیتی بھاگ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور اسی وقت زوم کی سکریں پہ ایک ساتھ بہت سے چہرے نمودار ہوئے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ ڈسٹرب نہ ہوا اس ل نے یوعان کمرے سے نکل کر دروازہ اپنے پیچھے بند کر گیا۔

پھر دو گھنٹے تک وہ میٹنگ میں مصروف رہی۔ اس کے دلائل اتنے مضبوط اور ڈزائی نزا تنے پر کشش تھے کہ وہ یہ کانٹریکٹ بھی اپنے نام کر گئی تھی۔ میٹنگ ختم ہوئی تو وہ جٹ سے لیپ ٹوپ بند کرتی کمرے سے نکل کر لاونچ میں آئی۔ صوفے پر دف سے گر کر وہ درد سے پھٹتے سر کو برداشت کرتی تھکن زدہ سی بولی۔

“Ahhhhh I am so exhausted.”

”مجھے کوئی کافی لادو۔“

وہ بند آنکھوں سے اونچا بولی۔ کچھ دیر بعد اسے آہٹ سنائی دی۔ تو سرخ آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا اس کا سرد مزاج کھڑوس شوہر اس کے سامنے کافی رکھ چکا تھا۔

”یہاں کوئی نوکر نہیں ہے۔“

اس نے اٹھ کر بیٹھتے استفہامیہ بھنویں چڑھائی۔ یوعان شیخ نے نفی میں سر ہلایا۔ ہاتھ میں کافی لے لے وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

گرم گرم کافی اس کے اعصاب پر خوشگواریت چھوڑ چکی تھی۔ سر کے درد میں کچھ افاقہ ہوا تو وہ ماحول کو سمجھنے کے قابل ہوئی اس نے اپارٹمنٹ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وہ تین کمروں کا اپارٹمنٹ تھا۔ چھوٹا سلاونچ اور ایک سائیڈ پتہ کچن آئی راتھا۔ اسے اپارٹمنٹ بالکل کورین طرز کا لگا تھا۔

معاً اسے خیال آیا کہ اپارٹمنٹ میں دو لوگوں کے ہونے کے باوجود بھی خاموشی ہے۔

”تم یونہی ہر وقت خاموش رہتے ہو۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوعان نے نظر گھما کر اسے دیکھا۔ وہ اس کا کوٹ اب بھی پہنے ہوئے تھی۔ یوعان نے جانا وہ اتنی پتلی تھی کہ اس کا کوٹ اتنے بھاری کپڑوں کے باوجود بھی اسے کھلاتھا۔ اور وہ کافی کیوٹ لگ رہی تھی۔

”آپ کی عمر۔“

اپنی بات کے متضاد سوال سن کر اس کی بھنویں تن تھیں۔ لیکن پھر فخریہ انداز میں بولی۔

”Its 26۔“

آنکھوں سے جتایا گیا کہ بھئی آپ سے کافی چھوٹی ہو۔ لیکن اگلے ہی پل اس کی ساری اکھڑ نکل گئی جب وہ متانت سے آنکھیں سکیڑے کہہ رہا تھا۔

”نوسال فرق ہے ہم میں۔“

”تو۔“

وہ سمجھ تو گئی تھی لیکن اسے بولنے پر اکسانے کیلئے سوالیہ ہوئی۔

”آپ کو مجھے تم مخاطب نہیں کرنا چاہیئے۔“

مآرب کا چہرہ خفت و شرم سے سرخ پڑھ گیا۔ جسے چھپانے کو وہ کافی ہونٹوں سے لگا گئی۔

Safar-e-Adab

اگلے دن تیار شیار وہ کمرے سے نکلی۔ تو سمانے ہی یوعان شیخ کو کاؤنٹر پر ناشتہ بناتے مصروف پایا۔

بالوں کو ہاتھ سے سنواری وہ کاؤنٹر کے پاس آئی۔

”کیا مجھے ایک گلاس دودھ ملے گا۔“

یوعان نے سر ہلا کر فریج سے دودھ نکال کر گلاس میں ڈالتے اس کے آگے رکھا۔

”شکریہ وہ آج میں زرا جلدی میں ہوں ورنہ آپ کا ناشتہ بھی بنا کر جاتی۔ میں ویسے ناشتے میں صرف دودھ ہی لیتی

ہوں۔“

کھڑے کھڑے ہی گلاس منہ سے لگاتی وہ ایک ہی سانس میں ختم کر گئی۔ یوعان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاں البتہ حیرت ضرور ہوئی۔ اسے لگا تھا وہ نوکر رکھنے کا کہے گی۔ لیکن وہ تو خود ہی کام کرنے کا کہہ رہی تھی۔

مآرب نے حالی گلاس کا ونٹر پر رکھا۔ اسی اثنا میں اس کا فون بج اٹھا۔

اس کی بہن کی کال تھی۔ ہونٹ اوپر کو اٹھاتے وہ کچھ پل فون کو گھورتی رہی۔ یوعان جو ابلے انڈے چیل رہا تھا مسلسل بجتی گھنٹی پہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا لیکن تب تک وہ فون اٹھا چکی تھی۔

”کیا تم اعوان کمپنیز کی واحد شیئی رہو لڈ رہو۔ جو تم نے میرے دیور کو ڈیل کیلئے صفا چٹ انکار کر دیا۔“

”اتنے بڑے گھر میں بیاہ کر بھی تمہاری لالچ نہیں گئی مریم۔ اپنے دیور سے کہہ دو وہ جب تک میرے ساتھ ایماندار نہیں ہو گا میں اسے اعوان کمپنیز میں قدم تک رکھنے نہیں دوں گی۔“

اس کے لہجے میں ایسی میں چنگی و مضبوطی تھی۔ کہ ایک لمحے کو تو یوعان بھی اسے دیکھ کر رہ گیا۔  
دوسری طرف مریم کاظمی کو تو مانو پٹنگ لگ گئے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”وہ تمہارا بوائے فرینڈ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ ایمانداری دیکھائے گا۔“

اس کا چہرہ گلابی پڑنے لگا۔

”مریم تم میں زرا شرم و لحاظ نہیں ہے بولتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتی کہ میں شادی شدہ ہوں۔“

بہن کے ساتھ بحث کرتے وہ بھول چکی تھی کہ سامنے اس کا ایک دن پہلے کا بنا شوہر موجود ہے۔ جو من و عن اس کی ساری باتیں سن چکا ہے۔ یوعان شیخ کیلئے اس کا یہ انداز عجیب کے ساتھ دلچسپ بھی تھا۔ وہ اپنا ناشتہ ختم کر چکا

تھا۔ اسے یونہی بات کرتے چھوڑتا وہ لاونچ میں آکر صوفے پر پڑا کوٹ اٹھا کر پہنتا اپنی ضروری چیزیں لے لے پارٹمنٹ سے باہر نکل گیا۔ کہ اسے دیر ہو رہی تھی۔

”یوشع کی کیا مصروفیت ہے آج کل۔“

پیڈ پر خبریں پڑھتے اس کا مخاطب شاہ نواز تھا۔ جس کا پورا دھیان ڈرائی یونگ پہ تھا۔ اس کا سوال سننا چونک کر یو میرر میں دیکھتا بولا۔

”کچھ زیادہ نہیں بس گھر سے یونی، یونی سے اکیڈمی اور ایکڈمی سے دوبارہ گھر۔“

شاہ نواز کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ یوعان شیخ کی ہی کاپی ہے۔ اس کی طرح سنجیدہ اپنے کام سے کام رکھنے والا کم گو۔ ہاں اس کے مزاج میں سرد مہری نہیں تھی۔

شاہ نواز کے تعارف کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ یوعان شیخ کے قریبی لوگوں کے دائرے میں آتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے دل کے قریب ہے۔ اس کا کوئی ایک عہدہ نہیں تھا۔ وہ حسب ضرورت کام کرتا تھا۔ کبھی ڈرائی یور کبھی اسسٹنٹ کبھی جاسوس نیز یوعان شیخ کی زندگی شاہ نواز کے بغیر کچھ نہیں تھی۔

”اور سوشل سرکل۔“

”نہ ہونے کہ برابر۔“

وہ کوئی سوال پوچھتا کہ اس کی نظر سے ایک ہیڈ لائن گزری۔ جس کے ساتھ ایک تصویر تھی جس میں مارب اعوان ایک انٹرنیشنل کمپنی کے سی ای او کے ساتھ ملا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی اتر آئی۔



”آرب اعوان۔“

اس کا ایک لفظی سوال کافی تھا۔۔۔ شاہ نواز سمجھتا بولنے لگا۔

”کمپیوٹر انہیں چالاک لو مڑی کہتے ہیں۔ میرے مطابق مضبوط اور زیرک۔“

گاڑی شیخ کارپریشن کی بلند عمارت کے سامنے رکی۔ مستعدی سے ہاتھ باندھے کھڑے گاڑی نے تیزی سے آگے بڑھتے دروازہ کھولا۔ یوعان شیخ اپنی پرکشش و سحر انگیز شخصیت سمیت گاڑی سے اترا۔ کورٹ کا بٹن کھولتے اس نے قدم ایگزٹ کی جانب بڑھائے شاہ نواز اس کا لیپ ٹوپ اور فائی لڑ پکڑے اس کی پیروی میں اندر کی اور بڑھا۔

”بھائی۔“

آواز ایک کراہ کی صورت اس کے سینے سے نکلی تھی۔

زمین پر بے یار و مددگار پڑا خون میں لت پتا سانسوں کیلئے تڑپتا وہ سولہ سال کا لڑکا اپنے بھائی کو پکار رہا تھا۔

وہ جانتا تھا اللہ کے سواء واحد اس کا بھائی ہے جو اسے زندگی عطا کرنے کیلئے اپنی سانسیں تک ہار سکتا ہے۔

اس نے بند ہوتی آنکھیں بڑے جتن سے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حواس دغا دے کر ساتھ چھوڑنے کے درپر تھے۔

”تو کیسا لگ رہا ہے موت کو اتنے نزدیک سے محسوس کرتے ہوئے۔“

گلے میں زنجیروں کا انبار پہنے اس کے سامنے پنچوں پر بیٹھتا وہ لڑکا اپنے حلیے سے ہی حالص او باش قماش کا لگ رہا تھا۔

”بھائی۔“

اس کے لہو لہان لبوں سے الفاظ پھونک کی صورت نکلے تھے۔ لڑکے کا جاندار قہقہہ فضا میں گھونجا تھا جس میں اس کے دوستوں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

اس نے اٹھنے کی نجیف سی کوشش کی تھی۔ لیکن پاس کھڑے دوسرے لڑکے کے سر پر پیر رکھنے سے اس کی کوشش ناکام ہوتے اسے اذیت سے چیخنے پر محسوس کر گئی۔

”تمہارا بھائی۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔ جانتے ہو جسے تم بھائی کہتے ان درد کے لمحات میں پکار رہے ہو وہ تو تمہاری ماں کا جناہی نہیں ہے۔“

اس کے تمسخرانہ لہجے پر وہ پر زور انداز میں نفی میں سر ہلانے والا تھا لیکن سر پر زور پڑنے سے بس سسکاری ہی نکل سکی۔

”تم آج پیسے کے گھمنڈ میں قدموں پڑے سک رہے ہو اور میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر تمہیں قدموں تلے روندنے کو تیار ہوں اور دیکھو مجھے روکنے والا بھی کوئی نہیں۔“

اس کے کان میں پھنکار تا وہ ایک آخری وار سے اس کی سانس سینے میں اٹکاتا اسے خون میں لدھا چھوڑے وہاں سے جا چکا تھا۔

لنچ بریک میں بھی بھوک پیاس بھلائے فائی لوں میں سردی نے وہ خاصی مصروف تھی۔ میز پر کاغذوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس سر کجانے کی بھی مانو فرصت نہیں تھی۔ معاً اس کے آفس کا دروازہ دھڑام سے کھول کر کوئی اندر

داخل ہوا۔ اور وہ دیکھے بغیر ہی جان گئی کہ آنے والا کون ہے آخر کو ایسی حرکت آفس میں ایک ہی شخص کر سکتا تھا۔ کسی اور میں یہ جرت ہی نہیں تھی۔

”تمہیں زرا شرم نہیں آئی تم شادی کے دوسرے دن ہی آفس آگئی۔“

یسال اعوان کمر پر ہاتھ رکھے تیکھے پن سے بول رہا تھا۔

مآرب نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

”آج نہ آتی تو دو کروڑ کے نقصان کو اگلے دن رو رہی ہوتی۔“

یسال نے ہنکارا بھرا۔

”اتنی بھی پیسے کی کیا ہواس۔ اس وقت تمہیں اپنے شوہر کے پاس ہونا چاہیئے تھا۔ کیا اسے گھر چھوڑ آئی ہو۔“

”مجھے پیسے سے بہت پیار ہے۔ میری ہواس یقین جانو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔“

پھر وہ چونکی اس نے سر اٹھا کر یسال کو دیکھا۔

”رکوزرا شوہر سے یاد آیا میں تو اب شوہر شدہ ہوں۔ صبح اس لالچی مریم سے باتوں میں لگ کر میں اس سے مل بھی

نہیں پائی۔ بچارے نے اپنا ناشتہ بھی خود بنایا تھا۔“

یسال اعوان کی آنکھیں حیرت سے کچھ پھیل سی گئی۔ وہ کھڑے کھڑے ہی پوچھنے لگا۔

”کیا اس کے گھر نوکر نہیں ہیں۔“

فون اٹھاتی مآرب نے نفی میں سر ہلایا۔

”ابھی تک تو مجھے اپارٹمنٹ میں اس کے علاوہ کوئی نہیں دکھا۔ لگ تو یہی رہا ہے کہ وہ اپنے کام خود ہی کرنا پسند کرتا ہے۔“

یسال کچھ اور بے یقین ہوا۔

”کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ ویسے یقین تو ہر گز نہیں آیا۔ خیر میں کیا کوئی بھی یقین نہ کرے۔ وہ بلین آئی برنس ٹائی کون سر دترین مزاج انسان اپنا ناشتہ خود بنا رہا تھا۔ اس پہ تضاد نوکر بھی نہیں رکھتا۔ بھئی یہ تو خبروں کی ہائی لائیٹ ہونی چاہیئے۔“

وہ فون پر جھکی کانٹکٹ لسٹ میں اُس کا نمبر ڈوہنڈ رہی تھی۔ جب نہیں ملا تو مایوسی سے بولی۔

”وہ یونہی اتنا کامیاب اور لوگوں میں مشہور نہیں ہے۔ اس کی اچھائی کی تمہیں کیا مثال دوں صبح اس نے مجھے گلاس میں دودھ پیش کر کے دیا۔ حالانکہ میرا بھی فرض بنتا تھا اچھی بیویوں کی طرح اس کیلئے ناشتہ بناتی۔ لیکن دیکھو میرے پاس تو اس کا نمبر بھی نہیں ہے۔“

وہ ایسی ہی تھی اس کے ساتھ کوئی چھوٹی سی بھی نیکی کر تا وہ اسے ہیر و مان لیتی۔ لیکن کسی نے غلطی سے بھی ٹیرھی نگاہ ڈالی پھر وہ قیامت تک اس کیلئے ویلن ہی ہوتا ہے۔

یسال کا جناتی قبضہ آفس میں گونجا۔

”سچ بتاؤ تمہیں ساری رات اتنا بھی وقت نہیں ملا تھا کہ تم اپنے شوہر کا نمبر ہی فیڈ کر لیتی۔“

مآرب اس معنی خیزی پر کانوں تک سرخ ہوئی۔

”گھٹیا پن کی حد ہی ہوگئی یسال۔ تمہیں حیانہ آئی بہن سے ایسی بات کرتے ہوئے۔ میں ساری رات اس کا نمبر کیا فیڈ کرتی میرے پاس تو اسے دیکھنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ انگریزوں کے ساتھ ہی سرکیپاتی رہی۔“

یسال کچھ نہ بولا بس شریر سا ہستارہا۔

وہ چٹگئی۔

”ہنسو مت مجھے نمبر دو ان کا۔“

یسال نے شوخی سے بھنوائی اچکائی۔

”اوہ ”ان کا“۔ بھئی ایمان سے بتاتا اس کا نام نہیں پتا یا شوہر کے احترام میں ”ان“ کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔“

”تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی بے خبر بیوی ہوں۔ مجھے علم ہے میں اس ملک کے ایک بہت ہی امیر شخص کی زوجہ محترمہ ہوں جس کا نام یوعان شیخ ہے۔“

اس نے اب سوشل میڈیا پہ اسے ڈوہنڈنا شروع کر دیا تھا۔ یسال نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”میں آج جان پایا ہوں تم کس حد تک لالچی ہو۔ مریم بچاری تو نام کی بدنما ہے۔“

”اس عورت کا نام نہ لینا میرے سامنے اپنے ٹھکر کی اور بددیانت دیور کو میرے سر لگا رہی ہے۔ ارے دیکھو مل گیا۔“

اچانک وہ خوشی سے سے چونکی اسے انسٹاپہ یوعان شیخ کے نام سے ایک اکاونٹ نظر آیا تھا۔ تصدیق کیلئے پروفائل پہ بلوٹک کافی تھا۔ یسال کھڑے کھڑے ہی جلدی سے دیکھنے کی کوشش میں آگے ہوا۔

”ایکیوزمی یہ آپ کیا کر رہی ہے۔“

کچرے کے ڈھیر پہ جھکی وہ اس خوبصورت آواز پہ ٹھٹھکی تھی۔ دل میں اس آواز کے مالک کو دیکھنے کی چاہ بڑی بے تابی سے جاگی تو وہ سیدھی ہوتی پیچھے مڑی۔

وہ سوٹ بوٹ آدمی اپنی آواز کی طرح زیادہ خوبصورت نہیں تھا لیکن بھلا کاپرکشش تھا۔

اس کی منتظر آنکھیں خود پہ ٹھکی دیکھ کر وہ تنی بھنوں سمیت بولی۔

”کھانا ڈوہنڈ رہی ہوں۔“

مقابل کی آنکھیں استعجاب سے پھیلی۔

”کچرے کے ڈھیر میں۔“

اس نے ناک چڑھائی۔

”غریب اپنا کھانا کچرے کے ڈھیر میں ہی ڈوہنڈتے ہیں۔ ان کے پاس آپ کی طرح ہر ڈش کیلئے الگ الگ شیف نہیں ہوتے۔“

مقابل کو اس بات پہ اختلاف ہوا۔ وہ ہلکا سا احتجاج لہجے میں لے بولا۔

”ہمارے ہاں شیف ہے لیکن ہر ڈش کیلئے الگ الگ نہیں ہے۔“

اس نے سرتاپیر اسے دیکھا۔ وہ اس کی سکین کرتی نظروں سے ایک پل حائف ہوا تھا۔

”تم کتنے امیر ہو۔“

سوال غیر متوقع تھا لیکن جواب اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ پھسل گیا۔

”میرے پاس پچاس ملین ڈالر ہے۔“

اس کی آنکھیں چمک اٹھی۔ یہ تو بہت امیر تھا۔

اس نے جلدی سے ہاتھ مار کر اپنے بال سنوارنے کی کوشش کی۔ جو الجھ کر گھونسلابن چکے تھے۔

”میرے مطابق تم بہت امیر ہو اور مجھے امیر لڑکے پسند ہے۔ مجھے پیسے سے بہت پیار ہے۔ پیسہ میری پہلی محبت ہے لہذا

میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔“

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ مقابل نے اس کا میلا ہاتھ دیکھتے سوچا تھا۔

اس کے ہاتھ خوبصورت تھے بس میلے پن نے خوبصورتی چھپا دی تھی۔

وہ منتظر رہی لیکن اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ تو وہ بھی مایوس ہوتی اپنا ہاتھ پیچھے کر گئی اور پھر مڑ کر ایک سمت چلنے

لگی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ وہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی دلچسپ تھی۔

کافی میکر کے سامنے کھڑا وہ کافی بننے کا انتظار کر رہا تھا۔ دفعہ نو ٹیلیفیکیشن ٹون نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ کافی تیار تھی اس

نے کپ ہٹا کر پاس ہی رکھا۔ اور فون جیب سے نکال کر ان لاک کیا۔ انسٹاپہ کسی اکاونٹ سے میسج آیا تھا۔ شاہ نواز نے

بے دلی سے کھولا۔ یوعان شیخ کو اکثر لڑکیوں کے میسج آتے رہتے تھے۔ وہ اس کا سوشل میڈیا میسج کرتا تھا اس چیز سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن پھر وہ بے طرح چونکا تھا۔ اس کے حواس جیسے جاگ اٹھے تھے۔

”کیا میں اپنے شوہر سے بات کر رہی ہوں۔“

شاہ نواز نے پروفائی ل پہ نام دیکھا جہاں مآرب اعوان لکھا تھا۔

اکثر اکاونٹ فیک بھی ہوتے ہیں تبھی اسے یقین نہ آیا۔ تو پوچھ لیا۔

”آپ کون۔“

جواب آیا۔

”آپ کی بیوی۔“

اس نے تیزی سے لاجول پڑھی تھی۔ اس کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی پھر بیوی کہاں سے آئی۔ لیکن وہ تو یوعان شیخ کی بیوی تھی۔ اس سوچ کے آتے ہی تھوڑی تسلی ہوئی۔

”یوعان سر میٹنگ میں ہے بی بی۔“

اس نے سوچ سوچ کر جواب لکھا۔

”تو آپ کون ہے۔“

”میں شاہ نواز۔“

”کون شاہ نواز۔“



”یوعان سر کے اسٹنٹ۔“

نہیں اتنا تعارف کافی نہیں تھا۔

”ڈرائی یور بھی۔“

”پھر لکھا۔۔“ میں ان کا خاص آدمی ہوں۔“

”میرا شوہر اتنا ظالم لگتا تو نہیں۔ ایک انسان سے اتنے کام۔ کیا وہ حقیقت میں اتنا امیر ہے جتنی دنیا بتاتی ہے۔ مجھے تو اب اس کے مال پہ شک سا ہونے لگا ہے۔ نوکر رکھتا نہیں، اسٹنٹ اور ڈرائی یور کا کام ایک ہی شخص سے کرواتا ہے۔“

اس کا اتنا لمبا میسج پڑھتے ہی شاہ نواز کا قبضہ اتنا بلند تھا۔ کہ آفس سٹاپ بھی ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہوئے تھے انہیں بڑی حیرت ہوئی تھی۔ یہ روبوٹ ہنستا بھی ہے۔

دوسری طرف میٹنگ روم میں بیٹھے یوعان شیخ نے تیسری مرتبہ کھلائی میں موجود گھڑی پہ نگاہ ڈالی تھی۔ شاید شاہ نواز بھول گیا تھا۔ کہ اسے اس وقت کافی پینی ہوتی ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

موبائی ل ہاتھ میں پکڑے وہ آنکھیں سکیڑے میسجز پڑھ رہا تھا۔ آخری میسج پڑھتے اس کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔ اس نے ایک سنجیدہ گھوری اس پہ ڈالی۔ جو کچھ گڑبڑا گیا تھا۔

”میرا نمبر سنڈ کر دو۔“

موبائی ل اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ آفس کی جانب بڑھ گیا۔ شاہ نواز نے حکم کی تعمیل کرتے نمبر سینڈ کیا تھا۔

اپنے آفس میں بیٹھی مآرب نے سارے کام پس پشت ڈالتے بڑی تیزی سے وہ نمبر ڈائی ل کیا تھا۔

ادھر آفس میں داخل ہوتے یوعان کو انداز نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اسے کال کرے گی۔ سربراہی کرسی پر بیٹھتے اس نے فون کان سے لگایا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ لیپ ٹوپ آن کر رہا تھا۔

”اسلام علیکم کیا اس بار میں اپنے شوہر سے ہی بات کر رہی ہوں۔“

”وعلیکم اسلام جی۔“

وہی ایک لفظی جواب۔

فون کندھے اور کان کے بیچ پھنسائے مآرب کے ہاتھ تیزی سے اپنی چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھے۔

”ہماری کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی۔ میں ساتھ لپچ کا سوچ رہی تھی۔ لیکن وہ ممکن نہیں ہو پایا۔ اس وقت میں گھر کیلئے نکل رہی ہوں۔ رات کیلئے کچھ بناؤں گی۔ آپ مناسب سمجھے تو جلدی آجائیے گا۔“

بات کرتے کرتے وہ آفس سے نکل آئی۔

”آپ کو تکلیف ہوگی میں کر لوں گا مآرب۔“

وہ سنجیدگی بھری نرمی سے بولا۔ مآرب کو اچھا لگا اس کے لہجے میں عزت تھی۔

”کیا تم گھر جا رہی ہو۔ لیکن ابھی تو کافی ٹائی م ہے۔“

راستے میں یسال نے روک کر تعجب سے پوچھا۔ وہ فون کے سپیکر پر ہاتھ رکھے بولی۔

”میں اب شادی شدہ ہوں میرے گھر میں نوکر نہیں ہے۔ میرا شوہر خود کام کرے یہ میری غیرت گواری نہیں کرے گی۔ اسلئے میں اب سے اس ٹائی م گھر جایا کروں گی اور فکر مت کرو کام آج کا میرا مکمل ہے۔“

اس نے سپیکر پر ہاتھ رکھا تھا اس کے باوجود بھی دوسری طرف وہ سن چکا تھا اور ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔

”جاو بہن شوہر کی سیوا کرو۔ باقی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں یہ بات جی ٹی رین صاحب پر بڑی گراں گزرے گی۔“

ہاتھ جھلا کر کہتے بیال وہاں سے رفوچکر ہو چکا تھا۔ پیچھے وہ اسے گھور ہی سکی تھی۔ پھر خیال آتے فون جلدی سے کان سے لگایا۔

”مانا کہ میں ایک خود مختار اور آزاد خیال عورت ہوں۔ مجھے بزنس کے معاملات بھی دیکھنے ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے رشتوں کے تقدس کا بھی خیال ہے میں انہیں بکھرنے نہیں دیتی۔ تو پھر کیا خیال ہے آپ کا۔“

”میرے خیال کے مطابق آپ بولتی بہت ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ لفٹ میں چڑھی۔ وہاں پہلے سے موجود دروازے پر اسے سلام کیا تھا۔ جس پر وہ سر ہلا گئی۔ بے صبری سے پاؤں ٹیپ کرتی وہ لفٹ کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دوسری طرف وہ اس کی خاموشی محسوس کرتے سمجھا کہ شاید وہ اس کی بات کا برا مان گئی ہے۔

”مارب۔“

ہنوز خاموشی۔

”لگتا ہے آپ میری بات کا برا مان گئی ہے۔“

محتاج لہجے میں کہا گیا۔ اسی پل لفٹ کھل گئی۔ لفٹ سے نکلتے ہی وہ بولی۔

”میں زیادہ نہیں بولتی بس آپ ضرورت سے زیادہ کم بولتے ہیں۔ دوسرا مجھے برا نہیں لگا۔ میں لفٹ میں تھی میرے ورکرز مجھے یوں گفتگو کرتے دیکھ شک میں چلے جاتے سو میں خاموش رہی۔ مجھے لگتا ہے اب مجھے پر سنل لفٹ بنوانی پڑے گی۔“

آفس کی عمارت سے نکل وہ باہر آئی ڈرائیو اس کی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔

”میں خود ڈرائیو کروں گی۔“

ڈرائیو ر نے تعبداری سے چابی بڑھائی۔

”مجھے زیادہ بولنا پسند نہیں۔“

کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

انگلیشن میں چابی گھماتے مآرب ہنسی۔  
BEING THE STRING OF YOUR LIFE

”یقین مانیئے میں اپنی زندگی میں ایسے شخص سے کبھی نہیں ملی جو بولنے سے اتنا بے زار ہو۔“

”آپ ڈرائیو کر رہی ہے۔“

وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”جی میں گھر جا رہی ہوں۔“

”تو پھر فون رکھئے بات کرتے وقت ڈرائیو نہیں کرتے مآرب۔“

اس کا لہجہ بڑا ہی نرم خوش نصیحت بھرا تھا۔

مآرب کے ہونٹوں پر بے ساختہ ہی مسکراہٹ آگئی تھی۔ وہ اس کے خیال میں کہہ رہا تھا یہ خیال ہی کتنا دل فریب تھا۔

اس کی گاڑی بلڈنگ کی پارکنگ میں رکی۔ اگلے لمحوں میں وہ لفٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے اسے ایک شخص نظر آیا جس کی پشت اس کی جانب تھی۔ جس چیز نے اسے چونکا یا تھا وہ اس شخص کی بانہوں میں ایک مدہوش لڑکی تھی۔

”ایٹ کلاس کے چونچلے۔“

وہ بڑبڑائی۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی۔

بیگ صوفے پر رکھتے وہ کھلے بالوں کا جوڑا بناتی سیدھا کچن میں آگئی۔

فریج میں سے مطلوبہ چیزیں نکالتی کاؤنٹر پر ڈھیر کرنے لگی۔

وہ اس کام میں بری طرح مصروف تھی جب اچانک سے فون کی رنگ ٹون نے اس کی توجہ کھینچی۔

چکن کاؤنٹر پر رکھتے اس نے ٹراؤزر کی جیب سے فون نکالا تو نمبر دیکھتے اس کے چہرے پر ایک الوہی سی چمک چھا گئی۔

یس کا بٹن پیش کرتے فون سپیکر پر لگایا اور کاؤنٹر پر رکھ کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔ جبکہ فون میں سے ایک جھنجھلائی سی آواز ابھری تھی۔

”تم تو شادی کر کے بھول ہی گئی ہو۔ یہاں تمہارے لائے اپنی زندگی داؤ پر لگا کر میں مرنے والی ہو گئی ہوں۔ اور مزے کی بات مجھے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔“

سبزیاں کاٹتے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی جبکہ آنکھوں میں شرمندگی کا تاثر تھا۔

”ایک کام تم سے کروایا تھا وہ بھی تم اٹھتے بیٹھتے تانے دے دے کر پچھتانے پر مجبور کر رہی ہو۔ اور پوچھتے تو بہن ہم صبح و شام تمہی ہے لیکن جس کے پوچھنے کا تم انتظار کر رہی ہو۔ وہ اپنا غم سینے سے لگائے خود تک سے بیگانہ ہو چکا ہے اس بچارے سے کیا گلا۔“

اس کی بات میں وزن تھا دوسری طرف تھوڑی دیر کیلئے خاموشی چھا گئی۔ اور مآرب جانتی تھی وہ اس وقفے میں اپنے آنسو اندر اتار رہی ہوگی۔

”مجھے اس بات کا دکھ ساری زندگی رہے گا۔ لیکن میں اس کیلئے معافی کبھی نہیں مانگوں گی اور وجہ تم جانتی ہو مآرب۔۔۔۔۔ یہ کٹ کٹ کی آواز بڑی دیر سے آرہی ہے۔ کہی اپنے شوہر کو چھری تلے رکھ کر ذبح تو نہیں کر رہی۔“

بات کرتے کرتے اتنی سنجیدگی سے مذاق کرنا صرف اسی کو آتا تھا اور یہ بات مآرب جانتی تھی تبھی پہلی بات بھول کر آخری پہ اس کی ہنسی نکل گئی۔

”ٹھیک ہے کہ یہ شادی صرف ایک بزنس ڈیل ہے ہم دونوں ہی اپنے فائی دے کیلئے ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہے لیکن اب میں اتنی بھی مفاد پرست اور خود غرض نہیں ہوں کہ لے کے اسے چھری تلے ہی رکھ دوں۔“

”دیکھو تو مآرب اعوان کتنی انہونی بات کر رہی ہے کہ وہ خود غرض نہیں ہے۔ میری زندگی سے رنگ چھین کر بھی تم خود غرض نہیں ہو واہ بھئی۔“

اگلے لمحے وہ پھر سے سنجیدہ ہو چکی تھی۔ مآرب نے نفی میں سر ہلایا اس کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ جب کبھی وہ زیادہ ٹنس ہوتی یوں ہی اپنا غصہ مآرب پر نکالتی۔ اور وہ چپ چاپ سن بھی لیتی تھی۔

وہ تقریباً دس کی سال کی بچی تھی۔ جولا غر و جودل نئے زمین پر کسی ڈھیر کی طرح پڑی تھی۔ اس کا جسم زخموں سے بھرا وحشیانہ تاثر دے رہا تھا۔ کپڑے جسم پر اوڑھے نہیں پھینکے گئے۔ سانس لینے کی کوشش میں وہ پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس کے سر دسو کھے ہونٹوں سے آہ کی صورت ایک لفظ نکلا۔

اللہ۔

اس کی آنکھیں پھٹ سے کھلی تھی۔ اور سرعت سے سیدھا ہو کر بیٹھا ہاتھ بڑھا کر پیشانی سے پسینے کی طہ صاف کی۔ ہاتھوں کے ساتھ وجود بھی کپکپا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بمشکل خود کو کمپوز کر کے وہ کرسی سے اٹھا اور آفس سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ پارکنگ کی طرف تھا۔ اسے نکلتے دیکھ شاہ نواز اپنے کیبن سے نکلتا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

کوڈ کی آواز پر اسے لگا کہ یوعان شیخ آگیا ہے۔ سلا د کاٹتے اس نے یو نہی نگاہ اوپر اٹھائی تو سامنے دروازے سے ایک نو عمر لڑکے کو داخل ہوتے دیکھا۔ وہ حیرت کا شکار ہوتی چھری ہاتھ میں لے ہی کاونٹر کے پیچھے سے نکل کر سٹنگ آئی میں آئی۔

”اے کون ہو تم اور بغیر اجازت کے گھسے چلے آ رہے ہو۔ لڑکے شاید تم اپنے گھر کا راستہ بھول چکے ہو۔“

یوشع کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ مقابل کو دیکھ کر چہرے پر واضح ناگواری آئی تھی۔

”میرا حفظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ اپنے گھر کا راستہ لفظ بہ لفظ حفظ ہے۔ اور جہاں تک رہا میرا تعارف تو اس کیلئے اتنا

جان لے کہ میں اس اپارٹمنٹ کے مالک کا بھائی ہوں۔“

مآرب ہونق بنی اس لڑکے کی آنکھوں میں اپنے لے ناگواری دیکھ رہی تھی جس سے وہ ملی ہی پہلی بار تھی۔

”اگر تم اس اپارٹمنٹ کے مالک کے بھائی ہو جو کے میرا شوہر ہے تو تم نکاح میں کیوں نہیں تھے۔“

”کیونکہ میں اس نکاح کے خلاف تھا۔“

وہ کھر درے لہجے میں اس کے منہ پر ہی بول گیا۔ مآرب کا منہ حیرت سے کھلا۔

”عجیب تو پھر روکا کیوں نہیں۔“

یوشع نے ہنکارا بھرا۔



”میرے پاس اختیار ہوتا تو ہونے ہی نہ دیتا۔ تم ایلٹ کلاس والوں کا تو لالچ ہی ختم نہیں ہوتا۔ اور زیادہ کی چاہ میں انسان کو کھیلونا بنا دیتے ہو۔“

مآرب کمر پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ماتھے پر ٹمکینس لے اے دیکھنے لگی۔

”تمہاری بات سے میں اتفاق کرتی ہوں۔ پیسے سے پیار تو مجھے بھی بہت ہے۔ لیکن لالچی میں ہر گز نہیں ہوں۔ اور زندگی بھی میں نے خود ہی داو پہ لگا دی ہے۔ ابھی تو مجھے محبت بھی نہیں ہوئی تھی اور میری زندگی ایک بزنس ڈیل کی نظر ہو گئی۔ تمہیں مجھ سے ناگواری کی بجائے ہمدردی رکھنی چاہی ہے۔“

چہرے پر مایوسی لے وہ اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ ہو بھی جاتا اگر اسی اثنا میں دروازہ کھول کر یوعان شیخ نہ داخل ہوا ہوتا۔

وہ ندر آتے ان دونوں کو مقابل دیکھ کر ایک پل کو چونکا تھا۔ یوشع نے بھائی کو دیکھ کر ہر چیز بھولا دی۔ اور جا کر اس کے سینے سے لگ گیا۔ چہرے پر ازلی سرد مہری لے یوعان نے اس کی پیٹ تھپتھپائی تھی۔ نظر پھر اس سے جاملی جو ابھی تک آفس کے کپڑوں میں تھی۔ بندھے جوڑے سے بال باہر نکل آئے تھے۔ وہ بیک وقت پروفیشنل وومن کے ساتھ گھریلو بھی لگ رہی تھی۔

”تم نے آنے سے پہلے بتایا نہیں۔“

اسے خود سے دور کرتے وہ سنجیدگی سے بولا۔ تو یوشع نے خفگی سے ہونٹ بھینچے۔

”میں کبھی آنے سے پہلے بتایا نہیں کرتا۔“

پھر پیچھے معدب سے کھڑے شاہ نواز کو دیکھا۔

”یہ سوال بھائی نے مجھ سے کبھی نہیں پوچھا شاہ بھائی۔ اور آج جب بیوی گھر میں موجود ہے تو مجھے بتا رہے ہیں کہ اب مجھے اجازت لے کر اس گھر میں آنا ہو گا۔“

شاہ نواز کیا کہتا اس سے پہلے ہی مآرب کی غیصیلی آواز آئی۔

”یہ تمہیں مجھ سے کون سا کا خدا واسطے کا میر ہے۔ ہر بات میں مجھے گھیسٹنا ضروری ہے۔“

یوکان شیخ کے ماتھے پر بڑے گہرے بل نمودار ہوئے تھے۔ یہ ہو کیا رہا تھا۔

”سر میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔“

”ہاں چلے جانا پہلے کھانا کھا لو۔ میں نے بڑے اہتمام سے بنایا ہے۔ اور لڑکے تم بھی غصہ توک دو۔ بلا وجہ میں اپنا رنگ کالا کر دو گے۔“

دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کرتی وہ مڑ کر کچن میں آگئی۔

شاہ نواز منتظر نظروں سے اپنے بوس کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی حیران نظریں مآرب کی پشت پر رقص کر رہی تھی۔

”سر میں جا۔۔۔“

”کھانا کھا کر جانا شاہ۔“

اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے کی اور بڑھ گیا۔ پیچھے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

زمین پر بے سدھ پڑے اس نے دہائی دی۔

ہاتھ پر کپڑا باندھتے وہ سنجیدگی سے بولا۔ پھر اسے تمبیہ کی۔

”اٹھو لڑکے اس سے پہلے کہ تم ضائع ہو جاؤ۔۔۔۔۔ مقابل کو راکھ کر دو۔“

اس کی یہ بات سن کر زمین پر پڑے لڑکے میں تو انائی سی بھر گئی۔ ہاں اسے ضائع نہیں ہونا تھا۔ وہ ایک بار ہو چکا تھا اب اسے راکھ کرنا تھا۔ ایک جست لگا کر وہ اٹھا اور اس کے وار سے پہلے ہی اسی کے انداز میں لات گما کر اس کی پسلی میں دے ماری۔ مقابل ہلکا سا جھکا لیکن گرا نہیں۔

ہونٹ کا کونا اٹھا کر وہ مسکرایا تھا۔

”ناٹ بیڈ مائے بوائے۔“

لڑکے کے چہرے پر سو والٹ کا بلب جگمگایا تھا وہ اپنی خوشی میں بے خبر بن گیا۔ اور اس کی اس بے خبری کا فائدہ اٹھا کر اس نے یک بعد دیگرے تین مکے اس کے جڑے، پیٹ اور آنکھ میں مارے تھے۔

”جب کوئی تعریف کرے تو اس کا مطلب ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ آپ اس تعریف کے حق دار ہے۔ کبھی کبھی کچھ تعریفیں ہمارے ارد گرد جال بننے کیلئے کی جاتی ہیں۔ اور وہ ہمارا بڑا نقصان کراتی ہے۔“

”یہ میں ڈیزرو کر تا تھا بھائی۔“

آنکھ پر ہتھیلی جمائے وہ درد سے کراتے لہجے میں بولا۔

”تم نہیں کرتے تھے یہ ایک جال تھا۔ جس کا نتیجہ تمہارے چہرے کے یہ نشان ہے۔“

مقابل نے افسوس سے سر ہلایا۔ تو اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

”تم نے لات اچھی ماری تھی لیکن اس میں طاقت نہیں تھی۔ خود میں طاقت لاؤ۔ یہ آج کا زمانہ ہے لڑکے جہاں ہم اپنی سکلز سے نہیں اپنی طاقت سے لوگوں کو زیر کرتے ہیں۔“

اس کی آج کی ٹرینگ کی یہ آخری بات تھی۔ وہ صرف اسے جسمانی نہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی مضبوط بنا رہا تھا۔

”پاگل انسان اندھے ہو نظر نہیں آ رہا۔۔۔“

وہ اس ہوٹل کے چھٹے فلور پر کوریڈور میں تیزی سے چلتی کسی کا پیچھا کر رہی تھی۔ لیکن براہِ واس بندے کا جو اس سے ٹکرا کر اسے گرا گیا تھا۔

”تم تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“

عیسیٰ بلال کو اپنے سامنے دیکھتے وہ چلائی۔ پھر خیال آیا کہ وہ وہاں کرنے کیا آئی تھی۔ اسے سامنے سے ہٹاتے دیکھا۔ وہ اپنا ٹارگٹ کھو چکی تھی۔

”شٹ شٹ۔۔۔۔۔“

”آپ ٹھیک ہے۔ کیا میں نے آپ کا کوئی بڑا نقصان کر دیا ہے۔“

عیسیٰ نے خفت سے پوچھا۔ تو وہ کچھ پل تو ہونٹ بھینچتے غصہ ضبط کرتی رہی۔ پھر کھر درے لہجے میں بولی۔

”آپ نے میری ایک ماہ کی محنت برباد کر دی۔ اور اوپر سے بڑی معصومیت سے پوچھتے ہیں۔ کیا میں نے آپ کا کوئی بڑا نقصان کر دیا ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR LIFE

آخری میں آواز بھاری کرتے اس کی نقل اتاری۔

”تو عیسیٰ بلال خجالت سے کان کجانے لگا۔“

میں نے جو بھی کیا انجانے میں کیا۔ بٹ آئی مریلی سوری۔ مجھے ہر گز پتا نہیں تھا کہ آپ کسی کا پیچھا کر رہی ہے۔“

اس بات پہ وہ غیر محسوس انداز میں چونکی تھی یہ آدمی اتنا بھی معصوم نہیں تھا۔

”ویسے آپ کس کا پیچھا کر رہی تھی۔“

سر سری سے انداز میں پوچھا گیا۔

”نان اف یور بزنس۔“

اس نے تنک کر جواب دیتے وہ جانے لگی۔ جب وہ بے ساختہ اسے روک گیا۔

”کیا آپ میرے ساتھ بچ کرے گی۔“

وہ رکی مڑ کر استہزائی یہ بھنویں اٹھاتے اسے دیکھا۔

”کیا میں تمہیں اتنی امیر لگتی ہوں۔“

”بل میں پے کروں گا۔“

اس نے کچھ برامانے والے انداز میں کہا وہ کیا اب اس سے بل پے کروائے گا۔ مقابل نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہ میں بل پے کر سکتی ہوں اور نہ میں ایک مرد کے بل پہ کھانا کھا سکتی ہوں۔ ایک کی وجہ میری خالی جیب ہے اور

ایک دوسرے کی وجہ میری خود داری ہے۔“

بڑی ہی کوئی بے اعتنائی سے کہتے وہ اس بار تیزی سے وہاں سے نکلی تھی۔ پیچھے موسیٰ بلال خفگی سے ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔

وہ ایسپلوئی ز کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھا۔ جب دھڑام سے دروازہ کھولتے شاہ نواز عجلت میں داخل ہوا۔ ماتھے پر بل لائے یوعان شیخ نے اس کی یہ حرکت ہضم کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ شاہ صاحب کی یہ ہڑبڑی کسی بڑی خبر کا پیش جیمہ ہوتی ہے۔

اور ہوا بھی وہی شاہ نواز نے آکر اس کے کان میں کچھ کہا تھا۔ کہ اگلے ہی لمحے وہ تشویش زدہ ہوتا جھٹکے سے اٹھا۔ میٹنگ روم سے تیزی سے نکلتے اس کے چہرے پر بلا کی سرد مہری تھی۔

”یہ کب ہوا۔“

”آدھا گھنٹہ پہلے۔“

لفٹ سے نکلتے وہ ایک دم رک کر قہر آلود نظر سے اسے نوازتے بولا۔

”کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اس کی حفاظت کرو۔ میں نے گارڈز لگائے تھے اس کام کیلئے میں نے یہ تمہیں سونپا تھا

نواز۔“

وہ سفاک لہجے میں غرایا۔ تو شاہ نواز کی آنکھیں ندامت سے جھک گئی۔

”میں صرف ایک لمحے کیلئے غافل ہو گیا تھا بھائی۔“

بھائی کہتے وہ اس کا غصہ کافی حد تک دبا گیا تھا۔ یوعان کی آنکھوں میں شکوہ اتر آیا۔

”اور تمہاری اس ایک لمحے کی غفلت نے اسے ہو سہیل کے بستر پر پہنچا دیا ہے۔“

شاہ نواز نے لب سختی سے آپس میں پیوست کئے اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔ جو لگتا تھا کہ اڑھ کے ہو سہیل پہنچ جائے گا۔

لابی سے گزرتے اسے نیوز اینکر کی آواز دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برستی ہوئی لگی تھی۔ اس کے عصاب بھاری ہونے لگے تھے۔

”آپ کو تازہ خبر دیتے چلے ناضرین اعوان کریم کی بیٹی اور یوعان شیخ کی بیوی مارب اعوان کی گاڑی پر قتلانہ حملہ ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کو کندھے پر گولی لگی ہے۔ گارڈز نے بروقت حالات پر قابو پایا اور فوراً انہیں ہو سہیل شفٹ کر گئے۔“

اس کی آنکھ کھلی۔ تو دایں طرف اس کے ہاتھ پر ماتھا ٹکائے وہ یوعان شیخ تھا۔ مارب نے زور سے پلکیں جھپکی تھی۔ گولی نکالتے وقت دیانہ اس کے حواسوں پر اب تک ہلکا ہلکا سوار تھا۔ نقصان چونکہ کندھے کو پہنچا تھا لیکن وہی بازو پورا ہلنے سے قاصر تھا۔ زرا سا ہلتا تو درد کی ناقابل برداشت ٹھیس اٹھنے لگتی۔

”ایک بازو گولی نے سن کر دیا ہے دوسرا یہ بندہ اپنے بھاری سے سر توڑ دے گا۔“

”میرا سرتنا بھی بھاری نہیں ہے کہ آپ کا ہاتھ اس کا وزن سہہ نہ سکے۔“

وہ اچانک سے سراٹھا کر سنجیدگی سے بولا۔ وہ اس کی بات نظر انداز کرتے بولی۔

”آپ کب کے آئے ہیں۔“

”گھنٹہ تو ہو گیا ہو گا۔“

وہ دیوار گیر گھڑی پر وقت دیکھتے بولا۔

”طبیعت کیسی ہے آپ کی۔“

اس کے پٹی میں بندھے بازو کو دیکھتے اس نے سوال داغا۔ لیکن جواب میں اس کی آنکھوں سے نلکنے والے موٹے موٹے آنسو دیکھ کر وہ معجب ہوا تھا۔

”کیا میرا پوچھنا اتنا برا لگا ہے۔“

مآرب نے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے اس حقیقت نے رولا دیا ہے کہ آپ کے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ میرا وہ جڑوا بھائی بھی نہیں جو مجھے دل و جان سے پیارا ہے۔“

یوعان نے سر ہلایا۔ پھر اس کی پتلی انگلیوں کو انگلی کی پور سے چھوتے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

”اس میں کوئی برامانے والی بات نہیں ہے۔ تم اس کی جگہ ہوتی تو تم بھی اپنی میٹنگنز چھوڑ کر اس کے پاس ہو سپیٹل دوڑی دوڑی نہ آتی۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ شاید وہ اس تلخ حقیقت کو سمجھ گئی تھی۔ کہ وہ جس معاشرے میں رہتی ہے وہاں زیادہ اہمیت پیسے کی ہے ناکے انسان کی۔

”کیا تم جانتی ہو تم پر حملہ کرنے والے کون لوگ تھے۔“

اس کی انگلیوں سے کھیلتے وہ بظاہر سر سرری سا پوچھ رہا تھا۔ لیکن اس کی جھکی نظریں کتنی قہر ناک ہو گئی تھی۔ یہ وہ جان نہ پائی۔

”ہوں گے مجھ سے جلنے والے کوئی مگر کسبت جو بھی تھے۔ انھیں مجھے کندھے پر گولی نہیں مارنی چاہیئے تھی۔ کیا جاتا اگر کہی اور مار لیتے تو۔“

یوعان نے سر اٹھایا آنکھیں اسے متکی سکڑ گئی تھی۔

”ہاں جاتا تو واقعی کچھ نہیں اگر وہ بازو کی جگہ سر میں گولی مار دیتے تو۔“

مآرب نے کوئی جواب نہ دیا۔ آہو چشم میں آنسوؤں نے پھر سے ڈھیر اجمالیاتھا۔ چہرے پر درد کے آثار دیکھائی دینے لگے تو وہ بولا۔

”درد ہو رہا ہے۔“

مآرب نے لب آپس میں سختی سے پیوست کئے پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔  
 ”میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ہلکا سا درد بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اور اس وقت۔۔۔ وقت تو یہ ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔“

وہ واقعی برداشت کی آخری سروں پر تھی۔ تبھی آواز لکھڑاسی گئی۔ یوعان نے ماتھے پر بل لے سنجیدگی سے شاہ نواز کی صد لگائی۔ وہ اگلے ہی لمحے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

”یہ کیا یہاں تب سے کھڑا ہے۔ آپ اس انسان پہ کبھی رحم بھی کر لیا کرے گدھا ہی سمجھ لیا ہے بچارے کو۔“  
 وہ منہ بسورے ترحم سے شاہ صاحب کو دیکھتی یوعان سے بولی۔ تو شاہ نواز سمجھ نہیں پایا کہ بی بی نے اس سے ہمدردی کی ہے کا اس کی بے عزتی۔

”ڈاکٹر کو بلا دیا جا کے ان کے بازو میں درد ہے۔ اور ہاں فیمیل ڈاکٹر کو لانا۔“  
 شاہ نواز نے سر ہلا کر باہر کی راہ لی۔ تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوا جو کہہ رہی تھی۔  
 ”یہ ڈاکٹر کے جنڈر کیلئے خاص ہدایت کیوں۔ کیا میل ڈاکٹر کے چھونے سے درد میں اضافہ ہو گا۔“  
 ”آپ کا تو پتا نہیں ہاں میرے درد میں ضرور اضافہ ہو گا۔“

BEING THE SPRING OF YOUR LIFE

وہ اتنی ہلکی آواز میں بڑبڑایا کہ مآرب چاہنے کے باوجود بھی سن نہ سکی۔  
 کچھ ہی لمحوں میں ڈاکٹر اور کچھ نرسز شاہ نواز کے ساتھ داخل ہوئے

تھے۔۔۔۔۔

آج اس کا دوسرا دن تھا۔ اور لوگوں کا تابانا لگا رہا تھا۔ کل شام ہی اس کے اور یوعان کے گھر والے دیکھنے آگئے تھے۔ اور آج اس کے اور یوعان کے جاننے والوں نے اس کے کمرے کی راہ دیکھ لی تھی۔ جسے دیکھو پھولوں کا گلہ ستہ پکڑے چلا آ رہا ہے۔ وہ اتنی اکتا چکی تھی۔ کہ اب تو کوئی آتا تو مسکراہٹ چاہ کر بھی چہرے پر نہ آپاتی۔ ہاں ایک چیز کی اسے خوشی تھی کہ اس کے پاس پھولوں کے ڈھیر لگ چکے تھے۔ اسے پھول پسند تھے۔  
 ابھی کچھ دیر پہلے ماہ جیسن اعوان یہاں سے گئی تھی۔



یوعان کل کا گیارہ تک نہیں آیا تھا۔ اور یہ چیز اسے زیادہ بری لگ رہی تھی۔  
اس نے کمرے میں موجود نرسز میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

”ڈاکٹر سے کہے مجھے ڈسچارج کر دے۔ میں ایک اور دن یہاں گزارنا برداشت کر سکتی۔“  
”میم آپ کے ہر بند آتے ہیں تو ڈاکٹر آپ کو خود ڈسچارج کر دیں گے۔“

”ہر بند کو میرے آنا ہوتا تو وہ جاتا ہی نہ۔ آپ کہے ڈاکٹر سے اور زرار میرا فون بھی پکڑا دے میں اپنے ڈرائیور کو کال کر دوں وہ مجھے گھر ڈراپ کر دے گا۔“

اسے اپنی ضد پہ قائل دیکھ کر نرس نے دوسری نرس کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ وہ سمجھ کر باہر نکلی اور ریسپشن پر سے یوعان شیخ کو کال ملائی۔ جس نے دس منٹ میں پہنچنے کا کہا تھا۔

اور پھر واقعی ہی کچھ دیر میں وہ اس کے وی آئی پی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ جہاں وہ نرس سے کہہ رہی تھی۔  
”میں دس منٹ سے آپ کے ڈسچارج پیپر کا انتظار رہی ہوں۔ آپ سے ہو نہیں رہا آپ کر نہیں رہی۔ اب مجھے۔۔۔۔۔“  
”اسلام علیکم۔“

اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے وہ داخل ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔  
”میں راستے میں ہی تھا جب ہو سٹیل سے کال آئی آپ اتنی جلدی ڈسچارج کیوں چاہتی ہے۔ زخم سے ابھی تو خون رسنا بھی بند نہیں ہوا۔“

وہ اس کے پاس آکر اسے سہارا دے کر بیٹھانے لگا۔ جو اٹھنے کی کوششوں میں تھی۔  
”مارب نے کوئی جواب نہیں دیا اس کے چہرے پر قطعیت دیکھ کر یوعان نے ایک نرسز کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔  
”مارب ایک دن اور گزارا کر لے۔ کل میں آپ کو گھر لے جاؤں گا۔“  
اس نے لہجے میں زرار می بھری تھی۔ حالانکہ یہ اس کے لئے مشکل تھا کیونکہ وہ سرد لہجے میں بولنے کا عادی تھا۔  
نرم اس سے بولا ہی نہیں جاتا تھا۔

”زحم ٹھیک ہو جائے گا۔ اس سے بڑے بڑے زحم لگے ہیں مجھے خود ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور رہنمائی میں نے ادھر بھی اکیلے ہیں اور گھر پہ بھی۔ تو بہتر ہے گھر پہ رہ لوں۔ یہاں نے کال کی تھی شام تک وہ پہنچ جائے گا۔ تو اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔ لیکن ابھی فلحال یہاں سے نکلنا ہے مجھے اب گھٹن ہو رہی ہے۔“

یوعان کے ماتھے پر کبھی بل آکر ٹھہر گئے۔ یہاں والی بات اس کے دل کو بری طرح سے چبھی تھی۔

”کبھی اور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ اسی لئے آپ اکیلے تھی۔ جس کیلئے معذرت۔ ابھی ہم گھر چل رہے ہیں وہی رہنا ہے آپ کو اور وہاں آپ اکیلی نہیں ہوں گی میں کافی ہوں آپ کیلئے۔“

ڈرائیور کو بولا کہ اس کا سامان حوالے کیا۔ پھر اس کی جانب مڑا جو اپنی جگہ یونہی جی تھی۔ چہرے کے تاثرات نافہم سے تھے۔ یوعان نے گہری ضبط بھری سانس بھری تھی۔

”مآرب کیا بات ہے۔“

مآرب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ نظریں حالی تھی۔ اتنی حالی کہ یوعان شیخ کو جھنجھوڑ کر رکھ گئی۔

”آپ کو یہ ادراک کب ہوا تھا کہ ہم مر جائے تو ہماری میت پر رونے والا کوئی نہیں ہو گا۔“

یوعان شیخ اس چھپس سالہ لڑکی سے اس بات کی ہر گرامید نہیں رکھ سکتا تھا وہ کچھ پل کیلئے تو سکتے میں چلا گیا تھا۔

اس نے لب بھینچ لئے تھے۔ کچھ توقف کے بعد بولا۔

”میں نے کہاناں میں ضروری کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں آپ کو اکیلا نہ چھوڑتا لیکن یہ واقعی ضروری تھا۔“

مآرب اس بار چھپ رہی بس سر ہلا دیا۔

وہ سیدھا آئی پور پورٹ سے اس کے اپارٹمنٹ آیا تھا۔

”مجھے تمہارے ساتھ ہونا چاہیئے تھا مآرب۔“

اس کے لہجے میں تاسف تھا۔ مآرب مسکرائی۔

”تم ملک سے باہر تھے میں سمجھ سکتی ہوں۔“

”لیکن وہ مریم میرے باپ کی بڑی بیٹی وہ عورت دومنٹ کیلئے آئی تھی اور میرا خون جلا کے رکھ گئی۔ تم یقین کرو کھڑے کھڑے اس نے میری حالات پہ اظہارِ افسوس کیا تھا اور چلتی بنی۔۔۔۔۔ خود غرض لالچی عورت۔“

فاصلے پر بیٹھے یوعان نے رک کر اس کا ٹون دیکھا تھا اس وقت کہی سے لگ رہا تھا وہ ایملٹ کلاس کی ٹوپ بزنس وومن ہے۔ حیران تو شاہ نواز بھی ہوا تھا۔ جس کا اظہار بھی بلا تا مل کر ہی دیا۔

یوہان نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا مریم نے ایسا کیا۔“

یسال نے بھنویں سکیڑ لی۔

”بلکل۔ لائی تھی اپنے اس شوہر کو بھی۔ اسے پتا نہیں کس بات کا ناز ہے۔ حالانکہ میرا شوہر اس کے شوہر سے زیادہ اثاثے رکھتا ہے۔“

یوعان کودیکھتی وہ آواز کو زرا دھیمہ کر گئی۔

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

پیال مسکرایا تھا۔

معاً ایک زوردار آواز یہ وہ اپنی جگہ سے اچل کر رہ گئی۔ وہ تینوں بھی ایک یل کو چونکے تھے۔

”میں نے اس بندے پہ اب پولیس کمپلین کروا دینی ہے۔ یوں وقت بے وقت اسے صفائی کرنے کا بڑا شوق چڑھتا رہتا ہے۔“

دل کی دھڑکن جگہ پہ آئی تو وہ تپ کر بولی۔ یساں نے نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھا۔ شاہ نواز بھی معاملہ سمجھنے کی کوششوں میں تھا۔

ان کی الجھن یوعان نے دور کی۔

”یہ اوپر رہنے والے یوں وقت بے وقت آوازیں لگاتے رہتے ہیں۔“

”آپ کو اونر سے بات کرنی چاہی۔ یوں تو آپ لوگ ڈسٹرب ہوتے رہیں گے۔“

اس کی بات پر یوعان نے سر ہلایا تھا۔

”میں چلاتا ہوں پھر۔۔۔ تم بھی آرام کرو۔“

وہ کھڑا ہوتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتا جانے لگا۔ یوعان نے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ پھر آنے کا کہہ کر

چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی شاہ نواز بھی نکلا تھا۔

یوعان نے چیزیں سمیٹی۔ اور اس کی طرف بڑھا۔

”چلے آپ کو کمرے میں چھوڑ دوں۔“

مارب اس کے سہارے اٹھی تھی۔ آوازیں دوبارہ آنے لگی تھیں۔ جیسے کوئی زور زور سے فرش پر کچھ مار رہا ہو۔ مسلسل تین منٹ تک آوازیں آتی رہی پھر بند ہو گئی۔ اس سارے وقت میں جہاں مارب کو غصہ آئے جارہا تھا۔ وہی یوعان کا چہرہ تناوٹ اختیار کرتا جا رہا تھا۔

یہ ہسپتال کا ایک کمرہ تھا۔ جہاں وہ شخص دنیا جہاں سے بے خبر آنکھیں موندے کو ماکی نیند سو رہا تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ بتیس سال تھی۔ نقوش سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ کوئی خوبصورت شہزادہ ہے۔ لیکن اس کی مسلسل بند آنکھیں انسان کو دکھ میں مبتلا کر دیتی۔

اس کے بیڈ کے پاس کھڑا وہ یوعان شیخ تھا۔ جس کے چہرے پر اس وقت بھلا کی سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ اس کی برقیلی آواز ہو سپیٹل کے اس سرد کمرے میں گونجی۔

”کون تھے وہ لوگ۔“

اس کے پیچھے کھڑا شاہ نواز خود کی خیر مانگتا دھیمی آواز میں بولا۔

”مسٹر راجر۔“

”وجہ۔“

”ان کے ساتھ بی بی نے ڈیل سائی ن نہیں کی تھی۔ شاید ان کی کوئی بحث بھی ہوئی تھی۔“

یو عان شیخ کی آنکھیں بے تاثیر سی ہوتی سامنے بیڈ پر پڑے دنیا سے غافل اس انسان پر جم گئی۔ جب وہ بولا تو آواز سپاٹ تھی۔

”وہ میرا شکار ہے اسے میرے علاوہ کوئی ٹھہری نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتا نقصان پہنچانا تو دور کی بات ہے۔ اس بات کو یقینی بناؤ شاہ کہ اس بندے کی اگلی صبح کٹے ہوئے ہاتھ سے ہو۔“

شاہ نواز کی ریڑھ کی ہڈی میں سنساہٹ سی ڈوڑگئی تھی۔ لیکن حکم کا غلام تھا سو اس کی بات پر مستعدی سے سر ہلا گیا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔

یہ ایک پارک کا منظر تھا۔

وہ اسے یہاں تو قلع نہیں کر رہی تھی۔ اسے سوچوں میں گھم دیکھتے وہ اس کی جانب بڑھی اور آہستہ سے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر بیٹھ گئی۔

”غریب میں ہوں پیسوں کے لالے مجھے پڑے ہوئے ہیں اور شکل دیکھ کر تمہاری لگ رہا ہے منٹل بریک ڈوان سے تم گزر رہے ہو۔“

عیسیٰ بلال کو خیالوں کی دنیا سے اس کی آواز نے نکالا تھا۔ وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا جو سامنے کھیلنے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

”ضروری نہیں دنیا میں ہر مسئلہ صرف پیسوں سے جڑا ہو۔“

”کہہ سکتے ہو کیونکہ تم امیر ہو۔ ہم غریبوں کے مسئلے پیسے سے شروع ہو کر پیسے پر ہی ختم ہوتے ہیں۔“

”میرا مسئلہ وہی ہے جو دنیا کے آدھے نوجوانوں کا ہے۔“

اس نے جٹ سے کہا۔

”محبت۔“

عیسیٰ نے معصومیت سے سر ہلایا۔ تو وہ تاسف زدہ انداز میں براسا منہ بنا گئی۔  
 ”محبت پہ بحث لا حاصل ہے۔ منکرین کو ایک فضول عمل لگتا ہے اور عاشقوں کو زندگی۔ تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جس کو اس جذبے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ تو بتاؤ پھر تمہیں کس سے محبت ہے۔“  
 اس کی طرف مڑتی وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔ عیسیٰ نے اسے دیکھا اور پھر بولا۔  
 ”رہنے دیں آپ کا تو اس جذبے سے واسطہ ہی کوئی نہیں ہے۔ آپ سے پھر اظہار کیا کرنا۔“  
 یہ کہتے وہ اٹھا اور پارک سے نکلتا چلا گیا۔ جب تک وہ بات کی گہرائی تک جاتی عیسیٰ بلال جا چکا تھا۔ پیچھے وہ اس کی خاموش محبت کے معنی سمجھتی دنگ رہ گئی۔

یہ کچھ دن بعد کی بات تھی۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی یوعان کو سوئے ہوئے وہ بغیر آواز پیدا کئے اپنے کمرے سے نکلی اس کا رخ دروازے کی جانب تھا۔ اپنے فلیٹ سے نکل کر وہ لفٹ کے ذریعے اوپر والے فلور پر آئی تھی۔ اس کے قدم ایک فلیٹ کے سامنے رکے۔ یہ وہ فلیٹ تھا جہاں سے آوازیں آتی تھی۔ ان آوازوں نے اسے تجسس میں مبتلا کیا تھا۔ اور اب رات کے اس پہر وہ اس کھوج میں ان آوازوں کی وجہ معلوم کرنے یہاں موجود تھی۔ جانتی تھی یہ غیر اخلاقی حرکت ہے اور کہی حد تک قانون جرم بھی۔

اس نے محتاط انداز میں چاروں طرف نظر دوڑائی کسی کی موجودگی ناپا کر اس نے فون نکال کر ایک نمبر ملایا تھا۔  
 ”میں فلیٹ کے دروازے پر کھڑی ہو۔ کوڈ بتاؤ۔“

آگے سے کسی لڑکی کی آواز آئی۔ اس نے کوڈ ڈالا دروازہ ایک بپ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔  
 ”کیمرے۔“

”بند ہے تمہارے پاس پندرہ منٹ ہے۔ مالک کو آنے میں بیس منٹ لگیں گے۔ میک شور کہ تم پانچ منٹ پہلے ہی نکل آؤ۔“

adab@safareadab.com



”آپ رات کے اس پہر اس حالت میں کہاں سے آرہی تھی۔“

معاً اپنے پیچھے یوعان کی آواز سن کر وہ ڈر سے چیختی اچل کر اس کی طرف مڑی۔

یوعان نے اس کے لہٹے کی مانند سفید پڑتے چہرے کو حیرت سے دیکھا تھا۔

”آپ ٹھیک ہے مآرب۔“

مآرب نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اپنے وجود کا بوجھ نہ سہتے گرنے ہی والی تھی۔ جب وہ سرعت سے آگے بڑھتا اسے تھام گیا۔

اس کا سر اٹھاتے ہتھیلی سے اس کے ماتھے پر آیا پیسہ صاف کیا۔ وہ حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہو گیا تھا اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

”مآرب۔“

”وہ وہاں۔۔۔ وہاں حن۔۔۔ جنجر چھریاں اور۔۔۔ اور بھی اوزار پڑے تھے۔۔۔ خون۔۔۔ ان پر خون لگا ہوا

تھا۔ کسی۔۔۔ ک۔۔۔ کسی انسانی جسم کی انگلیاں بھی۔۔۔ تھی۔۔۔ لمبی پتلی۔۔۔ لڑکیوں کی انگلیاں۔۔۔“

خوف سے تھر تھراتے وہ حلق تر کرتی سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتی بڑی مشکل سے بول رہی تھی۔

یوعان کی بھنویں یکنخت کو سیٹری تھی۔ اس نے میکا کی انداز میں پوچھا تھا۔

”کہاں گئی تھی آپ۔“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب نے انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ کیا۔

”جہاں سے آوازیں۔۔۔۔۔“

”کس سے پوچھ کر آپ وہاں اکیلی رات کے اس پہر گئی تھی۔“

تراش لہجے میں بولتا وہ اسے کھٹکھٹنے پر مجبور کر گیا تھا۔ مآرب خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں لہو رنگ

ہو چکی تھی۔ یوعان کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اس کی بیوی رات کے بارہ بجے کسی مرد کے اپارٹمنٹ میں گئی

تھی وہ بھی اکیلی۔ مرد بھی ایسا جو پر اسرار تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو اس سوچ نے اس کے غصے میں اضافہ کیا تھا۔



”آپ جانتی ہے آپ کس قدر بیوقوفی کی مرتکب ہو چکی ہے۔ عقل ہے آپ میں یا سارا بزنس میں لگا دیا ہے جاہل عورت۔۔۔۔“

آخری لفظ وہ دانتوں میں ہی چبا چکا تھا۔ مارب سب کچھ بھولتی اس وقت اس کا غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھتی گبھرا گئی تھی۔

”جب آپ جانتی تھی کہ وہ شخص پر اسرار ہے تو اکیلے اس وقت جانے کی آپ کو وہاں کیا سوچی تھی۔“  
 ”پارٹمنٹ حالی تھا۔“  
 وہ منمنائی۔

”تو آپ کا مطلب ہے آپ بغیر اجازت کے کسی کے پارٹمنٹ میں جا گھسی۔“  
 سوال میں بے یقینی تھی۔ مارب نے سر ہلایا۔

”آپ کو اس جرم کیلئے سزا بھی ہو سکتی ہے مارب کسی کے گھر میں بغیر اجازت گھسنا اخلاقی جرم ہے جانتی ہے آپ۔“

مارب نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔  
 ”آہ فور گوڈ سیک مارب آپ ایک بزنس وومن ہے ایک عقل و شعور رکھنے والی۔۔۔۔ آپ کو یہ حرکتیں زیب نہیں دیتی۔“

وہ ڈپٹے والے انداز میں بولا۔

(میں ہی ناشکری عورت ہوں جب یہ آدمی نہیں بولتا تھا تب مجھے مروڑاٹھتے تھے اور اب جب بول رہا ہے تو کتنا زہر لگ رہا ہے۔)

اسے خود میں گھم دیکھ کر یوعان نے گہری سانس کھینچتے خود پر ڈھیروں ضبط کیا تھا۔

یہ اگلی صبح کی کہانی تھی۔ جب یوعان آفس کیلئے تیار ہو کر باہر آیا۔ اس کی نظروں نے مآرب کو تلاش کیا تھا۔ وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ خود تو وہ صرف دودھ پیتی تھی۔ لیکن اس کیلئے ناشتے میں پورا اہتمام کرتی تھی۔ یوعان نے کھڑی میں وقت دیکھا اسے جلدی آفس پہنچنا تھا۔ سو وہ بغیر ناشتے کے جانے لگا۔ فریج سے دودھ کی بوتل نکالتی مآرب جیسے ہی مڑی اسے نکلتا دیکھ اس کی بھنویں تن گئی۔ اس نے اگلے لمحے وہی سے ہی ہانک لگائی تھی۔ ”ناشتہ کرتے جاؤ یو۔ یہ نا سچھے کہ مجھے کوئی فرق پڑتا ہے میں ٹھہری صدا کی خود غرض عورت مجھے کیا فرق پڑتا ہے کوئی ناشتہ کرے نہ کرے۔ میں بس اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ رزق کی بے ہرمتی ہوگی۔“

دروازے کے ہنڈل پر اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔ گہری سانس لے کر وہ مڑا۔ آنکھوں کی سنجیدگی میں اضافہ ہوا تھا۔ کچھ پل وہی سے اسے تکتے اس نے قدم کاؤنٹر کی طرف بڑھائے۔ جہاں اس کے ناشتہ کی ٹرے پڑی تھی۔ بوائے ل ایگز اور بلیک کافی۔ آج بس یہی تھا۔

بنا کوئی بات کہنے بنا اس پہ ایک نظر ڈالے اس نے پانچ منٹ میں ناشتہ ختم کیا تھا۔ وہ یو نہی دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھامے اسے دیکھتی رہی۔

وہ ناشتہ ختم کرنے جانے لگا۔ جب اس کی بڑبڑاہٹ پر رکا۔

”تیور کسے دیکھا رہے ہیں۔ جیسے میں تو یہاں ان کی ناراضگیاں سمیٹنے بیٹھی ہوں۔“

ایک ہی گھونٹ میں دودھ کا گلاس ختم کرتی وہ بگڑے تیور سمیت اس کے پاس سے گزر کر جانے لگی۔ جب یوعان نے اس کا بازو پکڑا کر اسے روکا۔

”آپ شاید بھول رہی ہے کہ ہم صرف بزنس کیلئے ساتھ جڑے ہیں۔ اس رشتے میں ناراضگیوں کا تصور تو سرے سے ہے ہی نہیں۔“

مآرب کو لگایہ یقین دہیانی تھی۔ وہ جو اتنے دنوں سے اس حقیقت کو بھولے ہوئے تھی۔ آج یوعان شیخ نے یاد دلادی اس کی آنکھیں نم سی ہونے لگی۔ ضروری تھا یہ شخص ان کے رشتے میں بزنس کو لاتا۔ اس نے خود کو کمپوز کیا اور سنجیدہ مضبوط لہجے میں بولی۔

”میں کیسے بھول سکتی ہوں آپ سے زیادہ میں اس حقیقت کو یاد رکھے ہوئے ہوں۔ میں اس رشتے میں جتنے ہیٹس ڈال رہی ہوں یقین مانئے یہ صرف اس لئے کہ کل کو دنیا کو دکھا سکوں کہ مآرب اعوان ہر محاذ پر کامیاب ٹھہری ہے۔“ اپنا بازو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر وہ اس سے پہلے اپارٹمنٹ سے نکل گئی۔ لفٹ میں داخل ہوتے اس نے زور سے آنکھیں رگڑی تھیں۔

”میں بہت دن سے تمہیں ڈوہنڈنے کی کوشش میں لگا تھا۔ تم ہوا کی طرح زندگی میں آتی ہو اور پھر کس جانب رخ موڑ لیتی ہو میں اندازہ بھی نہیں کر پاتا۔“

وہ ایک اوپن رسٹورنٹ میں سرفون میں دیئے بیٹھی تھی جب کوئی آکر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ چہرے پہ ماسک لگائے وہ عیسیٰ بلال تھا۔ اس نے سراٹھایا۔ یہ شخص سر سے پیر تک برینڈز میں ڈوبا ہوا تھا۔ دماغ نے دل کو حکم دیا نہیں یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔

”میں آزاد پنچھی ہوں نہ میرے آگے کوئی نہ میرے پیچھے۔ کب کس جانب رخ موڑ لوں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ تم کیا کبھی کبھی توجھے خود بھی اندازہ نہیں ہوتا۔“

BEING THE STRING OF

فون سامنے رکھ کر اس نے کافی اٹھائی جو کب سے اس کی توجہ مانگتی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

”توجھے کوئی راہ بتاؤ کہ میں اس پنچھی کو قید کر سکوں۔ کہ وہ جس سمت جائے اسے میں ہی میں ملوں۔“

وہ ٹیبل پہ آگے کو جھکتا گھمبیرتا سے بولا۔ ٹھنڈی بد نما کافی اس کا حلق تک کڑوا کر گئی۔ اس نے کپ واپس رکھا۔ اور اس کی تپش زدہ آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”یہ جو ابھی تم نے کہا اس کا مطلب سمجھاؤ۔“

وہ نہایت سنجیدہ تھی۔ عیسیٰ کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈلے۔

”خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہیں پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔ کروں ابھی۔“

”مجھے لگا تم کر چکے ہو۔ کیا کچھ اور بھی کہنا باقی ہے۔“

عیسیٰ بلال ہنس دیا۔ وہ اسے اس لمحے میں معصوم لگی تھی۔

”ہاں بہت کچھ۔ تمہیں نہیں پتا پروپوز کرتے وقت کیا کرتے ہیں۔“

اس نے پاؤں بناتے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں مجھے کبھی کسی نے پروپوز نہیں کیا۔ شاید آگے کوئی کرے تو مجھے اکیر پیرینس ہو۔“

موسیٰ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ چہرہ اس بات پہ ہلکا سا سرخ ہوا تھا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ اچانک سے اٹھا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے اس کے قدموں میں ایک گھٹنے کے سہارے بیٹھ کر جیب سے انگوٹی نکال کر اس کے آگے کی۔

”میں نہیں چاہتا آگے تمہیں کوئی پروپوز کرے تم یہ تجربہ میرے ساتھ ہی کر لو۔“

مقابل نے پہلے اسے دیکھا پھر انگوٹی کو اور تیسری نظر خوشی سے چینختے لوگوں پر ڈالی۔

”یہ لوگ کیوں چیخ رہے ہیں۔“

”کیونکہ وہ تمہارے لائیکسائی ٹیڈ ہے۔ اب تم کہہ بھی دو کہ تمہیں منظور ہے۔“

وہ بیٹھے بیٹھے بولا۔

”ایسے ہی کہہ دوں ایک لمحے کی ضد میں آکر میں زندگی بھر کا فیصلہ کیسے کر دوں۔ کل کو تم مگر گئے پھر کس کے پلے لگ کر روں گی میں۔“

بال جھٹکتے وہ اب خزرے دیکھا رہی تھی۔ عیسیٰ نے نچلا لب دانتوں تلے کاٹا۔

”میں کبھی نہیں بھولوں گا بھولا بھی تو یہ گھٹنے کا درد یاد دلاتا رہے گا۔ اب پہنا دوں۔“

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی لوگوں کی آوازیں برابر آتی رہی۔ پھر اس نے ہاتھ آگے کر دیا۔ جب وہ بڑی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ میں انگوٹی پہنا رہا تھا۔ تب اس کا دماغ مسلسل دل کو تنبیہ کر رہا تھا۔ یہ تمہارے لائیکس نہیں ہے۔ چھٹی حس بھی کسی انہونی کے اشارے دے رہی تھی۔ لیکن اس نے کان نہیں دھرے۔

وہ آج ایک پارٹی میں انوائی ٹیڈ تھی۔ گھر جانے کی بجائے وہ سیدھا آفس سے ہی پارٹی میں چلی گئی۔ راستے میں اپنی سٹائی لسٹ کے پاس رک کر اس نے پارٹی کے لحاظ سے ڈریسنگ چیج کی۔ ہلکا پلکا سائیک اپ کر کے وہ تیار تھی۔ پارٹی کسی بزنس مین کے ہاں تھی۔ اس کے داخل ہوتے ہی لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ آخر آج کل اس کے کامیابیوں کی ہی تو دو م تھی۔

”مجھے تعجب ہے آپ دونوں میاں بیوی الگ الگ یہاں موجود ہے۔“

وہ مارب کے کلائی نٹ کا بیٹا تھا۔ بگڑا اوباش قسم کا۔ ہاتھ میں مشروب کا گلاس لے کر وہ اس کے پاس آیا۔ مارب کیل نے اس کی بات چوکنے کا بائی ٹ تھا۔

اس نے سارے میں نظر دوڑائی تو اس کی نظر دور کھڑے یوعان شیخ سے ٹکرائی۔ جس کی بھی ابھی ہی اس پر نظر پڑی تھی۔ اگلے ہی پل وہ اسے اپنی جانب آتا دیکھائی دیا۔

”آپ نے مجھے بتایا نہیں آپ یہاں آنے والی ہے۔“

اسے ہگ کرتے ماتھے پر بوسہ دیتے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ آنکھوں کی نرمی اس کے وجود کو دیکھتے بڑھی تھی۔

”وہی تو میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔ مارب اعوان کو اپنے شوہر کا ہی نہیں پتا ڈیٹس سٹریچ۔“

بے ہنگ ساتھ لگاتے وہ یوعان شیخ کی آنکھوں کی سرد مہری بڑھا گیا تھا۔ جبکہ مارب اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتی یوعان کے بازو پر اپنا مری ہاتھ دھرتی بولی۔

”مجھے لگا آپ انوائی ٹیڈ نہیں ہے۔ میں تو سیدھا آفس سے آئی ہوں۔“

پھر اس نے پارٹی کے میزبان کو آواز لگائی جو پاس ہی کھڑی تھی۔

”میسز آفندی ہمیں آپ کی طرف سے الگ الگ انویٹیشن موصول ہوئی ہے حالانکہ آپ جانتی ہے وہی ارکیل۔“

”آہ ڈی یروی آر ریلی سوری۔ شاید میرے مینجر سے غلطی ہوئی ہے۔“

میزبان نے جلدی سے بڑے ہی میٹھے لہجے میں معذرت کی۔ مارب نے جتنی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا جو کیمنگی سے مسکراتے مارب کو آنکھ مارتے چلا گیا۔ اس کی یہ حرکت یوعان شیخ کو جلتے انگاروں پر لوٹا گئی وہ اس کی یہی آنکھ

پھوڑنے کو لپکنے کو تھا کہ مآرب اس کے بازو پر گرفت مضبوط کر گئی۔ اس نے کیٹلی آنکھوں سے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ سنبھدگی سے اسے دیکھتی اس کے نزدیک ہوتی اس کے کان میں سرگوشیانہ بولی۔

”یہ شادی بزنس کیلئے ہوئی ہے لہذا یہاں اپنی غیرت دیکھانے کی ضرورت نہیں۔ وہ میرا کلائیٹ ہے اسے میں خود ڈیل کر لوں گی۔“

وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں کی تپش بخوبی محسوس کر پارہی تھی۔ اندر ہی اندر دل کہی لرز بھی رہا تھا۔

وہ اس کے کان میں جھکتا پکارا تھا۔

”میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ خود سے جڑنے والی عورت کی عزت میں جان گنوا دوں گا لیکن اس یہ حرف آنے نہیں دوں گا۔ لیکن جانتی ہو۔۔۔۔۔ تم جیسی عورتیں عزت کے لائق ہی نہیں ہوتی۔“

اپنی کھولن اس میں اتر کر وہ آگے بڑھ گیا اور وہ۔۔۔۔۔ وہ تادیر تک وہی بھت بنی کھڑی رہی۔ جانے کتنی دیر پر یونہی بے جان مورت بنی رہتی کہ کچھ عورتیں اس کے پاس آتی اسے باتوں میں لگا گئی۔

وہ ابھی تک تو اس کی نگاہوں میں تھی لیکن کچھ دیر کے لئے دھیان بٹنے کے نتیجے میں ایسی غائب ہوئی کہ وہ پورے ہال میں ڈوہنڈ تارہ گیا۔ معاً موبائی ل کی نوٹیفیکیشن ٹون نے اسے متوجہ کیا۔ میسج اسی کی جانب سے تھا۔

”میں اپنی ماں کے گھر جا رہی ہوں۔“

ایک منٹ سٹل رہنے کے بعد اس نے تنی بھنویں کے ساتھ پیغام لکھا۔

”جدھر جانا ہے جایئے مجھے بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مرضی کی مالک ہے آپ۔“

”تم کتنے بے حس انسان ہو۔“

”آآ آپ۔۔“

”میرا اس وقت تمہیں آپ مخاطب کرنے کو بالکل دل نہیں ہے۔“

”جتنی اہمیت دل کو دیتی ہے اتنی سامنے والے کو دینے میں آپ کی شان میں کون سی کمی آجائے گی۔“

اس نے فون سے نظریں اٹھائی میزبان سامنے ہی موجود تھا ان سے اجازت لے وہ پارٹی سے نکل آیا۔  
گاڑی میں بیٹھتے ہی مآرب کا میسج آیا تھا۔

”سامنے والا بھی پھر اس قابل ہو کہ اسے اہمیت دی جاسکے ورنہ عزت دو کوڑی کی کرنے میں منٹ نہیں لگاتا۔“  
اس نے جواب نہیں دیا سیدھا کال ملا دی۔

”کال کیوں کی میرا اس وقت تمہاری آواز سننے کو بھی دل نہیں ہے۔“  
اُدھر سے اس کی تیکھی آواز آئی۔

یوعان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ایک پل کو بکھر کر معدوم ہوئی۔  
”آپ دل کی بہت سنتی ہے نہ سنا کرے۔۔۔۔۔ کیا میں نے پہلے ہی دن باور نہیں کروایا تھا یہاں دل کی اہمیت نہیں  
ہوتی مآرب۔“

وہ بہت نرم لہجے میں دھیمے سے بول رہا تھا۔ کیا لگ رہا تھا کہ اس نے کچھ دیر پہلے پارٹی میں کتنی بھاری بات کی تھی۔  
دوسری طرف مآرب گاڑی ساحل پر روکتی اس کی بات سن کر سیخ پا ہو گئی۔  
”بات سننے میری یوعان آپ کے ہاں دل کو صرف خون پمپ کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہو گا لیکن مآرب اعوان  
دل کو بڑی عزت دیتی ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوعان نے لب کاٹتے کوئی احساس دبانا چاہا۔  
”پھر تو دعا ہے کبھی اس دل کو چوٹ نہ پہنچے۔“  
گاڑی سے نکلتی وہ سنجیدگی سے اسے پکار گئی۔  
”یوعان۔“

”جی۔“

”جو مجھے چوٹ دیتا ہے میں اسے پھر قیامت تک نہیں چھوڑتی۔ جب تک وہی زخم اسے لوٹا کر ناسور نہیں نہ بنا دیتی تب  
تک سانس نہیں لیتی۔“

یوعان کی آنکھیں کسی پوشیدہ احساس کے تحت سرد ہوئی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔



”مارب۔“

”جی۔“

”گاڑی گھر کی طرف موڑو۔“

”یہ تو اب نہیں ہو سکتا میں اس وقت اپنے گھر کے لاؤنچ میں بیٹھی ہوں۔“  
یوعان نے ناگواری سے فون کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر بند کر دیا۔ دوسری طرف وہ بے نیازی سے کندھے اچکا گئی۔

اس نے جوتے اتارے وہ گیلی ریت پر چلنے لگی۔ جب لہروں نے پاؤں کے انگوٹے کو چھوا تو ایک تروتازگی سی اندر اتر گئی۔ جوتے ایک سائیڈ پر رکھے اور بازو پھیلا کر آنکھیں موندتے ہو اسوں کو لہروں کے حوالے کیا۔  
وہ ہمیشہ ساحل پہ آ کے خود سے بے گانہ ہو جاتی تھی۔ اسے سمندر پر سکون لگتا تھا۔ اور یہی سکون وہ خود میں اتارتی تھی۔

لیکن وہ کہاں جانتی تھی۔ کہ یہ سمندر بھی عجیب ہوتے ہیں۔ خود میں ہزاروں طوفان سمیٹے بظاہر تو پر سکون نظر آتے ہیں۔ لیکن کون جانے اندر کے تلاطم کی کہانی۔  
کیا تھی اس کی زندگی ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے بزنس پڑھنا پڑا جس کام کیلئے وہ بنی ہی نہیں تھی آج اسی میں نام مکار ہی تھی۔  
جس سے شادی نہیں کرنی تھی اس سے سوچے سمجھے بغیر کر لی۔

اور اب۔۔۔۔۔ اب سمجھ نہیں پار ہی تھی یہ رشتہ جائے گا کہاں۔ اس کا انجام کیا ہو گا۔  
اس کی زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ میں نہیں تھی اور یہ سب سے اذیت ناک بات تھی۔

وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو چونک گیا آگے سے کچن کا ونٹر کے پار یوشع اور نواز کھڑے کچھ بنا رہے تھے۔ اسے دیکھتے وہی سے یوشع نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا تھا۔  
کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکتا وہ سیدھا کا ونٹر کے پاس آیا۔



”تم دونوں میری اجازت کے بغیر اندر کیسے آئے۔“

نواز کے ہاتھ ٹماڑ کاٹتے رک گئے۔ یوشع نے رک کر پوز لیتے پہلے نواز کو دیکھا پھر اسے۔

”ہمیں اجازت کی ضرورت ہے۔“

”یہاں اب میں اکیلا نہیں رہتا میری ایک عدد بیوی بھی ہے۔“

محتربات اور سامنے والے سمجھ گئے۔ یوشع سے لیکن پھر بھی یہ ہضم نہیں ہوا۔

”سہی ہے تو اب مجھے اپنے بھائی سے ملنے کیلئے انتظار کرنا پڑے گا کہ کب وہ اجازت دے اور مجھے ملنے کا شرف

حاصل ہو۔“

یوعان اس کی بات نظر انداز کرتے کچن کے اندر آیا۔ اب وہ اپنے لائے کافی بنا رہا تھا۔

”بنا کیا رہے ہو۔“

”ایک ہی ڈش بنانی آتی ہے ہمارے شیف یوشع کو۔“

جواب نواز کی جانب سے آیا تھا۔ یوشع نے تیکھے پن سے اسے دیکھا۔ یوعان نے مڑ کر پوچھا۔

”بریانی۔“

”نہیں آج بریانی کے ساتھ شوربے والی میکرنی بھی بنے گی۔“

چاول ابلنے کیلئے رکھتے یوشع سنجیدگی سے بولا۔ لیکن اپنی بات کے بدلے خاموشی محسوس کرتے اس نے مڑ کر ان

دونوں کو دیکھا۔ وہ ساکت کھڑے اسے دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ پلکیں بھی نہیں جھپکی۔

”کیا ہوا۔“

اس نے تعجب سے پوچھا۔

”ابھی تم نے کیا بولا۔“

شاہ نواز کی آواز میں بے یقینی تھی۔

”میں نے کہا کیا ہوا۔“

”نہیں اس سے پہلے۔“

”اس سے پہلے۔۔۔ بریانی بنے گی اور شور بے والی میکروں۔۔۔۔“

”شور بے والی میکرونی کیا ہوتا ہے پوشع۔ تم کیا بنانے والے ہو۔ پہلے ہی کلی ٹی ر کر دو تاکہ میں کچھ اڈر کر لوں۔“  
یوعان کے ماتھے پر بل واضح دیکھے جاسکتے تھے۔ شاہ نواز بھی منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

”آپ لوگوں نے کبھی کھائی نہیں ہے ناں اس لٹے ایسے بول رہے ہیں یہ۔۔۔۔“  
”ہم نے کبھی سنی بھی نہیں ہے۔“  
نواز نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

”آہ شاہ بھائی میری بات تو سنئے۔ یہ ون پورٹ ڈش ہوتی ہے۔ بون لس کچن ٹماٹر مثالوں کے ساتھ بوننے کے بعد اس میں پانی ڈالنا ہوتا ہے اور میکرونی۔ میکرونی اسی پانی میں دھیمی آنچ پر پک جاتی ہیں۔ پانی تھوڑا زیادہ ڈالے ہیں تاکہ اینڈ میں شور بہ نہ پچے۔ اینڈ بیلومی ایٹ ٹیسٹ لائی ک ہیون۔“

”چلو دیکھتے ہیں۔“

یوعان کافی لٹے کچن سے نکل کر صوفوں کی جانب آیا۔ جبکہ نواز ابھی تک بے یقین تھا۔ پوشع کیا میکرونی کو ابالے گا نہیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ جیسے ہی لاونچ میں داخل ہوئی سامنے ہی مریم یزدانی بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ وہی رک گئی۔ کیا کرے اندر جائے کہ واپس مڑ جائے۔۔

وہ اسی کشمکش میں تھی کہ داریہ کی نظر اس

پر پڑی۔

”اوہ مآرب۔“

سب نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا تو اسے ناچار اندر آنا پڑا۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام دی گریٹ نیوٹیلنٹ مآرب اعوان تو بلا آخر آج تم سے ملاقات ہو ہی گئی۔“  
یہ مریم تھی اٹھ کر نازکت سے اس کے گلے لگتی وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ مآرب نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ  
سجاتے اس کا طنزیہ لہجہ برداشت کیا تھا۔ ماں اور بھابھی سے ملنے کے بعد وہ انہی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ماجبین نے ملازمہ  
کو دودھ لانے کو کہا تھا مآرب کو دودھ پسند تھا۔  
”کسی ہو مابی۔ تمہارا پروجکٹ کیسے جا رہا ہے۔“

”آپ کے سامنے ہوں مام۔ پروجکٹ کافی ٹف ٹائی م دے رہا ہٹ آئی کین ہنڈل اٹ۔“  
ملازمہ سے گرم دودھ کا گلاس لیتے وہ لہجے میں خوشگوریت لاتی بولی۔ تو مریم بالوں کو جھٹکتی استہزائی یہ ہنس دی۔  
”Of Course Maarib can do everything“.

اسی لمبے تو ایوڈ ملا ہے۔ تو بتاؤ مآرب اعوان اوپس سوری مآرب یو عان۔۔۔ اعوان گروپ آف کمپنی پہ ناگن کی طرح  
پھن پھیلانے بیٹھنا کیسے لگ رہا ہے۔“

ماہ جبین نے بیٹی کو گھورا۔ مآرب نے ملازمہ سے دودھ کا گلاس لیا۔ ایک بڑا سا گھونٹ لیا۔ دودھ ہلکا سا گرم تھا اس کی  
زبان جلی لیکن وہ ضبط کرتے پرسکون لہجے میں بولی۔

”بہت اچھا لگ رہا ہے۔۔۔ سی ای او کی پوزیشن تک پہنچنا مفت خوروں کا کام نہیں ہے مریم۔ کمپنی پر پھن پھیلانے  
کیلئے دن رات ایک کرنا پڑتا ہے ویلکیشنز سکپ کرنی پڑتی ہے۔ اب دیکھو نہ تمہاری طرح میرے پاس کہاں ٹائی م  
ہوتا ہے ملکوں ملکوں گھومنے کیلئے۔ میرا کمپنی میں ہونا ضروری ہے آخر کمپنی کیلئے پروجکٹ میں ہی تو لاتی ہوں۔“  
ٹانگ پر ٹانگ رکھے مزے سے بولتی وہ مریم کے ساتھ ساتھ داریہ کو بھی آگ لگا گئی۔ جو اس کی آخری بات پر  
متغیر ہو چکی تھی۔

مریم تڑخ کر بولی۔

”تم مجھے طعنے دے رہی ہوں۔ تم شاید بھول رہی ہو کہ میں پچیس فیصد شیئر کی اونر ہوں۔ (اب خود کو کمپوز کیا  
ایک نظر اپنے ناخنوں پر دوڑائی۔ جس پر آج اس نے تازہ نیل ایکسٹنشنز کروائے تھے۔)

”مجھے کیا ضرورت محنت کرنے کی you know very well dear میرا شوہر پاکستان میں ٹاپ آف دالسٹ ہے۔“

”Cut the crap maryam .“

ماہ جبین نے ناگواری سے تنبیہ کی۔ بدلے میں اس نے کندھے اچکائے۔

”تم ٹھہرنے آئی ہو میں ڈنر کا بھولتی ہوں۔“

انہوں نے ملازمہ کو آواز دینی چاہی۔ مارب ہاتھ کے اشارے سے منع کرتی کھڑی ہوئی۔

”میں گھر جاؤں گی مام۔ (ماں کو جواب دے کر مریم کی جانب متوجہ ہوئی) کچھ امیر او تھنٹیک ہوتے ہیں اور کچھ فیک۔ اور مریم تم شادی کے بعد فیک ہو گئی ہو۔“

ایک سایہ سامریم کے چہرے پر آکر گزرا لیکن یہ بس لمحوں کا کھیل تھا۔ سلگ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ جاتے جاتے رکی لٹے قدم لیتی وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

”اور ہاں ٹاپ آف دی لسٹ یو عان شیخ ہے۔ ایک بار زرا غور سے دوبارہ لسٹ چیک کر لینا۔ چلتی ہوں۔“ نازکت سے انگلی بائے کے سے انداز میں ہلاتی وہ مریم کو یقیناً رکھ کر گئی تھی۔

گاڑی پارکنگ میں روک کر وہ لفٹ میں داخل ہوئی۔ وہاں تین مرد اور دو عورتیں تھیں۔ مارب کونے میں جا کر کھڑی ہوتی آنکھیں بند کرتی پیٹھ دیوار سے لگا گئی۔ آج کا دن واقعی تھکا دینے والا تھا۔

دوسرے فلور پہ آکر لفٹ رک گئی۔ دو مرد ایک ساتھ لفٹ سے نکلے تھے۔ ان کے نکلنے ہی لفٹ دوبارہ چلنا شروع ہوئی۔

معاً اس نے ایک دم آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے اچانک سے گھٹن محسوس ہوئی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے بند جگہوں میں سانس نہیں آتی تھی۔ لیکن اس وقت اسے لگا کوئی تاریکی اسے اپنی لیپٹ میں لینے والی ہے۔ بے ساختہ بالوں کو ہاتھ میں جکڑ کر اس نے لفٹ میں نظریں دوڑائی۔ عورتیں آپس میں لگی موبائل میں مصروف تھیں۔ اس کی نظر دوسرے کونے تک گئی۔ اسی کی طرح وہ مرد بھی دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔

مآرب نے نظریں پھیر لی۔ کچھ دیر گزری اس کا دل ہولنے لگا۔ اسے اچانک سے خوف محسوس ہوا تھا ایک نامعلوم سا خوف۔

لفٹ رکی اور وہ دونوں عورتیں ایک ساتھ نکلی۔ اس سے پہلے کہ لفٹ کا دروازہ بند ہوتا۔ کسی کے بیچ میں ہاتھ رکنے سے واپس کھل گیا۔ کوئی اندر آیا تھا۔  
”وہ یوعان تھا۔“

وہ سر جھکائے آنکھیں سختی سے میچے ایک ہی آیت کا ورد کئے جارہی تھی۔ آیت الکرسی۔  
وہ مآرب کے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔

یوں کہ اب وہ اس کے حصار میں مکمل چھپ گئی تھی۔ لفٹ میں داخل ہوتے وقت اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔۔۔۔۔ تشویش تھی اور اب۔۔۔۔۔ سکون تھا۔  
مآرب نے جانی پہچانی خوشبو محسوس کرتے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اچانک سے بہت سارا اطمینان اس کے چہرے پر پھیلاتا چلا گیا۔ وہ مڑ کر اس کے سینے پر سر رکھ گئی۔ یوعان نے بازو نا محسوس انداز میں اس کے گرد باندھا تھا۔

اس کے سینے پر دھرے مآرب کے ہاتھ لرزنے لگے تھے۔ لبوں پر ورد اب بھی جاری تھا۔  
لفٹ دوبارہ رکی۔ اور وہ آخری آدمی بھی نکل گیا۔  
بہت تیزی سے مآرب کو لفٹ کی فضا میں گھٹن گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔

”مآرب۔“

یوعان کی آنکھوں میں فکر مندی کی لہریں نظر آنے لگی وہ نیچے جھکا۔

وہ اب رونا شروع کر چکی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ ایک ہی بات کہتی جاتی۔  
 ”میں نے آج ظہر کی نماز نہیں پڑی تھی۔“  
 اسے اپنے حصار میں لیتے یوعان شیخ کو کچھ دیر پہلے کا منظر یاد آیا۔ جب وہ اپار ٹمنٹ میں بیٹھا تھا۔

کچھ دیر پہلے۔

اس نے دیکھا ایک آگ ہے جو اس کی بیوی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ آگ عام نہیں تھی وہ انسانی وجود تھا جو آگ میں ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی شعلہ پوش آنکھیں اس کی بیوی کے سراپے پر پڑتی اندر تک دھنستی جا رہی تھی۔  
 وہ جگہ کون سی تھی بھلا۔ وہاں اس کی بیوی کے علاوہ اور بھی لوگ تھے۔ وہ بند دروازہ تھا جب وہ کھلتا تو اس کے ذریعے لوگ اندر اور باہر جانا شروع کر دیتے۔  
 ایک دم اس کی آنکھیں کھلی۔  
 ”لفٹ۔“

BEING THE STRING OF YOUR LIFE

اور پھر اس نے بدحواسی میں اپار ٹمنٹ سے باہر دوڑ لگائی تھی۔

وہ لوگ اپنے فلور سے آگے آگے تھے۔ اس کا رونا کچھ کم ہوا تو یوعان نے اپنے فلور کا بٹن دبایا۔  
 ”کیا ہوا تھا تمہیں۔“

پار ٹمنٹ میں آنے کے بعد اسے پانی پیلا کر اسے زیرک نظروں سے دیکھتا جیسے اس کا دماغ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مآرب نے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے بال انگلیوں سے سلجھائے۔

”یوشع اور شاہ نواز آئے تھے۔“

اس نے گہری سانس لی۔ پھر کوٹ کے آستین کہنوں تک موڑے۔ پارٹی والے کپڑے وہ بیچ پر جانے سے پہلے اسی بوتیک میں چھینچ کر چکی تھی جہاں سے ڈریس لیا تھا۔

سب سے پہلے اس نے جلدی جلدی میں برتن دھوئے اور پھر دو کپ کافی بناتے وہ سینک آئی پیریا میں چلی گئی۔  
”دیر لگادی آپ نے۔“

یو عوان نے اس کے ہاتھ سے مگ لیتے بغور اس کی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ لیکن وہ ٹھیک تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر جگہ سنبھالتے مآرب بولی۔

”برتن دھور ہی تھی۔ اس میں وقت لگ گیا۔“  
”کون سے برتن۔“

یو عوان نے نا سمجھی سے پوچھا۔

”کھانے کے برتن جو گندھے ہوئے پڑے تھے۔“

مآرب کو اس کی حیرت عجیب لگی۔ جبکہ وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا تھا۔ ماتھے پر بل آئے۔ اس نے تیزی سے فون اٹھاتے کوئی نمبر ڈائل کیا تھا۔ مآرب تحیر سے اس کی حرکات دیکھتی رہی۔  
”یوشع۔“

مقابل کے فون اٹھاتے ہی اس نے سر دکھیلے لہجے میں اسے پکارا تھا۔ یوشع کے کان کھڑکے ہوئے۔  
”جی بھائی۔“

”تم نے کہا تھا تم برتن دھولو گے۔ اور میں نے تمہاری بات کا یقین کر لیا تھا۔ لیکن وہی برتن کچن میں اسی طرح گندے پڑے تھے۔ تم اس کی وضاحت کرو گے۔“

”بھائی وہی۔۔۔۔۔“

مآرب نے سرعت سے اس کے کان سے فون کھینچ کر بند کیا۔ یو عوان نے ناگواری سے اس کی یہ حرکت دیکھی تھی۔  
”برتن ہی تو ہے اس میں اتنا باز پرس کرنے کی کیا ضرورت میں نے دھولے تو کیا ہوا۔ میں نے کوئی شکایت تو نہیں کی آپ سے۔“



وہ کچھ جھنجھلا کر تعجب سے بولی۔ یوعان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس خارج کی۔  
 ”بات یہ نہیں ہے۔ یہاں ملازم وغیرہ دستیاب نہیں ہے۔ میں اب بھی رکھ سکتا ہوں مگر مجھے سادگی اور اپنا کام خود کرنا پسند ہے۔ لیکن آپ ان سب کی عادی نہیں ہے۔ آپ نے کھانے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے وہی بہت ہے۔ میں آپ پہ گھر کا بار نہیں ڈالنا چاہتا یہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ کیونکہ میری طرح آپ بھی باہر کام کرتی ہے۔“  
 مآرب اسے یلٹک دیکھتی رہی پھر بولی تو یوعان شیخ اسے گھور کر رہ گیا۔

”اچھے لگ رہے ہیں آپ لمبے لمبے جملے بولتے ہوئے۔“

اس کی گھوریوں سے گھبرا کر جلدی سے ہاتھ کھڑے کئے۔

”اوکے اوکے۔ تو بات یہ ہے کہ میں واقع ان کاموں کی عادی نہیں ہوں شروع شروع میں عجیب لگا تھا۔ لیکن برا نہیں۔ کیونکہ مجھے تقریباً گھر کے سبھی کام آتے ہیں اور اس میں یقیناً کسی خاص کا کمال ہے جہنوں نے مجھے ہر چیز سکھائی ہوئی ہے۔ دیکھے ہم دونوں ہی کام کرتے ہیں۔ تو جب کبھی میں زیادہ مصروف ہوئی تو آپ گھر سنبھال لیجئے گا۔ اور جب کبھی آپ زیادہ مصروف ہوئے تو میں سنبھال لوں گی۔ یوں کسی ایک پہ زیادہ بھوج نہیں پڑے گا۔“  
 پھر فخر سے نادیدہ کالر جھاڑے۔

”اور ہاں مجھے پیوند لگانا بھی آتا ہے۔ اور بٹن لگانا بھی کبھی اگر کسی شرٹ کا بٹن ٹوٹ جائے تو مجھ سے کہیئے گا۔“  
 یوعان نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ شرارت سے ہنس دی۔

یہ ایک خوبصورت کشادہ کمرہ تھا۔ جسے نفاست سے سجایا گیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی۔ سلک کا شب خوابی کا لباس پہنے وہ ہاتھوں پر روشن لگا رہی تھی۔ وہ مریم تھی۔ مریم یزدانی۔  
 کمرے میں ایک اور وجود بھی تھا جو اس وقت واش روم سے نکل رہا تھا۔ اس نے تری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ یاسر یزدانی تھا۔

میں شادی کر رہا ہوں۔“

اس کے پیچھے کھڑے ہوتے وہ بالوں میں برش کرتے بولا۔ ہتھیلی پر لوش انڈیلے مریم بغیر چونکے بولی۔  
تمہاری شادی ہو چکی ہے۔“

برش کرتے یا سر کے ہاتھ ایک پل کیلئے رکے۔ چہرے کی سنجیدگی میں کچھ اور اضافہ ہوا۔  
”میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔“

مریم کے سکون میں فرق نہیں آیا۔

”تم نہیں کر سکتے پروجیکٹ کے مکمل ہونے تک تو بالکل نہیں۔ اس میں ہم دونوں کا نقصان ہے۔ ابھی اس کا صحیح وقت نہیں ہے۔“

”لیکن میں۔۔۔۔۔“

”تم جو مرضی آئے کرو اسے ڈیٹ کرو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن شادی کو فلحال سائیڈ پر رکھو۔“

کھلائی یوں پر لوشن ملتی وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

کچھ دیر بعد یا سریزدانی تیار شیار ساخو شبوئی میں بکھیر تاکرے سے نکلا تھا۔

اس نے ہاتھوں پہ پھر سے لوشن انڈیلا اور پھر سے کھلائی یوں پر ملنے لگی۔ یہ نویں بار تھا۔

وجود کا سکون اب بھی برقرار تھا۔ اور آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میں سوچ رہی تھی بوٹو کس کروالوں۔ تم کیا کہتی ہو۔“

ورشہ شیخ نے گالوں پر ہاتھ رکھتے اس کی رائے لینی چاہی۔ مآرب نے بمشکل چہرے سے چلکھتی بیزاری چھپاتے مسکرا کر  
فقط سر ہلایا۔

پھر چند پل کیلئے بغور ان کا چہرہ دیکھا تو ادراک ہوا کہ وہ واقعی کافی جوان دیکھتی تھی۔ سلم سمارٹ سی۔۔۔۔۔ دیکھنے  
میں وہ یوعان کی ہم عمر لگتی۔ لیکن حقیقت میں خود ان کا جو بیس پچیس سالہ بیٹا تھا۔ اور یہ سب یقیناً ان کی ڈائیٹ اور  
فیلرز کا کمال تھا۔۔

”میم ڈنر ریڈی ہے۔“

میڈ نے آکر اطلاع دی تو وہ سب ڈائی ینگ روم کی جانب بڑھ گئے۔  
 بڑی سی ٹیبل انوار اقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ ارگردو تین شیف کھڑے تھے۔ ان کے بیٹھے ہی انہوں  
 نے سرو کرنا شروع کیا۔

”تمہیں اب آفس جوائن کر لینا چاہیئے یوشع۔“  
 یہ حسن شیخ کی جانب سے ایک تمبیہ تھی۔ یوشع نے سر ہلایا۔  
 ”تمہارے کمپیوٹر بڑھنے لگے ہیں ہوعان تمہیں اپن۔۔۔۔۔ اپنی پوزیشن پر فوکس کرنا چاہیئے۔“  
 مآرب نے پہلے یوعان کو سرو کیا پھر اپنے لئے کھانا ڈالنے لگی۔ اس کی یہ حرکت سب نے بڑے تعجب سے دیکھی تھی  
 سوائے یوعان شیخ کے۔ حسن شیخ بات کرتے کرتے اکٹھے تھے۔  
 ”مجھے اوور کم کرنا آسان نہیں ہے ڈیڈ۔ میں نے اس پوزیشن تک پہنچنے کیلئے دن رات صرف کئے ہیں۔“  
 لہجے میں غرور نہیں تھا اپنی ذات کا فخر تھا۔ اور یہ چیز اسے منفرد بناتی تھی۔

”ہمم دیٹس گڈ۔ فاروقی کے ساتھ میٹنگ کا کیا بنا۔“  
 وہ ان کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا۔ مآرب کو پانی چاہیئے تھا جو اس سے دور تھا۔ اس کی نظریں جگ پر دیکھ کر بات  
 کرتے کرتے یوعان نے اپنا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا جس سے وہ آدھاپی چکا تھا۔ مآرب نے اسی گلاس سے پانی پیا  
 تھا۔ اور یہ سب بڑے غور سے یوشع شیخ نے دیکھا تھا۔

آج اس کی ان کی وائے ایس وائے کارپوریشن کے ساتھ میٹنگ تھی۔ اس بار وہ کوئی بڑا پروجکٹ پیلن کر رہے  
 تھے۔ جس کی کانسرکشن ایس وائے ایس کارپوریشن کرتی اور انٹیر اےوان گروپ کے زمے ہوتا۔  
 ”مجھے لگ رہا ہے ہم رسک لے رہے ہیں۔ کیونکہ زمین زیادہ منافع بخش جگہ پر نہیں ہے۔“  
 یسال متافق نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جنرل مینجر تھا۔ اس لئے بھی اسے زیادہ فکر تھی۔

”بزئس میں ہمیشہ رسک لینا پڑتا ہے۔ یا تو پالو گے جو پانا چاہتے ہو یا پھر ڈوب جاو گے۔ ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔“

مآرب پر اعتماد تھی۔

”اور ایڈورٹائی زمنٹ۔“

پروجکٹ میجر نے نکتہ اٹھایا۔

”وہ پی آر ٹیم کا کام ہے۔ اسے مس ہما دیکھ لے گی۔“

مآرب نے پی آر میجر کی طرف اشارہ کیا۔

”مس ہما آپ ایڈورٹائی زمنٹ کیلئے کیا کرے گی۔“

یوعان شیخ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کی سنجیدگی خطرناک تھی۔ مس ہما نے گھبراہٹ پر قابو پاتے اعتماد قائم کیا۔

مآرب نے خود کو ڈیلا چھوڑے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ نظریں یوعان سے ہما تک جاتی اور ہما سے یوعان تک۔

”میں ایک دودن میں ایڈورٹائی زنگ کمپنی سے رابطہ کرتی ہو۔۔۔۔۔“

”وہ تو ہم کرتے ہی آرہے ہیں لیکن اس سے فائیو کچھ زیادہ نہیں ہو رہا۔ کوئی نیا طریقہ فبلیسیٹی کا۔۔“

میٹنگ ہال میں ان دو کے علاوہ کسی کی آواز نہیں آرہی تھی۔ سب کی نظریں کبھی مس ہما پر جاتی کبھی یوعان شیخ

پر۔ مس ہما الجھن زدہ نظر آرہی تھی۔

”ہم بل بورڈس بھی۔۔۔۔۔“

”جب آپ فٹ پاتھ پہ چلتی ہے تو نظریں بل بورڈ پر ٹکائے چلتی ہے یا فون پہ۔“

”فون پہ سر۔“

کوٹ کا بٹن بن کر تاوہ اٹھ کھڑا ہوا باقی بھی اس کی پیروی میں کھڑے ہوئے تھے۔

then contact with influencers ہمیں اس پروجکٹ کی زیادہ سے زیادہ فبلیسیٹی کرنی ہے۔ try

everything ایڈز، بل بورڈ ہر چیز لیکن زیادہ فوکس انفلو انسرز پر ہونا چاہیے۔

”Meeting dismiss۔۔۔۔ upgrade your social media“

مس ہمانے تیزی سے سر ہلاتے اس کی باتیں زہن نشین کی تھی۔  
میٹنگ روم سے باہر آکر اس نے رک کر پیچھے آتی مآرب کو دیکھا۔  
”گھر جائے گی یا پھر آفس۔“

”گھر جا رہی ہوں ٹائی م تو اوور ہے آپ نہیں آرہے۔۔“  
کھلائی پر پہنی گھڑی پر وقت دیکھتے اس نے استغنامیہ پوچھا۔  
”میری کچھ لوگوں سے میٹنگ ہے رات کو دیر ہو جائے گی۔“

اس کے ساتھ لفٹ کی جانب بڑھتے وہ بولا۔ سیال اپنی ٹیم کے ساتھ پہلے ہی نکل چکا تھا۔  
جبکہ وہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کیلئے دروازہ کھولا جب وہ بیٹھی تو وہ ہلکا سا جھکا۔  
”مجھے دیر ہو جائے گی اپنا خیال رکھئے گا۔“

مآرب نے سر ہلایا۔ دروازہ بند کرتے اس نے ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔  
جب تک اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی وہ وہی کھڑا رہا۔ ماتھے پر فکر کی لکیریں تھیں۔ کوئی چیز اسے پریشان  
کر رہی تھی۔  
کیا اسے گھر چلے جانا چاہیئے تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ ہو سپیٹل کا وی آئی پی روم تھا جس کے باہر گارڈز مستعدی سے کھڑے ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام سے رہے  
تھے۔

وہ بڑی مہارت سے ان کو چکما دے کرنرس کے یونی فورم میں اندر آئی تھی۔  
بیڈ پر پڑا وہ مشیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی پاس آئی۔ کچھ دیر اس کے چہرے کو تکتے رہنے  
کے بعد ہاتھ بڑا کر آہستہ سے انگلیاں اس کی بند آنکھوں پر پھیری۔

”تم تو بڑی اچھی جگہ پڑے ہو۔ سہی ہے تم امیر لوگ بیماری بھی بڑی عیش عشرت میں گزارتے ہو۔ ہوتی تمہاری جگہ میں ناں تو پڑی رہتی کسی سرکاری ہسپتال میں بے یار و مددگار۔ موت سے پہلے ہی موت کا مزہ چک لیتی۔ تمہارے تو بھٹی مزے ہیں۔“

وہ اس پر ٹونٹ کر رہی تھی جبکہ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔  
مقابل کی پلکیں زور زور سے پھڑپھڑائی تھی۔

اس نے ہاتھ ہٹالیا۔  
منہ بنا کر بولی۔

”ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے جارہی ہوں۔ مجھے کون سا شوق ہے یہاں ٹھہرے کا اتنی دوائیوں کی بدبو ہے مجھ سے تو برداشت ہی نہیں ہوتی۔ تمہیں مبارک ہو۔ ویسے بھی تمہیں بڑا شوق ہے یہاں رہنے کا۔“  
بیڈ پر پڑے وجود کی آنکھوں سے اب کے آنسو نکل آئے تھے۔ اور وہ جانتی تھی یہ آنسو نہیں آگ کے شعلے ہیں۔ وہ اگر اس وقت حواسوں میں ہوتا تو اسے کب کا جہنم وصل کر دیتا۔  
جانے سے پہلے وہ اس کے چہرے پر جھکی اس کی کھڑی مغرور ناک سے لب آہستہ سے مس کئے۔  
”جس دن نکاح ہوا ناں اس دن میں پکایہ تمہاری ناک کھا جاؤں گی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

گھر آتے ہوئے اس نے پہلے ڈھیر ساری گروسری کی تھی۔ لنچ کا ٹائی م تو گزر گیا تھا۔ لہذا ڈزکیل نے اس نے مٹر قیمہ بنانے کا سوچا۔ بہت دنوں سے اس نے دیسی کھانا نہیں کھایا تھا۔ گروسریز کو ٹھکانے لگانے کے بعد اب کچن سے باہر آکر صوفے پر پاؤں پسپارے بیٹھ کر مٹر چھیلنے لگی۔ کوئی کہہ سکتا تھا یہ مآرب اعوان ہے لڑکیوں کی انیسپائی ریش بزنس میں ایوارڈ ویز مآرب اعوان۔ لیکن اب یہ سادگی ایک عرصے سے اس کی زندگی کا حصہ تھی۔ کوئی تھا اس کی زندگی میں کوئی خاص جن کی شخصیت اسے مغرور بننے سے روکتی تھی۔

مٹر چھیل کر اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلاتے سالن پکنے کیلئے رکھا۔ روٹی کیلئے آٹا مشین میں گھوند کر سائیڈ پر رکھا۔ اس کام سے فارغ ہوئی تو سوچا کہ یوعان کو کال کرے۔ لیکن فون اٹھاتے ہی اس کی توجہ ایک میسج نے کھینچ لی۔ وہ

ایک ویڈیو تھی۔ جیسے دیکھتے اس کی آنکھیں پھٹ پڑی۔ کچھ دیر تو ہلنے کے قابل ہی نہ رہی۔ خوف سے پیسے چھوٹ گئے تھے۔ اس نے جلدی سے اسی نمبر پر کال ملائی۔

”تمہیں یہ ویڈیو کہاں سے ملی۔“

”میں نے اس کے اپارٹمنٹ میں کیمرہ فٹ کرایا تھا۔“

مقابل کی بات پر وہ دنگ رہ گئی۔ مارے حیرت کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر زبان سے ادا ہوئے۔

”کلک کب کیسے۔“

”میں غریب ہوں لیکن باکمال ہوں۔ سمجھ لو یہ میرے کمالات میں سے ایک کمال ہے۔“

”یار تم۔۔۔۔۔“

اوپر سے ایک زوردار آواز آنے پر اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے وہ ایک دم سے ڈر کر اچل پڑی۔

”مابی تم ٹھیک ہو۔“

اس کی چینج پر دوسری طرف وہ فوراً فکر مند ہوئی۔

”میں نے آج اس آدمی کا خاتمہ کر دینا ہے۔ انشا اللہ آج اس کی آزادی کا آخری دن ہوگا۔“

چھت کی جانب دیکھتے وہ غصے سے بولی۔

”مابی دھیان سے اپنا خیال رکھنا۔ کیا میں آجاؤں۔“

اس کی فکر پہ مارب کو بے ساختہ پیار آیا تھا۔

”نہیں میں خود دیکھ لوں گی۔“

اس نے فون بند کیا۔ آواز متواتر آرہی تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے پولیس کو کال ملا دی۔

بل بجی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا اور ایک سر باہر آیا۔ سامنے پولیس کھڑی تھی۔ اس کی رنگت متغیر ہوئی تھی لیکن سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے اپنے تاثرات سنبھال لئے تھے۔

”جی۔“



”آپ کی کمپلین آئی ہے۔“

وہ کوئی خزانہ قسم کا انسپکٹر تھا۔ اس آدمی کی بھنویں آپس میں جڑی۔

”کس نے کروائی ہے۔“

”میں نے۔“

پولیس کی سائیڈ سے نکل کر مآرب اعوان اس کے سامنے آئی۔

آدمی نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

”آپ کے اپارٹمنٹ میں غیر قانونی کام ہو رہا ہے۔ آدھی رات کو عجیب آوازیں آتی ہے۔ جس سے نیچے فلور والے

ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ لہذا ہمیں آپ کے اپارٹمنٹ کی تلاشی لینا ہے۔“

انسپکٹر نے باتمیز الفاظ چنگھاڑتے لہجے میں ادا کی۔ وہ آدمی دروازہ بند کرتے باہر آیا۔

”آپ بغیر کسی وارنٹ کے میرے اپارٹمنٹ کی تلاشی نہیں لے سکتے ہیں۔“

”جو ثبوت میرے پاس ہے اس کے ہوتے کسی وارنٹ کی ضرورت نہیں رہنی چاہی۔“

بازوں سینے پر باندھ کر وہ سر دلہجے میں گویا ہوئی۔

آدمی کے چہرے پر ہلکا سا اضطراب اٹھ آیا۔ مآرب نے کوٹ کے جیب سے موبائل نکال کر ویڈیو چلا کر اسے

دیکھائی۔ اور اب وہ دیکھ سکتی تھی۔ کہ مقابل کارنگ پوری طرح سے اڑ چکا تھا۔ ویڈیو دل دہلا دینے والی تھی۔ اس میں

وہی آدمی تھا جو سامنے کھڑا تھا۔ اور خون میں لت پت ایک لڑکی تھی۔ جیسے وہ آدمی بری طرح سے مار رہا تھا۔

”یہ میں نہیں ہوں۔“

آدمی کا سر تیزی سے نفی میں ہلا۔ خود پر قابو پاتے اس نے مضبوط انداز میں کہنا چاہا۔ لیکن لکھڑاتا لہجہ اس کا ساتھ نہیں

دے رہا تھا۔

”یہ تم ہی ہو۔ یہ ویڈیو پندرہ منٹ پہلے کی تمہارے ہی اپارٹمنٹ کی ہے۔ اب تم سامنے سے ہٹو گے تاکہ یہ لوگ اندر

جا کر تمہیں پکے ثبوت دے سکے۔“

پر اعتماد لہجے میں بولتی وہ اس کے چکے چھڑوا گئی۔



”تمہیں کیسے پتا کہ یہ میرے اپارٹمنٹ کی ویڈیو ہے۔“

وہ اب بھی ہمت نہیں ہار تھا۔

مارب استہزائی یہ مسکرائی۔ اس کی پولیس کی جانب پیٹھ تھی۔ اس نے سر آگے کیا اور تھوڑا اس کے نزدیک ہوتی سرگوشی میں بولی۔

”یہ ویڈیو تمہارے اپارٹمنٹ میں لگائے گئے خفیہ کیمرے کی ہے۔“

وہ دھک سے رہ گیا۔ اور پھر جیسے غصے کی زیادتی سے آنکھیں سرخ ہو گئی۔ مارب کو خوف آیا تھا ان آنکھوں سے۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔“

وہ غصے سے دھاڑا۔

مارب نے ایک دم آنکھیں میچ لی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھاتا ایک ہاتھ اس کے پیچھے سے آیا تھا اور سامنے والے ہاتھ کو جکڑ گیا۔

وہ یوعان شیخ تھا اس نے وہی ہاتھ گھما کر اس کی پیٹھ سے لگایا۔ اور اس مضبوطی سے لگایا کہ آدمی کی چیخیں نکل گئی۔

مارب نے پٹ سے آنکھیں کھولی۔ تو یوعان شیخ کو کسی چٹان کی طرح خود کے سامنے پایا۔

”کیا آپ لوگ اپارٹمنٹ کی تلاشی لیں گے یا صرف تماشا دیکھنے کھڑے ہیں۔“

مڑ کر سرد مہری سے انپسپکٹر سے مخاطب ہوا تو وہ بھوکھا کر آگے بڑھا۔ یوعان اس آدمی کو چھوڑ کر پیچھے ہوا۔ تو انسپکٹر نے اس کی گدی پر دو ہاتھ مارتے اس سے کوڈ پوچھ کر دروازہ کھلوا یا تھا۔

وہ لوگ اندر چلے گئے۔

ان کے پیچھے جاتی مارب کی کھلائی یوعان شیخ کی گرفت میں آئی تھی۔

مارب نے نا سمجھی سے مڑ کر اسے دیکھا۔ جس کے چہرے پر سختی تھی۔ اور آنکھوں میں وحشت۔ ماتھے کی پھولی رگیں گواہ تھی کہ صاحب غصہ ضبط کئے ہوئے ہیں۔

”آپ کو لڑنا نہیں آتا۔ وہ آپ پر ہاتھ اٹھانے والا تھا اور آپ بی بی کو تر کی طرح آنکھیں بند کئے کھڑی تھی۔“

کٹیلے لہجے میں ڈپٹ کر کہا گیا۔ مارب جل ہوتے بولی۔

”تو میں کیا کرتی۔“

”آپ اس شخص کا جبر اتور دیتی۔ انسان کو اتنا تو مضبوط ہونا چاہیئے کہ خود پر اٹھا ہاتھ مروڑ سکے۔ لیکن آپ نے مجھے مایوس کیا ہے۔۔۔۔۔ خیر میں سوچتا ہوں اس بارے میں۔“

افسوس سے نفی میں سر ہلاتے وہ اندر چلا گیا۔ مآرب نے نچلا ہونٹ باہر نکالتے شرمندگی سے تپتے گالوں پر ہاتھ رکھے۔ پھر سر جھٹک کر اس کے پیچھے ہو لی۔

اندر کا حال یوں تھا کہ ہر بندہ کسی مجسمے کی مانند ساکت ہوا کھڑا تھا۔ مآرب الجھن زدہ سی انہیں دیکھتی آگے آئی۔ اور پھر وہ منظر اس پر کپکپاہٹ طاری کر گیا۔ وہ بچھٹائی تھی اسے یہ نہیں دیکھنا چاہئے تھا۔

زمین پہ ایک لڑکی نیم مردہ حالت میں پڑی زخموں سے چور مدھم مدھم سانس لے رہی تھی۔ جسم کا کوئی حصہ خون سے مبرہ نہ تھا۔ مآرب کی سانسیں تو تباہ کی جب اس کی نظریں لڑکی کے ہاتھ سے ہوتی پاس پڑی کئی انگلیوں پر پڑی۔ لمبی خوبصورت سرخ ناخنوں والی انگلیاں وہ خوف سے زرد پڑتی لمحوں میں پسینے سے تر ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ قدم پیچھے لیتے کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔ وہ چونکی نظریں اوپر اٹھی اور سرخ وحشت زدہ آنکھوں سے ٹکرائی وہ وہی شخص تھا اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی پرسکون کھڑا تھا چہرہ ہر تاثر سے پاک۔ مآرب پر آنکھیں ٹکائے وہ جیسے ارد گرد سے بیگانہ تھا۔ مآرب کو گھٹن سی ہونے لگی۔ لیکن وہ چونکی جب نظریں آنکھوں سے ہوتی اس شخص کے لبوں پر آئی وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ کوئی ورد تھا جو اس کے ہونٹوں سے ادا ہو رہا تھا۔ مآرب کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا سانسیں رکنے لگی اس کے وجود میں لرزہاٹ محسوس کرتے یوعان شیخ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے نامحسوس انداز میں اس کا چہرہ موڑتے اپنے سینے سے لگایا تھا۔ اس کی آنکھیں سرد سے سرد ترین ہوتی گئی۔ ان وحشت زدہ آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے وہ مآرب پر حصار مضبوط کر گیا۔ اب ورد اس کے ہونٹوں پر بھی تھا۔ آیت الکرسی کا ورد۔

”سریہ دیکھے۔“

پولیس اہلکار کی آواز سے ماحول کا ساکتہ ٹوٹا تھا۔

اہلکار نے کپڑے میں باندھا سامان انسپکٹر کے سامنے زمین پر گرایا تو وہ لوگ بھونچکا رہ گئے۔

آدمی کا دھیان بھٹکا تھا اس نے زمین کی جانب دیکھا تو بے ساختہ مٹھیاں بھیج گیا۔  
انسپکٹر نے ماتھے بل لے کر اسے دیکھ کر غصے سے پوچھا۔  
”کون ہے بے تو یہ کیا بکو اس ملا ہے تیرے پاٹمنٹ سے۔“  
وہ شخص خاموشی سے انسپکٹر کو دیکھنے لگا۔ معاً یوکان کی آواز پہ سب چونکے۔  
”یہ ایک سائی کو پیتھ ہے۔ جو لڑکیوں پر جادو کر کے انہیں اپنے قابو میں کر کے پھر ان کی یہ حالت کرتا ہے۔“  
آنکھوں سے زمین پر پڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔  
”اس سکٹر میں پاٹمنٹ لے کر اسے یہ لگتا ہے کہ یہاں اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ اس کے عمل میں مداخلت نہیں کریں گے اور یہ زور لڑکیوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بناتا رہے گا۔“  
وہ شخص چھپ سا اپنا ورد بھولے خاموش بے تاثر نظروں سے یوکان شیخ کو بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پولیس خیرانی سے اسے سن رہی تھی۔  
معاً کوئی دروازہ دکھیلنے آندی طوفان کی طرح داخل ہوا تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی۔ جو تیزی سے آکر مآرب کو یوکان سے الگ کرتے اپنے سامنے کر گئی۔  
”تم ٹھیک ہو۔“  
اس کے بالوں چہرے پر ہاتھ پھیرتی وہ فکر میں ڈوبے لہجے میں بولی۔ یوکان شیخ کی آنکھوں میں ناگواری اتری تھی۔  
مآرب نے گہری سانس آندر کھینچتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔  
”تمہارا جسم ٹھنڈا۔۔۔“  
پشت پر نزدیک آتے قدموں کی چھاپ پر اس نے ایک دم مڑتے ٹانگ پوری شدت سے اس شخص کے منہ پر ماری تھی۔ کہ ایک پل کیلئے تو اس کے دھیان اور لات پر وہ سبھی دنگ رہ گئے تھے۔ مآرب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ جبکہ وہ اسے چھوڑے اس شخص کا جبراً بوجے غرائی تھی۔  
”ڈونٹ یو ڈیر۔۔۔ ورنہ جو حال تم نے اس لڑکی کا کیا ہے اس سے بتر میں تمہارا کر کے تمہارا یہ پاگل پن اور جادو تمہارے ہی خون میں بہا دوں گی۔“

یوعان شیخ کی آنکھوں میں ستائی ش اتری اسے مآرب کی آنکھوں کے علاوہ بھی آج کسی عورت نے متاثر کیا تھا۔ وہ لڑکی جب مار مار کر اس شخص کا برتہ بنا چکی تو خونخوار نظروں سے دنگ کھڑے انسپکٹر کو دیکھا۔ وہ ہڑبڑا کر جلدی سے آگے بڑھا اور اس شخص کو گیربان سے پکڑ کر اہلکاروں کی جانب دکھیلنے لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں انسپکٹر کی کال پر لڑکی کو ہو سپیٹل لے جانے امبولنس بھی آئی۔ وہ تینوں پولیس کے کہنے پر وہاں سے نکل گئے۔ پولیس نے اپارٹمنٹ کو سیل کر دیا تھا۔

”یوعان یہ۔۔۔۔ میرا مٹر قیمہ۔“

اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے مآرب ابھی ان دونوں کا تعارف کرواتی کہ جلنے کی بوناک کے منتوں سے ٹکرائی اور وہ سرپٹ کچن کی اور بھاگی تھی۔

”میں مآرب کی دوست ہوں آپ مجھے اس کی بہن بھی کہہ سکتے ہیں لیکن میں مریم کی طرح لالچی نہیں ہوں مجھے بس پیسے سے پیار ہے۔“

یوعان چونکا۔ یہ محسوس جملہ تو وہ کہی بار سن چکا تھا۔ اس کی نظریں بے ساختہ کچن کی طرف گئی۔ جہاں وہ سنک میں جلا ہوا برتن رکھ رہے تھے۔ اس نے نظریں پھیر لی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ کا نام۔“

اتنے لمبے تعارف میں اس لڑکی کا نام کہی نہیں تھا۔

اس کے سپاٹ انداز پر وہ جل سی ہوئی لیکن پھر اپنے ازلی اعتماد سے جواب دیا۔

”عنوہ حمید“

کوئی تاثر عجیب سا یوعان شیخ کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ جو لمحوں میں سمٹ بھی گیا۔

مآرب پاس آتی بولی۔

”میں نے مٹر قیمہ بنایا تھا لیکن جل گیا۔ تم پہلی بار میرے گھر آئی ہو عنوہ اور میں تمہیں کھانا بھی نہیں کھلا سکی۔“

”ہم کچھ آڈر کر لیتے ہیں۔“

حالانکہ یہاں تو تمہیں ہونا چاہئے تھا۔ یا پھر۔۔۔۔۔“

دور سے ہی اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

”یا پھر مآرب اعوان بھی وہی کر رہی ہے جو ہمارے ہاں عام ہے۔ ویسے اگر کہو تم ایک عدد پروجکٹ میں بھی تمہیں دلا سکی۔۔۔۔۔“

وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔ اس کی گردن ہاتھوں کے شکنجے میں لیتے وہ اس کے منہ پر غرایا تھا۔  
”یہ گندگی تم عورتوں کے ہی ذہن میں رچی بسی ہے اسے اپنے تک ہی رکھو تو بہتر ہے۔ مآرب اعوان کی ذات تک پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں زمین میں گھاڑ دوں گا۔“  
دار یہ کی آنکھیں خوف سے ابل پڑی یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس کا یہ جار خانہ روپ دیکھ رہی تھی۔ یسال نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی تھی۔

مڑنے سے پہلے سے وہ نفرت انگیز لہجے میں بولا تھا۔

”تم اپنی ذات کیلئے کچھ بھی کرو میرا اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن یسال اعوان ابھی اتنا بھی بے غیرت نہیں ہوا کہ اپنی عزت اپنے ہی ہاتھوں رول دے۔“

وہ جس معاشرے سے تعلق رکھتا تھا وہاں ازواجی رشتے کو سب ٹھیک ہے کا ٹیگ لگانا ان پر فرض تھا لیکن یسال اعوان اب تھکنے لگا تھا۔ کوئی لاوہ تھا جو اندر ہی اندر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اور خدا جانے اس لاوے نے کیا کیا طوفان مچانے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ایک پاؤں صوفے پہ موڑے دوسرا نیچے لٹکائے کہنی صوفے کی پشت پر اور مٹھی کنپٹی کے نیچے رکھے وہ اسے اپنی نشیلی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ آنکھیں جو یو عان شیخ کو پہلی ہی ملاقات میں متاثر کر گئی تھی۔  
ٹیبل پر پاؤں رکھے گود میں لیپ ٹوپ لے اس پر کام کرتے یو عان شیخ کی غیر ارادی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ ایک منٹ کیلئے فریز ہو گیا تھا۔

پھر اس کی جانب مڑتے اسی کی طرح کہنی پشت پر اور مٹھی کنپٹی پر ٹکائے مدھم مگر سرد لہجے میں مخاطب ہوا۔

”میرے ساتھ یہ کھیل مت کھیلنا مآرب۔ مجھے بہکانے یا سڈیوس کرنے کی کوشش کروں گی۔ تو یاد رکھنا مجھے وہ مرد بننے میں دیر نہیں لگے گی جس پر معاشرہ لعنت بھیجتا ہے۔“

اس کا چہرہ فق ہوا تھا۔ اس کی نظریں خود پر محسوس کرتے مآرب نے سرعت سے شرٹ کے اوپری بٹن بن کئے تھے۔ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اس وقت وہ شرم سے ڈوب مرنے کو تھی۔ یوعان شیخ کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آکر معدوم ہوئی اور پھر وہ پیچھے ہٹتے دوبارہ لیپ ٹوپ میں مصروف ہو گیا تھا۔

”میری ایسی کوئی انٹنشنز (ارادہ) نہیں تھی۔ مجھے تو بس صرف آپ پر پیار آ رہا تھا۔“

یوعان کے چلتے ہاتھ رکے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ آہستہ سے اس کی بات دہرائی۔

”پیار آ رہا تھا۔“

مآرب سٹیٹا گئی۔

”پیار کا وہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ دیکھئے آپ نے ہر مشکل میں مجھے کور کیا ہے۔ تو بس اس وقت آپ کو دیکھ کر مجھے اچھی فیلنگز آرہی ہے۔ جیسے کوئی اچھا کام کرے تو اس پہ پیار آتا ہے نا۔“

وہ بوکھلاہٹ میں جو منہ میں آتا گیا بولتی گئی۔

یوعان نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ کچھ پل گزرے خاموشی ان کے بیچ ٹھہری رہی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور مآرب اس کے علاوہ ہر چیز کو۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوعان نے لیپ ٹوپ میز پر رکھا۔ اور تھوڑا کسک کر اپنا دائی بازو اس کے گلے میں ڈال کر اسے نزدیک کیا۔ یہ سب بڑی بے ساختگی میں ہوا تھا۔ دونوں ہی دنگ رہ گئے تھے۔

”مجھے آپ کو کور کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اگر کمری ئی رکے ساتھ تھوڑا دھیان سلف ڈیفنس پہ بھی دے دیتی۔“

”خیر آپ کی اس بات نے مجھے بڑا مایوس کیا ہے۔ جو میں آگے ہر گز نہیں ہونا چاہتا۔ اس لئے کل سے شام کے وقت یوشع آ کے آپ کو سلف ڈیفنس سکھائے گا۔“



اور یہ حکم سنتے ہی اگلے دن یوشع پوراسیٹ اپ کئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔  
 وہ لوز سے ٹریک سوٹ میں اس کے سامنے تھی یوشع نے سر سے پیر تک ایک سرسری سا اس کا جائی زہ لیا اور مڑ کر  
 وکیوم کلینر سے صفائی کرتے یوعان شیخ سے مخاطب ہوا۔  
 ”بھائی پہلے اسے کچھ کھلائے پھیلائے تو سہی یہ سوکھی لکڑی کسی کا کیا بگھاڑ پائے گی۔“  
 مآرب نے صدمے سے اپنی فٹنس کیلئے یہ الفاظ سنے تھے۔ پھر شکوہ کنناں نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ جو اس کی  
 دلکش آنکھوں کا شکوہ پڑھ کر سرد نظروں سے یوشع کو دیکھنے لگا تھا وہ بھائی کے چہرے کی سختی دیکھ کر ہڑبڑ کر سنجیدہ  
 ہوتے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”سب سے پہلے اس وقت میں آپ کا استاد ہوں تو جیسا میں کہوں گا آپ پہ فرض ہے آپ اسے عمل میں لائی۔“  
 تصدیق کیلئے اسے دیکھا۔ مآرب میں نے شرافت سے سر ہلایا تھا۔  
 ”ٹھیک۔۔۔۔۔۔ تو آتے ہیں دوسری بات کی جانب چونکہ آپ بیسکس سیکھ رہی ہے۔ تو آپ کیلئے ضروری ہے کہ  
 آپ پہلے بوکسنگ ٹرائے کرے۔ اس سے کیا ہو گا کہ آپ بیچ کر ناسیکھ جائے گی۔ بس خطرے کے وقت آپ کا ایک مکا  
 بھی کافی ہو گا۔ چلے اب اس پہ مکے مارتے جائی۔“  
 یوشع نے پیچنگ بیگ کی جانب اشارہ کیا۔ مآرب سر ہلاتے پوری دلجمی سے طاقت لگا کر مکے مارنے لگی۔  
 ”زور سے ہڈوں میں جان نہیں ہے۔“

وہ سخت استاد کی طرح سرزنش کرنے لگا۔ مآرب کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئی وہ اس سے چھوٹا تھا اور اس پہ جان  
 بھونج کر روعب جاڑ رہا تھا۔ اس وقت مجبوری میں اسے تو کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ لہذا ایک خطرناک گھوری سے اسے  
 نواز کر اپنا غصہ پیچنگ بیگ پہ اتارنے لگی۔  
 اس کی سپیڈ دیکھ کر یوشع نے بے ساختہ توک لگاتا تھا۔

”جابر خان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ جس جگہ بلڈنگ بنانے کی سوچ رہے ہیں۔“



نواز اسے برنگ دے رہا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھتے چلتے چلتے شیشے کی قد آدم کھڑی تک آیا۔ یہاں سے نیچا کا منظر بخوبی دیکھائی دے رہا تھا۔

”اس زمین پہ تنازعہ چل رہا ہے۔ لیکن وہ بصد ہے آپ سے ملنے کیلئے میں اسے کیا جواب دوں۔“  
”یہ کون ہے۔“

نیچے کے منظر نے اسے چونکا دیا۔ مڑ کے استغہامیہ انداز میں نواز کو دیکھا۔ چہرے پر سنجیدگی تھی۔  
نواز نا سمجھی سے اسے دیکھتے شیشے کے سامنے آیا۔ نیچے دیکھتے وہ بھی چونکا تھا۔ جہاں آفس بلڈنگ کے سامنے پانچ چھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان ایک ایک کی قیمت تقریباً نوے لاکھ کے قریب تھی۔ معائیریں گاڑی کا دروازہ کھولتے ایک لڑکی باہر نکلی۔ وہ دور سے خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ آفس میں بیٹھی پوری دلجمعی سے کام کر رہی تھی۔ اس کی اسسٹنٹ نے اجازت مانگتے اندر قدم رکھا۔ اس کے ہاتھ میں دو چیزیں تھیں۔ اس نے دونوں ٹیبل پر مآرب کے سامنے رکھی۔ مآرب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک ہمپر تھا اور دوسرا کارڈ۔

”یہ کارڈ دار یہ میم جبکہ یہ ہمپر مریم میم کی طرف سے آیا ہے۔“

اسسٹنٹ خبر دے کر چلی گئی مآرب نے کارڈ کولا۔ وہ ڈنر پارٹی کا دعوت نامہ تھا۔ دار یہ کو پارٹیز کا شوق تھا۔ اور آج کل وہ بڑے جوش و خروش سے اپنا پری برتھ ڈے پارٹی منائے جا رہی تھی۔

کارڈ پڑھ کر اس نے ہمپر کھولا۔ وہ زارا کا بیگ تھا۔ جس کی مالیت لاکھوں میں تھی۔ بیگ کے ساتھ ایک سٹکی نوٹ چپکا تھا۔ اس نے ہٹا کر آنکھوں کے نزدیک کیا۔

”یہ رات کو ہی کلکشن میں آیا ہے صرف دو پیسے تھے اور دونوں ہی میں نے لے لے۔ میں نہیں چاہتی کوئی اور لے اور سوچا کنجوس مآرب کو کچھ نیا گفٹ کروں۔“

مآرب نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔ مریم اعوان شوہر کا پیسہ اڑانے والی عورت تھی۔

”میم آپ اندر نہیں جاسکتی۔ میم رکے۔۔۔۔۔“

دونوں نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔ وہی لڑکی مغرورانہ چال چلتی آفس میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ گارڈز اور دو تین لوگ اور بھی تھے۔ جو دروازے پر ہی رکھ چکے تھے۔

”مجھے آپ کی کمپنی سے کولیرز کی آفر ہوئی ہے۔ آپ کی پی آر ٹیم نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ لیکن میں آپ سے بذات خود ملنا چاہتی تھی۔“

نازکت سے بال جھٹک کر وہ مسکراتے لہجے میں یوعان شیخ سے مخاطب تھی۔ شاہ نواز کو ماننا پڑا کہ یہ لڑکی نزدیک سے بھی خوبصورت تھی۔

جبکہ جس کو وہ محبوبانہ انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں انتہائی حد تک سر ہو چکی تھی۔ جبکہ لب آپس میں سختی سے پیوست تھے۔ اس نے ریسپشنسٹ کو دیکھا۔

”س سر یہ فدا وہاب ہے پاکستان کی ٹاپ انفلو انسر۔“

یوعان نے ایک خاموش نظر فدا وہاب پر ڈالی۔ جو اس کے دیکھنے پر دل و جان سے مسکرائی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”کسلے ملنا تھا آپ کو۔“

وہ ہنوز وہی کھڑا تھا۔ فدا وہاب کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف گھومی۔

”میں سیدھی اور صاف بات کروں گی۔ مجھے آپ کے ساتھ کولیر کرنا ہے۔“

یوعان شیخ نے فقط ائی برواچکائے کہ بھئی کر تو رہے ہیں مگر کہا کچھ نہیں۔ وہ اس کی بھنوں کا اشارہ سمجھ کر مزید بولی۔

”بجائے اس کے کہ میں سوشل میڈیا پہ ایک پوسٹ ڈالوں ہمیں ایک ویڈیو بنانی چاہیئے جس میں، میں اور آپ ہو۔“

نواز نے یوعان کی طرف دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ انکار ہی ہو گا۔ وہ کچھ کہتا کہ ہیل کی ٹک ٹک نے سب کو دروازے کی

جانب دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔

وہ مآرب اعوان تھی۔ میرون کلر کالوز پیٹ کوٹ پہنے بالوں کی ہائی پونی بنائے ہائے ہیلز وہ ان ہی کی طرف آرہی تھی۔ ہاتھ میں زارا کا بیگ تھا۔ وہی جو مریم نے بھیجا تھا۔

ایک خوشبوؤں کا جھونکا تھا۔ جو یوعان شیخ کی ننتوں سے ٹکرایا تھا۔ ناگواری سے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئی۔

مآرب اعوان کا اعتماد تھا کہ ماحول اس کے سحر میں جکڑ سا گیا۔ وہ سیدھا آکر فدا وہاب کے سامنے رکی۔ بیگ اس کے بالکل سامنے ٹیبل پر رکھا۔

”میری طرف سے انکار ہے۔“

فدا وہاب نے پہلے اس کے بیگ کو دیکھا اور پھر اسے۔

”لیکن میں آپ کے انکار کو کسی خاطر میں نہیں رکھتی مجھے بس یوعان شیخ سے سروکار ہے۔“

اس کی ہمت تھی یہ بولنے کی۔ شاہ نواز نے ہونٹ سیٹی کی شکل میں گول کئے۔ اور یوعان کو دیکھا۔

جو ہاتھ پیٹ کی جیب میں اڑھسائے خاموشی مگر سرد مہری سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

مآرب نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اور پھر دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں کرسی کے ہتے پر جما کر وہ اس پر جھکی۔

”میں اپنی اوقات کے اندر ہوں تو تم بھی باہر نکلنے کی کوشش مت کرو۔ تمہاری یہ بھاڑے کی گاڑیوں کی فوج میری ایک گاڑی کے برابر بھی نہیں ہے۔ میں نے ایک بار انکار کیا تو مطلب کیا۔ اب تمہارا یوعان شیخ سے سروکار ہو یا پھر پی ایم سے مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔“

فدا وہاب کا چہرہ اہانت کے بائیں سرخ پڑ گیا۔ اس نے یوعان کی جانب دیکھا۔ وہاں سے خاموشی پا کر وہ اٹھی۔ ابھی وہ مڑ ہی تھی کہ مآرب کی آواز پر ٹھٹک گئی۔

”جاتے جاتے سٹاف سے سوری کر لیجئے گا۔ جو آپ کی بد تمیزی اور بد اخلاقی کی بدولت ڈسٹرب ہوئی ہے۔“

اس کے لہجے میں تنبیہ تھی۔ وہ تن فن کرتی اپنی فوج کے ساتھ نکل گئی۔

اب آفس میں صرف وہ تین رہ گئے تھے۔

”یہ دنیا بندے کو عاجز رہنے ہی نہیں دیتی۔ بس شوف اوف کروالوان سے۔“

وہ سر جھٹک کر افسوس سے بولی۔ تو ان دونوں نے بے ساختہ اس کے بیگ کو دیکھا۔ جو چیخ چیخ کر اپنی قمیٹ بتا رہا تھا۔ ان کے تاثرات ایسے تھے کہ بھئی کون سی عاجزی۔  
ان کی نظریں بیگ پر جمی دیکھ مآرب سٹپٹا کر بولی۔  
”یہ میرا نہیں ہے۔ یہ تو مریم نے گفٹ کیا ہے مجھے۔ اچھیلی اسے شوق ہے مجھے وقفے وقفے سے ایسے گفٹس دے کر نچا دیکھانے کا۔“

نواز نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ جبکہ یوعان خاموش ہی رہا۔  
”میں تو بھول ہی گئی تھی میں کس لے آئی تھی۔ آپ کا فون کہاں ہے۔ چیک کر لیں میرے نمبر سے آپ کو بیس مس کالز آئی ہے اور آپ نے ایک بھی اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ اور تم۔۔۔۔۔“  
اب کے شاہ نواز کو مخاطب کیا۔ وہ جلدی سے مستعدی سے سیدھا ہوا۔

”تم اس کے ایک کام تک محدود ہو جاؤ۔ ورنہ نہ تم سے جاسوسی ہوگی نہ ڈرائیوری اور نہ ہی اسسٹنٹ کا کام۔ آپ دونوں کے فون نہ اٹھانے کی وجہ سے مجھے یہاں آنا پڑا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ یہاں یہ مصروفیت چل رہی ہے۔“  
منہ بگھاڑ کر بڑے تیوروں سے کہا گیا۔ نواز نے لاچاری سے یوعان کو دیکھا۔ جس نے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ شکر ادا کرتا جاتے جاتے اپنے پیچھے دروازہ بند کرنا نہ بھولا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوعان شیخ قدم قدم چلتا اس سے زرا فاصلے پر رک گیا۔  
”کیا آپ کو نہیں پتا عورتیں اتنی تیز خوشبو نہیں لگاتی۔“  
سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔ مآرب نے تھیر سے اسے دیکھا۔

”آپ مجھ پر پابندی تو نہیں لگا رہے دیکھ مجھے خوشبو لگانا پسند ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“  
یوعان نے نفی میں سر ہلایا۔

”منع نہیں کر رہا ہوں۔ آپ کو آگاہ کر رہا ہوں کہ عورتوں کیلئے تیز خوشبو جائی نہیں۔ آپ لگا سکتی ہے مگر تیز نہیں۔“

دو قدم کا فاصلہ سمیٹا وہ اس کے نزدیک ہوا۔

ایک ہاتھ اس کی کمر پر رکھا۔ اور لبوں نے کان کے قریب سرگوشی کی۔  
 ”خوشبو اتنی ہو کہ آپ کے اتنے نزدیک کھڑے انسان تک آئے جو کہ یقیناً میرے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔“  
 سنجیدہ لہجے میں اب نرمیاں گھل چکی تھی۔  
 وہ بہت قریب تھا۔ مآرب کو دھڑکنیں کانوں میں بجتی سنائی دی۔ وہ بھاری پلکیں سنبھالتے تھوڑا فاصلے پر ہوئی۔  
 ”سم سمجھ گئی۔“  
 ایک تبسم یوعان شیخ کے لبوں پر بکھر گیا۔ وہ جانتا تھا اس کے سمجھانے کا طریقہ انوکھا تھا۔ اور اس طریقے کے رنگ  
 یوعان شیخ نے مآرب اعران کے چہرے پر بڑے قریب سے دیکھے تھے۔  
 ”ہماری میننگ ہے کلائی نٹس کے ساتھ میں آپ کو یہی بتانا چاہتی تھی۔ اب تو میں آگئی ہوں تو اکھٹے چلتے ہیں۔“  
 اس نے لمحوں میں خود کو سنبھالا تھا لیکن پھر بھی بولتے ہوئے لہجہ لکھڑایا تھا۔  
 یوعان نے اثبات میں سر ہلایا۔

Safar-e-Adab

وہ بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔  
 ”میں بے وفا نہیں ہوں بس مجبور ہوں۔“  
 ندامت سے بھرا لہجہ اسے تیش میں مبتلا کر گیا۔  
 ”مجبوری یہ کیسی مجبوری ہے آپ مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں میں بے وفا نہیں ہوں۔“  
 ”آپ پہلی محبت ہے میری اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن اس وقت اگر میں نے یہ شادی نہ کی تو سب کچھ ڈوب جائے گا۔“  
 اس کی بات پر وہ ہذہانی ہو کر چلائی۔

”تو میں کیا کروں پھر۔۔۔ میرا کیا قصور ہے۔ آپ نے مجھ سے محبت کی آپ میرے پیچھے آئے۔ آپ نے مجھے اپنا عادی بنایا اور اب زہر کا پیالہ میرے جسم میں انڈیل رہے ہیں۔ مجھ پر سوتن لا کر آپ یاد رکھے مجھے اپنے ہی ہاتھوں دفنائیں گے۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن شراکت نہیں۔“

غصے کی زیادتی سے وہ کانپنے لگی تھی۔ بے یقینی تھی کہ حتم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اور غصہ تھا کہ حاوی ہی ہوئے جارہا تھا۔ اسے کیا پتا کہ اس کی محبت یہ رنگ لائے گی۔

”آپ کا گول اگلے کو مار کر حتم کرنا نہیں اسے ہرانا ہے۔ آپ نے اگلے کو بے بس کرنا ہے بنا کوئی لونگ ٹم ڈمبج کے۔“ اسے پنچ کرنا سیکھاتے وہ کسی ماہر کھلاڑی کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

”ایک باز اوقات لوگوں کی بھیڑ میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کو اتنا سپیس نہیں ملتا تو ایسے موقعوں پر پنچز تک رہنا زیادہ بہتر اور فائی دہ مند ہوتا ہے۔“

مآرب نے سر ہلایا۔ اور ایک زوردار پنچ اس کے جبرے پر دے مارا۔ کہ یوشع شیخ کی چنچیں نکل گئی۔

”مجھے کیوں مارا۔“

مآرب نے معصومیت سے آنکھیں پٹیائی۔

”میں دیکھا چاہتی تھی کہ میں ٹھیک سے پنچ کر سکتی ہوں کہ نہیں۔“

جبرے پر ہاتھ جمائے یوشع نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج اتوار تھا لہذا آفس سے چھٹی تھی یوعان صبح کسی کام سے باہر گیا تھا۔ اور وہ لوزسی ٹراوڑر شرٹ پہنے بالوں کا بیسی جوڑا بنائے رف سے حلیے میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

حلیم میں ڈوئی چلاتی گھر میں اکیلی ہونے کا سوچتے وہ بے ڈھنگے انداز میں گنگنائی اپنی ہی مستی میں تھی۔

Take me on a date

I deserve a break

And don't forget the flowers every anniversary

'Cause if you'll treat me right

I'll be the perfect wife

Buying groceries

Buy-buying what you need.

اس نے دوسرا ہاتھ اٹھا کر ہوا میں لہرایا۔ پھر ڈوئی کو مائی ک بنا کر لفظوں پہ پورا زور دیا۔ جیسے سیٹج پہ کھڑا گلوکار باز اوقات جوش میں آجاتا ہے۔

You got that 9 to 5

But, baby, so do I

So don't be thinking I'll be home and baking apple pies

I never learned to cook

But I can write a hook

Sing along with me

Sing-sing along with me (hey)

You gotta know how to treat me like a lady

Even when I'm acting crazy

Tell me everything's alright

ڈوئی ایک لمحے کیلئے رکھ کر وہ نمک اٹھا کر حلیم میں ڈالنے لگی ساتھ میں ہاتھ پاؤں مار کر ناچنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

Dear future husband



Here's a few things you'll need to know if you wanna be

My one and only all my life

Dear future husband

If you wanna get that special lovin'

Tell me I'm beautiful each and every night (woo)

After every fight

Just apologize

And maybe then I'll let you try and rock my body right

Even if I was wrong

You know I'm never wronnnnnnnnn

وہ لہراتی ہوئی مڑی اور سامنے کھڑے لوگوں کے صدمے سے کھلے منہ دیکھتی آخری لفظ پر اٹک کر رہ گئی۔  
حسن شیخ تعجب سے اپنی بہو کو دیکھ رہے تھے۔ ورشہ شیخ کو حیرت نہیں صدمہ لگا گیا تھا وہ گنگ سی کھڑی مآرب اعوان کو  
دیکھ رہی تھی۔ لیکن نہیں یہ مآرب اعوان تو نہیں ہو سکتی تھی۔ الجھے بکھرے بال خود کی ناپ سے دو گنا بڑی شرٹ  
ٹراؤر وہ ایک بزنس وومن تو ہر گز نہیں لگ رہی تھی۔ اب یہ حلیہ گھر میں عام ہی ہوتا ہے لیکن ورشہ شیخ جیسی خود کو  
ہر وقت ٹپ ٹاپ رکھنے والی عورت پر گراں گزر رہا تھا۔  
جبکہ ان کے پیچھے آتا یو عان ان تینوں کو بت بنے دیکھ کر حیران ہوا پھر جب نظر مآرب پر پڑی تو لبوں کا کھلنا بے ساختہ  
تھا۔

”اس اسلامم علیک م۔“

بہت دیر ساکت رہنے کے بعد بلا آخر اس نے اٹکتے اٹکتے سلام میں پہل کی۔ اور پھر ایک زبردستی کی مسکراہٹ  
ہونٹوں پر سجائی دھیرے سے ڈوئی رکھ کر چھوٹے چھوٹے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازہ  
آہستہ سے بند کیا اور پھر۔۔۔۔۔



بال مٹی میں جکڑتے خود کو کوستے پیر زور زور سے زمین پر پیٹنے لگے۔ اس سے زیادہ شرمندگی اسے آج تک نہیں ہوئی تھی۔

”مجھے خود ان کی آمد کا نہیں پتا تھا۔“

یو عان کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔

”آپ نے کوئی کرائی م نہیں کیا۔ پھر شرمندگی کس بات کی۔“

مَارَبْ نے منہ لٹکایا۔

آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اس وقت اگر یہاں مریم ہوتی اور وہ مجھے یوں دیکھتی تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اسے خود کشی کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔ مجھے دیکھ کر مر جاتی۔ اور یہی حال شاید میری ساس کا بھی اس وقت ہو رہا ہے۔“

بوعان نے نفی میں سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کھانے کیلئے ٹیبل پر بیٹھے تھے تب ورشہ شیخ نے مآرب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔  
 ”خود پر دھیان دیا کرو مآرب۔ خود کو منٹیں رکھنا سیکھو۔ آج تو تمہیں دیکھ کر لگا ہی نہیں کہ تم ہم میں سے ہو۔“  
 مآرب تو شرمندگی سے کچھ بول ہی نہ سکی

۔ ان کا انداز برا نہیں تھا لیکن ہاں الفاظ یوکان شیخ کو ناگوار گزرے تھے۔ اور وہ سنجیدگی سے پلیٹ سے سر اٹھائے بغیر بولا۔

”مارب کی منٹیننس کا جواب تو پورے بزنس ورلڈ میں نہیں ہے۔ اس کی فکر مت پالئے گا۔ اور جہاں تک آج کی بات ہے تو یہاں میرے علاوہ کوئی نہیں رہتا جس کیلئے یہ پلاسٹک کی گڑیا بن کر گھومے۔“

مارب نے ٹیبل کے نیچے سے اس کی ران پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے روکا۔ وہ ماحول میں اپنی وجہ سے بد مزگی نہیں چاہتی تھی۔ وہ جو آگے بھی بولنے والا تھا ایک نظر اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ حسن شیخ البتہ ان کی باتوں سے بے نیاز رغبت سے حلیم کھانے میں مشغول تھے۔ جبکہ ورشہ شیخ کے چہرے پر اب واضح ناگواری چھا چکی تھی۔

”سلف ڈیفنس۔۔۔۔۔۔ یہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر آپ کو مقابلہ کرنا نہیں آتا تو سلف ڈیفنس کے ذریعے خود کو بچا کر آپ موقع سے فرار بھی ہو سکتے ہیں۔“

”لیکن میں فرار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہوں۔“

سنجیدگی سے اس کی بات سنتی فرار والی بات پہ ماتھے پر بل لے بولی۔ یوشع کا دل کیا اپنا ماتھا پیٹ لے۔ لیکن بحث فضول تھی۔ لہذا وہ ضبط کا دامن بڑے ضبط سے تھامے کام کی بات پر آیا۔

”کسی نے آپ کی گردن پکڑ لی۔ سب سے پہلے تو آپ نے پینک نہیں ہونا۔ دوسرا آپ نے یہ نہیں کرنا کہ دونوں ہاتھوں سے خود کو چھڑوانا شروع کر دے۔۔۔۔۔۔ نو۔۔۔۔۔۔ کرنا کیا ہے دیکھے۔۔۔۔۔۔ آپ میری گردن یوں شیکنے میں لے۔“

مارب نے اس کی گردن مضبوطی سے پکڑ لی اپنی طرف سے اس نے پورا زور لگایا تھا۔

”آپ نے ایک ہاتھ کی پشت مقابل کے ہاتھ پہ رکھنی ہے اور دوسرے ہاتھ سے اس کی کھلائی مروڑ کر کھلائی کی ہڈی پہ زور ڈالنا ہے۔ سمجھ آیا۔“

مآرب نے آثبات میں سر ہلایا۔

یوعان شیخ کی کمپنی نے ایک بہت بڑے پروجیکٹ کیلئے کسی کمپنی کو سائن کرنا تھا۔ اور آج اسی کیلئے مختلف کمپنیز ایک معروف سے ہوٹل کی وی آئی پی روم میں موجود تھی۔ اور انہی میں سے مآرب بھی تھی۔ جس پہ یوعان شیخ کو حیرت تو ہوئی تھی لیکن اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

”آہ تو مآرب اعوان آج ہمارے بیچ ہے۔“

یہ تھی پروین خانزادہ۔ محروم امین خانزادہ کی بیوی۔ جو پہلے ایک نیوز رپورٹر تھی۔ کسی انٹرویو میں اس کی ملاقات امین خانزادہ سے ہوئی۔ اور ساٹھ سالہ امین خانزادہ کو بیستیس سالہ پروین یوں بھائی کہ پھر ان سے شادی کر کے ہی دم لیا۔ اس کے بارے میں افواہیں مہشور تھی کہ اس نے اپنے شوہر کو خود مارا تھا۔ اور آج اس کی کروڑوں کی جائی داد پر راج کر رہی تھی۔

”کبھی یہ ڈیل پہلے سے تو سائن نہیں ہوئی بعد میں پتا چلے کہ ہم تو چنے بیچ آئے ہیں۔“

بات کے اتمام پر وہ مصنوعی سا قہقہہ بڑے بلند و بانگ انداز میں لگا گئی۔ وہاں موجود مردوں نے اس کی بات پہ کچھ خاص دھیان نہیں دیا کہ یوعان شیخ کی بیوی کو چیڑھ کر وہ اپنا نقصان نہیں کرانا چاہتے تھے۔

”فرینکلی اسپیکینگ مآرب ایسا کون سا گڑ ہے جو استعمال کر کے تم پروجیکٹ پہ پروجیکٹ اپنے نام کیے جا رہی ہو۔“

وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی ٹیبل پر تھوڑا آگے کو جھکتے کمینگی سے آنکھ دبا کر پوچھا۔

مآرب پرسکون انداز میں کرسی ک ہتھ پرانگی ٹیپ کرتی تھل سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت ہال کا دروازہ کھولا اور یوعان شیخ پرو قارچال چلتا ہوا بڑے ٹھاٹ بھاٹ سے اندر داخل ہوا۔ شاہ نواز ہمیشہ کی طرح اس کی پرچائی بنے ساتھ تھا۔

اسے دیکھتے ہی وہاں موجود سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہنیں یوعان نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے کیلئے کہا۔ اور پھر خود بھی سربراہی کرسی پر بیٹھا جبکہ نواز اس کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

”ہوپ سو آپ لوگ تیاری تو کر کے آئے ہو گے۔ تو وقت ضائع کئے بغیر شروع کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ایک بات ذہین نشین کر لے کہ فیصلہ جو بھی ہو گا وہ آپ کی قابلیت کی بنا پر ہو گا۔ مجھے فضول میں کوئی تماشہ کوئی رومر نہیں چاہیئے۔“

اس کے لہجے میں سختی محسوس کرتے ان سب نے سر ہلایا تھا۔ مآرب آنکھیں سکیڑ کر پروین خانزادہ کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ یہ مسکراہٹ بڑی چڑاتی ہوئی تھی۔

سب نے بھاری بھاری اپنی پریزنٹیشن دی۔ اور آخر میں پروجیکٹ ایک ہی کمپنی کو ملا۔ وہ نئی بنائی گئی کمپنی تھی۔ وہ لڑکے بھی جو ان تھے۔ ان نئے نئے بزنس میں آئے تھے لیکن ان کی قابلیت دیکھ کر مآرب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

”آپ کے ساتھ کام کر کے اچھا لگے گا۔“

ان سے ہاتھ ملاتے یوعان نے سنجیدگی سے کہا۔

سارے لوگ چلے گئے تھے بس مآرب اور اس کے ساتھ آئے ایمپلوئے، پروین خانزادہ، وہی لڑکے جنہوں نے پروجیکٹ اپنے نام کیا تھا یوعان شیخ اور شاہ نواز ہی بچے تھے۔

”مجھے لگایہ پروجیکٹ مآرب اعوان کے نام ہو گا۔ لیکن شاید آپ ہوم ورک ٹھیک سے کر کے نہیں آئی۔“

پروین خانزادہ کی معنی خیز بات پہ جہاں یوعان کی تیوریاں چڑھی تھی وہی مآرب اعوان نے ہاتھ میں پکڑا پین ٹیبل پر آہستہ آہستہ بجانا شروع کیا۔

اور پھر وہ مدھر سی آواز میں گنگنائی تھی۔

I work all night, I work all day to pay the bills I have to

pay

Ain't it sad

اس کے بول سمجھتے سب سے پہلا بندہ شاہ نواز تھا جس نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ دبایا تھا۔

And still there never seems to be a single penny left

for me

That's too bad

In my dreams I have a plan

If I got me a wealthy man

پروین خانزادہ کے چہرے کی رنگت تیزی سے بدلی تھی۔

I wouldn't have to work at all, I'd fool around and have

a ball

یوگان شیخ نے لب بھینچ کر مسکرائی ہونٹوں پر آنے سے روکی۔ وہ اس لڑکی کی خاطر جوابی سے متاثر ہو تھا۔ جو بغیر کچھ اور بولے صرف ایک گانے سے پروین خانزادہ کو آگ لگانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

Money, money, money

وہ گنگنائی ہوئی اٹھی۔ سر ہلکا سا ٹیڑھا کر کے یہ آخری الفاظ ایک استہزائی یہ مسکراہٹ کے ساتھ ادا کئے۔ اور چال میں وقار لے ہال سے نکلتی چلی گئی۔

Must be funny

In the rich man's world

پچھے پروین خانزادہ کا چہرہ غصے کی زیادتی کے بائیٹ رنگ بدلتا رہ گیا۔

”ماما۔“

وہ دس سال سالانہ بے تابی سے اپنی ماں کا چہرہ تھپتھپا کر انہیں بے قراری سے پکار گیا۔  
اس عورت نے آنکھیں کھولی اور نرمی سے مسکرائی۔ مگر وہ بچہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ کہ وہ مسکراہٹ نرمی کے علاوہ کتنی  
اذیت رکھتی تھی۔

”آپ کو کیا ہو رہا ہے ماما۔“

بچے نے معصومیت سے پوچھا۔

”مجھے درد ہو رہا ہے بیٹا۔ مجھے بے وفائی مار رہی ہے۔۔۔۔۔ تمہیں ایک نصیحت کروں۔“

بچے نے اثبات میں سر ہلایا۔ حالانکہ اسے سمجھ کچھ نہیں آرہا تھا۔ بس وہ اپنی ماں کو بولتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔  
”اگر کبھی زندگی میں کسی سے محبت کرو۔ تو اس پر بس ایک احسان کر دینا۔ اس سے بے وفائی مت کرنا۔ کہ اس کا درد  
بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ رگوں میں اتر کر زہر کی طرح گھلتا ہے۔

دل کا درد لہجے میں گھلتا اسے رنجیدگی بخش گیا۔ بچے نے افسردگی سے اپنی ماں کی ملول زدہ حالات دیکھی اور آہستگی سے  
ان کے سینے پر سر رکھ دیا۔

اس عورت نے اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور آنکھیں موند گئی۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

“No No this is not what a need-

میں نے آپ سے کہا تھا اس کی سلیو نیٹ کی نہیں ہونی چاہی تھی۔ دوسری بات اس کی فیٹنگ ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ انجیز  
لو کرنا پڑے گا۔“

وہ اس ڈیبی کے سامنے کھڑی تھی جس پہ ایک خوبصورت ڈریس لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے ڈیزائنر کساکتھ فون پر لگی ڈریس  
کے بازو اٹھاتی ادھر ادھر کرتے معافی نہ کر رہی تھی۔

یوکان نے کافی لا کر میز پر رکھی اور اپنی لے کر خود صوفے پر بیٹھ کر نیوز دیکھنے لگا۔

”میرے پاس وقت کی شدید قلت ہے۔ مجھے کل شام میں یہ ڈریس پہنا ہے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر پاؤں گی۔“  
وہ میز تک آئی اور اپنی کافی اٹھ کر لبوں سے لگاتے ایک گھونٹ لیا۔ پھر اگلے کی بات سن کر سر نفی میں ہلایا۔

”ابھی تو رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ پھر ایسا کرتے ہیں صبح بھجوادیتی ہوں میں۔ شام تک نہ بھی ہوا تو آپ پھر میرے لئے کوئی اور انتظام کر دیجئے گا۔“

آگے سے کچھ کہا گیا جس پر وہ سر ہلاتی الوداعی کلمات کہہ کر کال کاٹ گئی۔  
 ”میں نے کوکیز بیک کئے تھے میں وہ لے کر آتی ہوں آپ کافی ابھی ختم مت کجیئے گا۔“  
 فون صوفے پر یوکان کے ساتھ پھینکتے کپ واپس میز پر رکھا اور کچن کی جانب بھاگ گئی۔  
 یوکان نے اپنے کپ کے اندر جھانکا اس کی کافی آدھے سے کم رہ گئی تھی۔ وہ کندھے اچکا گیا۔  
 معاً مارب کے فون پر کال آئی۔ اس کی غیر ارادی نظر سکرین پر پڑی۔ تو بھنوی یں سیٹھ کر اٹھی ہوگئی۔  
 وہاں لکھا تھا۔

”تھراپسٹ کالنگ۔“

اسی وقت مارب کوکیز کی پلیٹ اٹھائے چلی آئی۔ اس کی نظریں فون سے ہٹ کر مارب پر ٹھہر گئی جواب اپنا فون اٹھا رہی تھی۔

”میں آتی ہوں۔“

اسے دیکھے بغیر کہتے پلیٹ میز پر اس کے سامنے رکھ کر وہ تیزی سے اپنے کمرے میں گھسی تھی۔ یوکان شیخ کی نظروں نے غائب ہونے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔  
 اس کے ماتھے پر ہلکی ہلکی فکر کی لکریں واضح دیکھی جاسکتی تھی۔

”مریم۔“

پارٹی میں آتے ہی اس کی پہلی نگاہ مریم پر پڑی تھی۔ وہ سیدھا اس کی جانب آئی۔  
 یاسر کی کسی بات پر کھکھلاتی مریم اس آواز پر چونک کر مڑی۔  
 ”آہ دی گریٹ مارب اعوان میرے سامنے ہیں۔“



بالوں کو نازکت سے جھٹکتی مریم مصنوعی سا مسکرائی۔

مآرب نے ایک ناگوار نظر اس کے سراپے پر ڈالی جس نے تنگ چست مکیسی پہن رکھی تھی۔ جسم کی خوبصورتی کو واضح کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔

وہ سنجیدگی سے آگے بڑھتی اس کے گلے لگ گئی۔ وہ اس کی بڑی بہن تھی اسے ہر حال میں عزیز تھی۔ لیکن مآرب اعوان مر کر بھی اس پہ یہ ظاہر نہ کرے۔

”فیک سمائی لزدینا بند کرو۔“

وہ اس کے کان میں بڑبڑائی۔ مریم کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔ یہ اسے چڑھانے کیلئے تھا۔

”میری سمائی کی فکر چھوڑو جا کے اپنے شوہر کی خبر لو۔“

اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہتے فاصلے پر کھڑے یوعان شیخ کی طرف اشارہ کیا۔ مآرب چونک کر مڑی۔

اس نے دیکھا وہ دیبا وقار تھی جو یوعان شیخ کی جانب ہی جا رہی تھی۔

یوعان اس کے زیادہ نزدیک تھا۔ اگلے ہی لمحے مآرب نے تیزی سے اس کے قریب جا کر بے ساختہ اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اور سر ہلکا سا اس کے کندھے پر ٹکایا۔ یہ سب غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔

یوعان شیخ جو ساتھ کھڑے بندوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ آنکھوں سے سوال کیا۔

مآرب نے فٹ سے معصوم شکل بنائی۔ وہ ہنوز اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ آپ کیا کر رہی ہے مآرب۔“

اپنی معصومیت کا اثر نہ ہوتے دیکھ مآرب تڑخ کر بولتی بظاہر مسکرائی۔

”کچھ نہیں کر رہی بس آپ یوں ظاہر کرے کہ جیسے آپ گوڈے گوڈے میرے عشق میں ڈوب چکے ہیں۔ کیونکہ

آپ کی محبوبہ ادھر ہی تشریف لا رہی ہے۔“

یوعان بھنویں اٹھاتے جتاتے لہجے میں بولا۔

”دیکھا انہیں کرتا میں مآرب۔“

مآرب نے دانت پیس کر اسے دیکھا۔





دبیاضے سے چیخنی آس پاس کے لوگ بھی متوجہ ہونے لگے۔ ان سب میں اگر کوئی پرسکون تھا تو وہ یوعان شیخ تھا۔ جو تھل سے ان کی منہ ماری کے مزے لے رہا تھا۔

”تمہارا دوست تھا اب میرا شوہر ہے۔۔۔۔۔“

پھر یوعان سے مخاطب ہوئی۔

”آپ زرا ان کی تسلی کروائے کہ مرد اور عورت میں نکاح کے علاوہ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔“

پھر زرا اس کے نزدیک ہوتی آہستہ سے غرائی۔

”یا پھر میں بھی آپ سے انسپائی رہو کر کسی مرد کو دوستی کے نام پر گلے لگا دیتی ہوں۔“

اس کی بات تھی یا انگارے جو یوعان شیخ کو سلاگائے۔ اس کی آنکھوں کی شوخی بھک سے اڑی تھی۔ اب ان کی جگہ بس ایک ہی تاثر تھا سرد مہری کا۔

وہ ایک کیٹیلی نظر مآرب پر ڈالتا سرد لہجے میں دبیوا قار سے مخاطب ہوا۔

”آئی نہ اگر میں کہی دیکھا تو میرے سامنے سے یوں گزرنا جیسے میرا وجود ہی اس دنیا میں نہ اکڑ سٹ نہ کرتا ہو“

دبیوا قار کی رنگت پل بھر میں متغیر ہوئی تھی۔ جبکہ وہ سختی سے مآرب کی کھلائی جکڑتا ہال سے نکلتا چلا گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”یا اللہ آج گھر پہنچا دیں دور کعت نفل پڑھوں گی۔ صدقہ بھی دوں گی بس آج حیریت سے گھر پہنچا دیں۔“

گاڑی تیزی رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

ساتھ بیٹھے اپنے شوہر کے تیور، ماتھے کی پھولی رگیں اور گاڑی کی سپیڈ مآرب اعوان کی حالت پتلی کر رہے تھے۔

”یوعان۔“

بڑے بیٹھے لہجے میں پکارا گیا۔

یوعان شیخ نے ٹھہری قہر بھرساتی نگاہ سے اسے دیکھا۔ وہ تو ک نکل کر رہ گئی۔

سٹیرنگ کو ہتھیلی کی مدد سے تیزی سے گھماتے وہ مآرب کا دل دھڑکا گیا۔ اس کے بازو کی نیلی ابھرتی رگیں دیکھ کر وہ تیزی سے نظریں پھیر گئی۔

گاڑی اپارٹمنٹ کی پارکنگ میں کھڑی کرتے وہ زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتے اس کا انتظار کئے بغیر ہی لفٹ کی طرف بڑھاتا تھا۔ پیچھے وپیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی جب اس کی آواز پہ رکی۔  
 ”اپنا سامان شفٹ کر لو آج کے بعد ہم ایک کمرے میں رہیں گے۔“  
 وہ مڑی تھیر سے اسے دیکھا۔

”اور یہ آپ سے کس نے کہا کہ یہاں صرف آپ کی مرضی چلے گی۔“  
 بھنوی یں اچکاتی سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔  
 یوعان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

”اس بات کا مطلب۔“  
 ”مطلب یہ کہ مسٹر یوعان شیخ جب آپ چاہے گے ہم الگ رہیں گے اور جب آپ چاہیں گے ہم ساتھ رہیں گے۔ مذاق چل رہا ہے کوئی۔“

اس کا انداز سنجیدہ اور لہجہ تیکھا تھا۔ یوعان شیخ کی بھنوی یں ایک جگہ کو اکٹھی ہوئی۔  
 ”میں نے آپ کو کبھی بھی الگ کمرے میں رہنے کیلئے نہیں کہا یہ فیصلہ شروع سے آپ کا اپنا تھا۔“  
 مآرب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی۔

”شروع میں میری مرضی نہیں تھی لیکن بعد میں آپ نے ہی مجھے احساس دلایا تھا کہ یہ رشتہ فقط ایک بزنس ڈیل ہے۔ اب کوئی بندہ میرے ساتھ تعلق بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تو اس اوکے گو آہیڈاب میں اتنی بھی ایگولیس نہیں ہو کہ اگلے کی منتیں کرنے بیٹھ جاؤں۔“

یوعان نے بے اختیار ماتھا مسلا۔ بڑی مشکل سے آنکھوں میں سرد مہری آنے سے روکی۔

”ٹھیک ہے وہ میری غلطی تھی۔ مجھے لگتا ہے ہمیں اس رشتے کو ایک چانس دینا چاہیئے اب جو ہے سو ہے میں رشتے بنا کر تھوڑے والوں میں سے نہیں ہوں مآرب۔ شادی اگر بزنس کیلئے ہوئی بھی ہے تو بھی ہمیں ایک موقع دینا چاہیئے۔“

مآرب نے کچھ پل کیلئے سوچا پھر اثبات میں سر ہلا گئی۔  
اسے خود کا مذاق نہیں بنانا تھا۔ ویسے بھی یوعان شیخ میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ اچھا بندہ تھا آہستہ آہستہ اس کے دل کو بھارتھا۔

وہ آئی نے کے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے نفیس ساپاؤں کو چھو تاٹنگ ڈریس پہنا تھا۔ اس کے نقوش تیکھے تھے وہ خوبصورت تھی مگر۔۔۔۔۔ کیا فائی وہ اس خوبصورتی کا۔

I was nineteen in a white dress

When you told me I'm your princess

So I played right in to your fantasy

BEING THE STRING OF YOUR FATE

گنگنتا تے ہوئے اس نے مسکارا اپنی لمبی خوبصورت پلکوں پر لگایا۔

Was your good girl, so I'd sit tight

And if I don't speak, then we can't fight

Looked in the mirror, now I can't believe

اس نے خود کو دیکھا۔ آنکھیں پر اسراریت سے مسکرائی۔ ان میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ اسی وقت اس کا موبائی لنج اٹھا۔

”دس کروڑ۔“

دوسری طرف سے آواز آئی۔

”گیارہ کر دو۔ ایک میری طرف سے اس کی بے فائی کا انعام۔“  
 سپاٹ لہجے میں کہتے اس نے فون بند کیا۔  
 ”چی چی جی یا سر خانزادہ بس یہی تک تھی تمہاری، محبت کی وفا۔“  
 مصنوعی افسوس سے سر ہلایا گیا۔ پھر شیشے میں دیکھتی وہ مسکرائی تھی۔

I forgot I was a bad bitch, tragic

Breaking all the rules 'cause they were only habits

Cinderella's dead now, casket

رات تک وہ اپنا سامان اس کے کمرے میں شفٹ کر چکی تھی۔  
 وہ صوفے پر بیٹھالیپ ٹاپ لے کر کام کر رہا تھا۔ مارب نے آکر اس کا لیپ ٹاپ گود سے ہٹایا اور دب سے سر اس کی  
 تائی پر گر ادیا۔ اسے دیکھتی تڑخ کر بولی۔  
 ”خود تم اس دیباؤ قار کے ساتھ ریلیشن میں رہے ہو اور میری فقط بات نے ہی تمہارے اندر انگارے بھر دیئے۔“  
 وہ اس کی بے تکلفی پہ جی بھر کر تعجب کا شکار ہوا تھا۔ وہ میڈم تو جیسے انتظار میں تھی ادھر اس نے موقع دیا اور ادھر وہ  
 فائی دہ اٹھانے تیار ہو گئی۔ وہ آنکھیں سکیڑے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔  
 یوعان نے نرمی کا اس کا جبر اہاتھوں میں جکڑا۔  
 ”میں کبھی بھی کسی بھی لڑکی کے ساتھ حرام ریلیشن میں نہیں رہا اور حلال صرف آپ سے بنایا ہے۔ ہمارے بارے  
 میں جو افواہیں تھیں وہ دیبا کی طرف سے تھیں۔ اگر آپ کو اس بات کا غصہ ہے تو مجھ پر نکال لیں۔ لیکن اتنی گھٹی بات  
 میں کبھی برداشت نہیں کروں گا۔“  
 وہ نہایت سنجیدہ تھا۔ جب کہ اس کی پکڑ اتنی ہی نرم تھی۔

”یہ اچانک سے اتنے پوزیسو کیوں بن گئے ہیں۔ چکر کیا ہے۔“  
وہ آنکھوں میں شرارت بھرے بولی۔ یوعان شیخ مبوت ساس کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔ اور پھر بے اختیار ہوتے ان پر جھک گیا۔

مارب نے پہلی بار اس کا لمس محسوس کیا تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھی۔  
”چکر کوئی نہیں ہے۔ آپ میری عزت ہے میں امیجن بھی نہیں کر سکتا کوئی مرد میری عزت کے قریب آئے۔“  
اس کا لہجہ پر سوز تھا۔ وہ مسحور کن انداز میں اسے دیکھے گئی۔  
”آپ کی آنکھیں خوبصورت ہے۔ ان پہ یہ لمبی پلکیں ججتی ہے۔“  
وہ بے ساختگی میں بولا۔ مارب ہنس پڑی۔ وہ اس کی ہنسی پر حیران ہوا۔  
”میری پلکیں گنی لمبی اور خوبصورت ہے کیونکہ میں ہر مہینے لیش لفٹنگ کرواتی ہوں۔ میری بھنویں کالی اور تربیب سے بنی ہے کیونکہ میں نے ان کی سمی پرمانٹ مائی کرو بلڈنگ کروائی ہے۔“

اور ہونٹ۔۔۔

یوعان کی نظریں آنکھوں سے ہوتی ہونٹوں پر گئی۔  
”ان کی بھی لیزر ٹرٹمنٹ کرواتی ہوں۔ یہ ایسے ہی تو گلابی گلابی نہیں ہے۔“  
یوعان شیخ نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی ایماندار لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
”پھر تو آپ ساری کی ساری مصنوعی ہے۔“

اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنساتے وہ زرا افسوس سے بولا۔ تو وہ برامان گئی۔  
”ساری تو نہیں ہوں۔ نین نقش تو پیارے ہے میرے اور الحمد للہ اس بات کا غور ہے کہ کبھی فیلرولر نہیں کروائے اور نہ ہی کوئی پلاسٹک سرجری۔“

”آپ نے مجھے کیوں بتایا مجھے تو لگا تھا یہ پلکیں بنی ہی خوبصورت ہے۔“  
وہ تو کچھ زیادہ ہی دل برداشتہ ہو گیا تھا۔ مارب نے منہ بنایا۔

”کوئی انسان بد صورت نہیں ہوتا اور نہ کوئی مکمل خوبصورت ہوتا ہے۔ سارے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بس کچھ کے چہروں کو پیسہ نکھار دیتا ہے۔ اور کچھ پہ غریبی کی تہہ چڑھ جاتی ہے۔“

وہ اس کی بات سے اتفاق رکھتا تھا کوئی بد صورت نہیں ہوتا بس وہ غریب ہوتا ہے۔

اس نے جھک کر مآرب کی آنکھوں پر لب رکھے۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے یوں خود کو منٹیں کر رکھا ہے لیکن مجھے ان آنکھوں کی بناوٹ اور ان کا رنگ پسند ہے۔ یہ سنہرا رنگ مجھے پہلی ہی نظر میں جکڑ گیا تھا۔“

وہ گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا مآرب نے خلق ترکیا یہ بڑا ہی کوئی نیا سا اور عجیب جذبہ تھا۔ اسے اچھا لگ رہا تھا وہ اس کے قریب تھا۔

Safar-e-Adab

اس کی گاڑی ایک نئی بی بی عمارت کے سامنے آکر رکی۔

مآرب نے خلق ترکیا اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ نظر عمارت پر ٹکی تھی۔ جس کا آدھا حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ ناجانے اندر کی حالت کیسی تھی۔

تبھی سامنے سے بھاگتی ہوئی اس کی اسسٹنٹ آئی۔ وہ اس حد تک بوکھلائی ہوئی تھی کہ چہرے کی ہوائیں صاف اڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔

”می میم میم سارا کچھ برباد ہو چکا ہے۔ ہم ہماری ساری محنت ضائع ہو گئی۔“

مآرب نے اونچی کھڑی عمارت سے نظر ہٹائی اور اسسٹنٹ کو دیکھا۔ اس کی خالی خالی نظریں دیکھ کر اس لڑکی کے حلق میں آنسو کا گولا سا ٹک گیا۔ وہ جانتی تھی اس پر وجہٹ کیلئے مآرب اعوان نے کیسے نہ دن رات ایک کئے تھے۔

مآرب نے قدموں کو کھینچا اور عمارت کے اندر چلی گئی۔ اسسٹنٹ اس کے پیچھے ہوئی۔



اندر کا منظر یوں تھا کہ ہر چیز جل کر راکھ ہو چکی تھی۔  
 شٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی آگ عمارت کے اندرونی حصے کو مکمل کنڈر بنا چکی تھی۔  
 یہ ایک ایک حصہ اس نے خود ڈیزائی ن کیا تھا۔ رتجگے منا کر اس نے ہر چیز خود ترتیب دی تھی۔  
 اور اب اپنی دن رات کی محنت کو آگ سے راکھ بننے دیکھنا سوہان روح ہی تو تھا۔  
 اس کی ٹیم دکھ سے کبھی اپنی بوس کو دیکھتی اور کبھی اس کنڈر ہوئی عمارت کو۔  
 مآرب نے ایک گہری خاموش نظر اطراف میں دوڑائی اور کچھ کہے بغیر عمارت سے نکلی۔ پر گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے  
 کچھ قدم چل کر اسی عمارت سے تھوڑی دوری پر مین سڑک پر آتے فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔  
 چہرہ ہاتھوں میں گرائے اس نے نظر سڑک پر ٹکادی۔ پلکیں زور زور سے جھپکی تاکہ آنسوؤں کو دکھیل سکے لیکن وہ  
 ڈھیٹ بنے بلا آخر بہہ ہی نکلے۔

”تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے۔“  
 وہ دس سال کی خوبصورت سی بچی اپنی پندرہ سالہ بہن کو پیسے گنتے دیکھ خیرانگی سے سوال گو ہوئی۔  
 ”یہ میری پوکٹ منی ہے جو میں نے سیو کر کے رکھی تھی۔“  
 پندرہ سالہ لڑکی سو سو اور ہزار ہزار کے نوٹ گنتے مصروف سے انداز میں بولی۔  
 ”تم اتنے سارے پیسوں کا کیا کروں گی۔“  
 دس سالہ بچی نے تجسس بھرے اشتیاق سے پوچھا۔  
 ”میں یہ چوکیدار چاچا کو دوں گی ان کے بیٹے کی شادی ہے ناں۔ انہیں ضرورت پڑھے گی۔“  
 اس نے پورے پیسے گنے۔ وہ کل بس ہزار روپے تھے۔  
 ایک اطمینان بنی نگاہ ان نوٹوں پر ڈالی اور پھر وہ مسکرائی تھی۔  
 وہ ایسی ہی تھی اپنی پوکٹ منی جمع کرنا اور پھر کسی ضرورت مند کو دے دینا۔



وہ پندرہ سال کی لڑکی ایک احساس مند لڑکی تھی۔  
اور اکیسویں صدی میں احساس والے لوگ بڑی مشکلوں ملتے ہیں۔

وہ ناجانے کتنی دیر وہی سڑک کنارے بیٹھی رہی جب واقعاً ایک گاڑی تیزی سے آتی اس کے پاس رکی۔ اسے دروازہ تیزی سے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ مآرب نے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ آنے والا اس کے پاس آکر رکا۔  
”مآرب۔“

آنسو جو رک چکے تھے یہ آواز سنتے نئے سرے سے بہنا شروع ہوئے۔  
وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی جبکہ وہ اس کی جانب سے خاموشی پا کر جھکا اور اس کے سامنے پنجنوں کے بل بیٹھ گیا۔  
یوعان نے دائیں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر ہلکا سا اوپر اٹھایا۔  
اب مآرب اعوان کی بھیگیں آنکھیں اس کے سامنے تھی۔ یوعان شیخ کو لگا کسی نے خنجر سے اس کے سینے پر وار کیا ہو۔  
”مآرب۔۔۔۔۔“

اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ آنسو صاف کرتے اٹھی۔  
”گھر چلتے ہیں۔“

یوعان نے سر اٹھائے اسے دیکھا۔ وہ خود کو یوں کمپوز کر چکی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔  
یوعان شیخ ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کر تا کھڑا ہوا تھا۔  
وہ آسانی سے تکلیف ظاہر نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ مآرب اعوان تھی وہ جانتا تھا۔

یہ ایک کلب کا منظر تھا۔ جہاں وہ صوفے کی پشت سے سر ٹھکائے بنا پلکیں جھپکائے چھت پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔  
ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔ جو تو اتر سے بھرتا جا رہا تھا۔ آنکھوں سے خاموش آنسو گرتے کنپٹی سے ہوتے بالوں میں  
جذب ہوتے جا رہے تھے۔

کلب کے اس اندھیرے حصے میں پناہ لے وہ یوں بے حال دیکھائی دے رہا تھا۔ جیسے سب کچھ لوٹا کے کوئی ہارا ہوا شخص ہو۔

سینے میں بائیں طرف مسلسل اٹھتا درد آنسوؤں کے ذریعے نکلتا جا رہا تھا۔ لیکن گھٹن میں کمی تھی کہ آہی نہیں رہی تھی۔

ذہن میں زہریلی سوچیں ایک مرتبہ پھر سے جنم لینے لگی۔  
کیا وہ سچ جاننے کے بعد اس سے رشتہ رکھ پائے گی۔  
رشتہ کیا وہ تو اس کی شکل دیکھنے کی راوا دار بھی نہیں ہوگی۔  
لیکن اسے بتائے گا کون۔

میں اسے پتا لگنے ہی نہیں دوں گا۔

لیکن یہ ضمیر۔۔۔۔۔ یہ تو سانس بند کرنے جا رہا ہے۔

اس نے تکلیف سے ہونٹ کاٹتے بمشکل سسکی روکی۔ اور ہاتھ میں پکڑا گلاس ایک ہی گھونٹ میں چھڑا لیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ جب سے آئی تھی ایک ہی پوزیشن میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ ٹانگوں کے گرد بازوؤں لپیٹے لبوں پر قفل لگائے وہ یوعان کو پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہ گرم گرم کافی کا مگ اس کے سامنے رکھ کر ساتھ بیٹھ گیا۔ ایک نظر اس کے فون پر ڈالی جو مسلسل تیس منٹ سے بج رہا تھا۔

یوعان نے فون سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

”آپ فون نہ اٹھا کر ان کا غصہ بڑھا رہی ہے۔“

اس کا اشارہ کریم اعوان کی طرف تھا۔

مارب نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے سر اس کی طرف گھمایا۔  
آنکھیں پھر سے چلکھنے کو بے تاب تھی۔ پروہ خود پر قابو پائے نہایت ہی دھیمے لہجے میں کسی خوفزدہ بچے کی طرح بولی۔  
”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

یوعان نے گہری سانس سینے سے خارج کی۔ یہ آنکھیں کسی ڈری خوفزدہ ہرنی کی مانند لگ رہی تھی۔  
اس نے مارب کے سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر تھوڑا سے خود کے نزدیک کیا۔ اور نرمی سے گویا ہوا۔  
”کیا میرا ساتھ ہونا کافی نہیں ہے۔“

مارب نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو لٹک کر گال پر بہہ آیا۔  
”میں ان کی اُمیدوں پر پورا نہیں اتر پائی۔ وہ۔۔۔۔۔“  
کانپتی تھوڑی نے بات مکمل کرنے نہ دی۔

یوعان شخص کو یہ کمزور ڈری ڈری لڑکی تکلیف دے رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس کا سر سینے سے لگایا۔ اب تھوڑی  
کی جگہ اس کا وجود کانپ رہا تھا۔  
جو کچھ دیر پہلے کمپوز تھی اب پھر سے بکھر رہی تھی۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ پرفکشنسٹ ہے یوعان اور مجھے پرفکٹ بنانا تھا۔ مجھے خود کو ان کی نظروں میں ہمیشہ بسٹ رکھنا تھا۔ مجھ سے  
اتنی بڑی غلطی کیسے ہوگئی میں نے اپنی محنت کیسے برباد ہونے دی۔“  
وہ خاموشی سے اس کا سر تپکھتا رہا۔

آنکھوں میں افسوس کے ساتھ کوئی اور بھی احساس تھا۔ شاید نفرت کا۔۔۔۔۔  
”کیا آپ اپنی ہر کامیابی پر ایسے ہی روتی ہے۔“

مارب ٹھکی۔ سر اس کے سینے سے اٹھایا۔  
یوعان شیخ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔  
”اب تک کتنی بار ناکام ہوئی ہے۔“  
وہ یونہی اسے دیکھتی رہی۔

”میں ہمیشہ کامیاب ٹھہری ہوں۔“

بڑے فخر سے اس نے جواب دیا۔ وہ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”تو سمجھے اس بار قدرت آپ کو ناکامی کا مزہ چھکار ہی ہے۔ انسان ہر بار جب کامیاب ٹھہرے گا تو وہ ناکامی کو تو بھول ہی

جائے گا۔ اور۔۔۔۔۔ ناکامیاں بڑے بڑے سبق دیتی ہے۔“

یہ بات خاک اس کے پلے نہ پڑی تھی بلکہ وہ اسے یوں دیکھتی رہی جیسے کوئی کسی یا گل کو دیکھتا ہے۔

اس کے تاثرات دیکھ کر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

پھر اس کے بال بگھاڑتے نرمی سے بولتے کمرے میں چلا گیا۔

”سو جائی میں کل کا دن تکا دینے والا ہو گا۔“

”بی بی ٹھیک ہے۔“

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ شاہ نواز کی آواز نے چونکا دیا۔

”وہ ٹھیک ہے ایسا وہ پریٹنڈ کرتی ہے۔ پیر میں جانتا ہوں وہ ٹھیک نہیں ہے۔“

اسے ماد آجا جب صبح اٹھ کر وہ گنگناتے ہوئے تیار ہو رہی تھی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

”آپ کو نہیں لگتا یہ کچھ زیادہ ہو گیا ہے۔“

یو جان نے سر سیٹ کی پشت پر گر ادیا۔ اور آنکھیں موند لی۔

”اسے یہ تکلیف سہنی ہے۔ جو میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں وہ اس سے بہت کم ہے جو اس کے ساتھ ہو چکا ہے۔“

شاہ نے سر ہلا یا جبکہ اندر سے وہ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔

تھوڑی دیر میں ان کی گاڑی اعوان کمینز کے آگے رکی تھی۔

آج ڈائریکٹر کی میٹنگ تھی۔ اب فیصلہ مآرب کے حق میں ہونا تھا یا اس کے خلاف یہ تو آگے وقت طے کرتا۔

میٹنگ روم لوگوں سے بھرا ہوا تھا جب وہ داخل ہوا۔ سنجیدگی اور ڈھ کر لوگوں کو سلام کا جواب سر ہلا کر دیتے وہ جا کر مآرب اعوان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جو یکٹ اسے دیکھ رہی تھی۔

”فیصلہ میرے حق میں دیں گے۔“

اس نے سرگوشی کی۔

”آپ کو کیا لگتا ہے۔“

وہ بھنویں اچکا گیا۔

مآرب نے نظریں پھیر لی۔ وہاں مریم یسال یوشع حسن شیخ اور اس کا باپ بھی تھا کریم اعوان جس سے وہ ایک بار بھی نظریں نہیں ملا پائی تھی۔ اور وہ وقتاً فوقتاً ایک سرد نگاہ اس پر ڈال لیتے۔

”چونکہ سب لوگ یہاں موجود ہے اس لئے ہمیں میٹنگ شروع کر دینی چاہیئے۔“

”مآرب اعوان آپ چونکہ ایک بہت ہی خونخوار بزنس وومن ہے لیکن آپ کی پہلی غلطی ہی اتنی بڑی ہے کہ رعایت کے کوئی معنی ہی نہیں بنتے۔“

کوئی ایک افسوس سے بولا۔

کریم اعوان کی برفیلی نظریں پھر سے اس پہ آ کے ٹک گئی۔ پر وہ بولنے والے کو دیکھ رہی تھی۔

”مسز شیخ۔۔۔۔۔ ہماری جانچ کے مطابق سٹاٹ سرکٹ اس وجہ سے ہوا ہے کہ وائی رز انتہائی تھرڈ کلاس استعمال کی

گئی تھی۔ حالانکہ بجٹ آپ کو ڈیمانڈ سے زیادہ مہیا کیا گیا تھا۔ اب آپ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہئے گی۔“

وہ مضبوطی سے اس بندے کو دیکھتی رہی جس کی آنکھوں میں تمسخر تھا۔ لیکن کون جانتا تھا کہ ٹیبل کے نیچے اس کا

دایں ہاتھ کانپ رہا ہے جسے وہ مٹھی بھینچ کر قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ معاً ایک بھاری ہاتھ نے اس کے ہاتھ

کو اپنی آہنی گرفت میں لیا اور انگلیاں اس کی انگلیوں میں پھنسا کر مضبوطی سے تھام لیا۔ یہ لمس جانا پہنچانا تھا۔ اس کی

دھڑکن ایک دم سے معمول پر آگئی تھی۔

”آپ کل کربات کرے طارق صاحب میں آپ کی باتوں میں چھپ معنی ڈوہنڈنے سے قاصر ہوں۔“

وہ طنزیہ مسکرائے۔

”بات صاف ہے جب آپ کے پاس بجٹ آپ کی اوقات سے زیادہ تھا۔ تو غیلا کرنے کی کیا ضرورت۔۔۔۔۔“

یوعان شیخ ایکدم سے ٹیک چھوڑ کر مائی ک منہ کے قریب کر تا ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

”زبان سنبھال کر بات کرے طارق بٹ کہی آپ کی کرسی کو یہ لہجہ بھاری نہ پڑ جائے۔ میری بیوی کی اوقات کیا ہے یہ آپ جیسے کم صرف یہاں بیٹھ کر طے نہیں کریں گے۔“

اس کے لہجے میں ایسی غراہٹ تھی کہ مقابل کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔ مریم نے داد دینے والے انداز میں مآرب کو دیکھا۔ جبکہ یوشع اور یسال نے سر نیچے کئے مسکراہٹ دبائی تھی۔

”مآرب آپ کچھ کہنا چاہئے گی۔“

ماحول کی گرمی دیکھتے حسن شیخ کوچ میں بولنا پڑا۔

مآرب نے گہری سانس خارج کی۔

”میں نے ہر کام اپنی سوپر وژن میں کیا تھا۔ وائی رز خود میں نے چیک کی تھی۔ اب جو وائی رز ہے وہ ان سے بالکل مختلف ہے جو میں نے اپرو کی تھی۔“

”تو آپ کہنا چاہتی ہے کہ کسی نے سازش کی ہے آپ کو گرانے کی۔“

مآرب نے اثبات میں سر ہلایا۔

لوگوں میں ایکدم سے بے چینی پھیل گئی۔ تبھی ایک آواز آئی۔

”آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔“

یہ مریم تھی۔

(اس کا فون وائی بریٹ ہوا۔ وہ جس کا سارا دھیان مآرب کے ہاتھ پر تھا چونک کر فون کو دیکھا ہو سپیٹل کی طرف سے پیغام تھا۔)

اب سب مآرب کو دیکھنے لگے۔ جس نے ضبط سے آنکھیں میچ کر کھولی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔“

اس کے ہونٹ طنزیہ انداز میں پھیلے۔ مآرب نظریں پھیر گئی۔

”ہم آپ کو موقع دیتے ہیں مآرب اعوان آپ کے پاس ایک مہینہ ہے آپ ثبوت اور مجرم دونوں ڈوہنڈ لیجئے۔ تب تک کیلئے بورڈاف ڈرائیکٹر فیصلہ کریں گے کہ آپ کو رکھنا ہے یا پھر سسپنڈ کرنا ہے۔“

اس نے جبرے پھینچ کر سر ہلایا۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں ووٹنگ کے ذریعے فیصلہ سنا دیا گیا۔

”مآرب اعوان آپ کو ایک مہینے کیلئے سسپنڈ کر دیا جاتا ہے۔ اس ایک مہینہ میں آپ ثبوت نہ لاپائی تو آپ سے یہ عہدہ چھین لیا جائے گا۔ تب تک کیلئے آپ کی جگہ یسال اعوان کے حوالے کی جاتی ہے۔“

اس نے بغیر کسی تاثر کے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ جبکہ حالت تو یسال کی بری ہوگئی تھی وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن آگے سے باپ نے گھور کر خاموش کرادیا۔

میٹنگ برخاست ہوگئی ایک ایک کر کے سارے نکلتے گئے۔ کریم اعوان آکر اس کے پاس رکے۔ مآرب کی نظریں زمین سے لگ گئی۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئے۔

مآرب نے سختی سے ہونٹ کاٹتے آنکھیں زور سے میچ کر سر اٹھایا۔ سامنے ہی یوعان شیخ کھڑا تھا۔

”آپ گھر جائیں میں آپ سے شام میں ملتا ہوں۔“

اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر وہ دھیمے لہجے میں بول کر تیزی سے میٹنگ روم سے باہر نکلا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حواس باحتگی میں ہسپتال کے اس کمرے کا دروازہ د کھیل کر وہ اندر داخل ہوا تھا۔ پیچھے پیچھے شاہ نواز بھی تھا۔

”مبارک ہو یوعان صاحب آپ کے عزیز کو ہوش آگیا ہے۔“

ڈاکٹر جو مریض کو چیک کر رہا تھا اس کی طرف متوجہ ہوتے خوشگوار لہجے میں بولا۔

یوعان بے تاب سے اس کے سر ہانے آیا تھا۔

”عسی۔۔۔۔“

اس کی آواز میں کرب تھا۔ عسی بلال کی آنکھ کے کونے سے آنسو قطروں کی صورت میں گرے تھے۔

یوعان شیخ نے جبرے بھینچے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”ٹھیک ہو۔“

عیسیٰ نے آہستگی سے سر ہلایا۔

”مسٹر بلال اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ فلحال چلنے پھرنے سے قاصر ہے تو انائی کی شدید کمی ہے جو کچھ فزیو تھراپیز سے جلد ٹھیک ہو جائے گی انشا اللہ۔“

ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا اور پھر کچھ ہدایات دے کر نرس کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ عیسیٰ نے شاہ نواز کو دیکھا اور مسکرا دیا۔ جس کے چہرے پر اس کیلئے فکر تھی۔

”ک ایسے ہو شاہ۔“

شاہ نواز ہنس دیا۔

”ہمیشہ کی طرح کنوارا ہوں۔“

عیسیٰ کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔ ان دونوں کا تعلق دوستوں سے بڑھ کر تھا۔

شاہ نواز سے نظریں ہٹا کر وہ یوعان کی جانب متوجہ ہوا جس کی پریشان نگاہیں اسی پر تھیں۔

”شادی کر لی تم نے۔“

(شادی کر لی تم نے۔)

بولتے ہوئے اس کے حلق میں ہلکا ہلکا درد ہوتا تھا تبھی بکھرے لفظ ہونٹوں سے ادا ہو رہے تھے۔

”کر لی ہے۔“

”کس سے۔“

یوعان شیخ کی آنکھوں میں پراسراریت سی ٹھہر گئی۔

”تمہیں پسند نہیں آئے گی۔“

عیسیٰ کی بھنویں ساتھ جڑھ گئی۔ اور ہونٹوں سے سوال بے ساختہ پھسلا۔

”کیوں۔“

یوعان ابھی بولنے کیلئے منہ کھولتا کہ دروازہ دھڑام سے کھول کر کوئی داخل ہوا۔





عیسیٰ بلال نے اپنی پوری قوت کا استعمال کر کے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف پھینکا تھا۔ جسے وہ سرعت سے کچ کر گئی۔ اس کی یہ حرکت شاہ نواز کے ساتھ یوکان شیخ کیلئے بھی دنگ کر دینی والی تھی۔ اسے عیسیٰ بلال سے اس حرکت کی توقع ہر گز نہیں تھی۔

”تم تو بہت غصیلے ہو گئے ہو خیر چلتی ہوں جلد ملاقات ہو گی۔“

اب کے وہ آنکھوں سمیت مسکرائی اور ہاتھ میں پکڑا کالج کا گلاس سامنے دیوار پر دے مارا۔ جو چمکنا چور ہو کر زمین پر بکھر گیا۔ اور بڑی شان سے وہاں سے نکلی۔ جبکہ پیچھے ہر فرد اپنی جگہ دنگ رہ گیا تھا۔

(میم میں نے خود ووٹنگ چیک کی تھی جس میں سے ایک ووٹ یسال سرکا بھی تھا۔ اور میرے لئے شک کی بات یہ ہے کہ۔۔۔۔۔)

”مارب ٹھیک سے کھانا کھائیے۔“

اسے مسلسل پلیٹ میں چھج گھماتے یوعان نے بے ساختہ اسے ٹوکا تھا۔

وہ چونک کر سر اٹھائے اسے غائب دماغی سے دیکھنے لگی۔

”کما میں نے اتنا برا کھانا بنا تھا لیکن میری برمانی کی تو شاہ بھائی بڑی تعریف کرتے ہیں۔“

یوشع نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔ اس کے اتنے برے دن کو دیکھتے آج اس نے خاص مآرب کیلئے بریانی بنائی تھی۔ یہاں بھی یہی آگیا تھا اور اب اس کی خاموشی اسے چھب رہی تھی۔

”کھانا کھاو مآرب تمہاری بھوک تو حالات ٹھیک کرنے سے رہی۔“

یساں نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

وہ یوعان سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی اب کے ان نگاہوں میں خالی پن تھا۔ کانوں میں اپنی اسسٹنٹ کی آواز گھونچی۔



”جی میڈم جی۔ مجھ سے ملنے آرہی تھی اس کی چھڑی ٹوٹ گئی ہے تبھی سڑک پار کرنے میں چوک گئی۔“  
اس نے لڑکی کو دیکھا۔ جو زروس سی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ اس کی نظر لڑکی کے چہرے پر ٹھہر گئی اس کا چہرہ ایسا تھا کہ نگاہ ہٹانے سے نہ ہٹے۔

”کیا یہ پیدا ئی شی طور پر ہے یا۔۔۔۔۔“

اس نے جان بھوج کر بات ادھوری چھوڑی دی۔

وہ باپ اذیت سے مسکایا۔

”نامیڈم جی میری بیٹی ٹھیک ٹھاک پیدا ہوئی تھی وہ تو بچپن میں ایک حادثے میں بینائی کھو بیٹھی۔“  
”تو پھر تو علاج ممکن ہو گا بابا۔“

اسے اچانک سے اس لڑکی میں دلچسپی سی ہونے لگی۔

”جی میڈم جی علاج تو آج کل ہر بیماری کا ممکن ہے لیکن میڈم جی۔۔۔۔۔“

وہ ہنچکچایا۔

”ہماری اتنی استاعت کہاں ہے میڈم جی کہ اتنا مہنگا علاج کرا سکے۔“

اس نے پرسوج انداز میں اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی بس ایک نظر جو کچھ پیسوں کی محتاج تھی۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میں آپ کو ایک ڈاکٹر کا نمبر دیتی ہوں آپ اس سے رابطہ کرے بابا۔ آپ کی بیٹی کی بینائی واپس آسکتی ہے شاید اللہ یہ میرے ہی ہاتھوں کروانا چاہتا ہے۔“

ان کو نمبر پتہ نوٹ کرواتے انہیں بے یقینی میں مبتلا چھوڑے وہ چلتی بنی۔۔۔

وہ تقریباً آٹھ سال کی بچی تھی۔ جولا غر وجود لے زمین پر کسی ڈھیر کی طرح پڑی تھی۔

اس کا جسم زخموں سے بھرا وحشیانہ تاثر دے رہا تھا۔ کپڑے جسم پر اوڑھے نہیں پھینکے گئے تھے۔  
 سانس لینے کی کوشش میں وہ پھڑپھڑا کر رہ گئی۔  
 اس کے سر دسوکھے ہونٹوں سے آہ کی صورت ایک لفظ نکلا تھا۔  
 اللہ۔

اور زمین و آسمان جیسے کانپ گئے تھے۔  
 اگلے لمحے ایک جھٹکے سے اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ سڈی روم میں بیٹھا آفس کا کام کر رہا تھا جب کچھ پل  
 کیلئے اس نے آنکھیں موند لی اور یہ منظر اس کی بند آنکھوں کے پیچھے یوں آیا جیسے وہ اس لمحے وہاں موجود ہو۔  
 بہت سوچنے کے بعد بھی یوکان شیخ یہ معمہ حل نہ کر سکا۔

”میم میں آپ کو تصویر بھیجتی ہوں آپ خود ہی دیکھ لے۔“  
 وہ ٹیس پر کھڑی تھی جب اسے اپنی اسٹنٹ کی جانب سے یہ پیغام موصول ہوا۔ اور پھر کچھ ہی دیر میں اس ووٹ کی  
 تصویر اس کے سامنے تھی۔  
 وہ ایک منٹ میں اسے پہچان گئی۔  
 اسے رونا آنے لگا۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ یہاں نہیں ہے۔“

اس کا سر نفی میں ہلنے لگا۔

”یہ یہاں کی طرح ہے لیکن اس کی بینڈ رائی ٹنگ نہیں ہے۔“

لیکن۔۔۔ وہ ایک دم ٹھٹکی۔

یہ بینڈ رائی ٹنگ تو اس نے کہاں دیکھ رکھی ہے مگر کہاں۔

اسے آہٹ محسوس ہوئی وہ مڑی تو دیوار سے ٹیک لگائے یوعان شیخ کھڑا تھا۔  
 اس کی سانس سینے میں ہی اٹک گئی۔ اس نے یوعان کو دیکھا اور پھر اس تصویر کو۔ اور وہ جان گئی کہ یہ لکھنے کا  
 انداز کس کا تھا۔  
 دنیا دھوکہ کھا سکتی تھی لیکن مآرب اعوان نہیں وہ یسال کی لکھائی اور یوعان شیخ کی لکھائی میں فرق بتا سکتی تھی پھر چاہے  
 جتنی بھی صفائی سے دوسرے کو کاپی کیا گیا ہو۔  
 اسے خود پر ہنسی آئی۔ اس نے یوعان کو دیکھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔  
 ”یہ آپ تھے۔“

اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔  
 ”جب اپنے اکیلا کرتے ہیں تو درد ہوتا ہے نا۔“  
 وہ قریب آیا بہت قریب اور اس کے کان میں بڑبڑایا۔  
 مآرب کی آنکھوں کی پتلیاں باہر آنے لگی۔ اس نے چہرہ ہلکا سا گھوما کر تہی نظر سے اسے دیکھا۔ جو دل فریب انداز  
 میں مسکرایا تھا۔  
 ”تو یہ آپ تھے۔ شروع سے آپ ہی تھے۔“  
 اس کے ہونٹ اب کے سرگوشی میں ہلے۔ یوعان شیخ کی مسکراہٹ گہری ہوئی ہونٹوں کے کونے اوپر کواٹھے۔

”Does it feel like a hell?”

مآرب کے وجود میں انگارے سے بھرنے لگے۔ اگلے ہی لمحے اس نے پوری طاقت سے گھٹنا یوعان شیخ کے پیٹ میں مارا  
 تھا۔ وہ ایک دم جھکا تھا۔ پیٹ کا درد ناقابل برداشت تھا لیکن وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے قہقہہ لگاتے ہنسنے لگا۔ مآرب نے سلگتی  
 نگاہوں سے اس کی تمسخر اڑھاتی ہنسی دیکھی تھی۔ دل کی جلن کے ساتھ اب کے آنکھیں انگارہ ہونے لگی تو مآرب  
 اعوان نے لمحہ ضائع کئے بغیر ٹانگ گھمائی۔ پیر بھاری بوٹ سمیت اس کی کنپٹی پر لگا تھا۔ یوعان شیخ نے کوئی  
 مزاحمت نہیں کی بس مسلسل ہنستا رہا۔ جیسے کوئی پاگل ہنستا ہے

اس کی برداشت چٹخنے لگی تو اس بار وہ پلک چھبکتے میں اس کے نزدیک ہوتی دانت اس نے گال پر گھاڑ گئی۔ یوعان کی ہنسی مسکراہٹ میں تبدیلی ہوئی تھی۔ یہ جنگلی اسے کھانے کے درپہ تھی۔

خون کا بہت سارا ذایقہ اس کے منہ میں گھلنے لگا تو وہ دانت ہٹا گئی۔ درد کی شدید لہر یوعان شیخ کے گال سے ہوتے پورے چہرے پر پھیلتی گئی۔

ماتھا اسی زخمی گال سے ٹکائے وہ غراتی ہوئی غصیلے سرگوشی میں بولی۔

”مجھے کمزور ہر گز مت سمجھنا میں تمہاری رگوں میں اتر کر زہر کی مانند پھیلنے لگوں گی۔ اور قسم خدا کی اس زہر کا توڑ میرے سوا کسی کے پاس نہیں ہو گا۔“

”آپ۔۔۔۔۔ بھول گئی میں آپ سے دس سال بڑا ہوں۔“

وہ مسکراتی آواز میں اسی کی طرح سرگوشیانہ بولا۔ تو مآرب نے دوری بناتے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ یا تو وہ پاگل تھا یا اسے بنانے پر تلا تھا۔

”میں تو کتی۔۔۔۔۔“

یوعان شیخ کی مسکراہٹ اگلے ہی لمحے غائب تھی۔ اس کی بات شروع ہونے سے پہلے ہی وہ اسے دبا چکا تھا۔ چہرے پر غضب ناک حد تک سرد مہری لائے وہ اس کا گلا ہاتھ میں جکڑ چکا تھا۔

مآرب کی سانس دم توڑنے لگی یہاں تک اس کی آنکھیں ابل کر باہر آنا شروع ہوئی۔

”میں اپنی عزت میں کمی آنے نہیں دیتا نہ اس کی اجازت خود کو دیتا ہوں اور نہ دوسروں کو۔“

اس کے گالوں پر بہتے آنسو دیکھتے وہ بے ساختہ ہاتھ ہٹا گیا۔

مآرب نے یاسیت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”میرے ساتھ ہی کیوں۔“

یوعان شیخ کچھ لمحوں کیلئے کچھ بول ہی نہ سکا۔ اس سوال کا جواب آسان تھا پر دینا مشکل۔

”التماش آفندی۔۔۔۔۔ نام یاد ہے۔“

یہ نام۔۔۔۔۔ یہ نام وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ لیکن چونکنے کی بات یہ تھی کہ یہ نام اس نے یوعان شیخ۔۔۔۔۔ اپنے شوہر کے منہ سے سنا تھا۔ اور وہ پھتر بن گئی تھی۔

اس کی پھترائی صورت دیکھ کر یوعان کے چہرے پر ایک استہزائی یہ مسکراہٹ چھا گئی۔

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ کچھ قدم بڑھا کر اس کے قریب ہوا۔

تجھی مارب کے پھڑ پھڑاتے ہونٹوں سے سرگوشی کی صورت میں سوال نکلا۔

”کیا رشتہ تھا تمہارا اس سے۔“

تو طے ہوا یہ لڑکی غصے میں کبھی اسے عزت سے نہیں پکارے گی۔

”میرے ماموں تھے وہ مارب۔“

اور مارب کو لگا کسی نے کھولتا ہوا پانی بے دریغ اس پر انڈیلا ہو۔



ماضی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”تم ادھر سے بلنا مت میں آئی سکریم لے کر آتا ہوں۔“

یساں نے اسے پارک کے دروازے پر کھڑا کرتے کہا اور خود مریم کے پیچھے چلا گیا۔

وہ کچھ دیر تو ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ جب ان دونوں کو وقت زیادہ ہو گیا تو انہیں ڈوہڈنے چل پڑی۔ اور چلتے چلتے وہ

پارک سے نکل کر سڑک پر آنکلی۔ کسی اپنے کو ناپا کر اب کے اسے ڈر لگنے لگا اور ڈر آنسو کی صورت آنکھوں سے

بہہ نکلا تھا۔

وہ روتے روتے سڑک کے بیچ آگئی تھی جب سامنے سے تیزی سے آتی گاڑی ایک جھٹکے سے بریک لگا گئی۔

”کیا ہوا۔“



پیچھے کی سیٹ پر بیٹھے ایک پنتیس سالہ شخص نے ڈرائیور سے پوچھا۔

”صاحب وہ بچی گاڑی کے سامنے آگئی ہے۔“

ڈرائیور کی بات سن کر اس شخص نے شیشے سے سر نکال کر دیکھا تو ایک خوبصورت گول مٹول دس سالہ لڑکی خوف زدہ

سی کھڑی تھی۔ وہ ایک دم سے دروازہ کھول کر گاڑی سے نکلا۔

”کون ہو تم اور سڑک کے بیچ میں کیوں کھڑی ہو۔“

وہ جھک کر پوچھنے لگا۔

مآرب ڈر کر پیچھے ہوئی۔

”میرے سبلنگز کھوگئے ہیں مجھ سے میں ان کو ڈوہنڈ رہی ہو۔“

اس نے آستین سے آنکھیں رگڑ کر روندھی آواز میں کہا۔

اس شخص کی نظریں بار بار اس کے سرخ و سپید گالوں پر پھیل رہی تھی۔

”کیا تمہیں اپنے سبلنگز کے پاس جانا ہے۔“

اس نے نرمی سے پوچھا۔

مآرب نے تیزی سے سر اثبات میں ہلایا۔

”میں تمہیں لے چلوں۔“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

پوچھا گیا۔

”آپ کو پتا ہے وہ کہاں ہے۔“

اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

”ہاں میں جانتا ہوں۔“

مقابل کی آنکھوں میں پر اسرایت سی چمک گئی۔

اور پھر مآرب کی اجازت پر وہ اسے گاڑی میں بیٹھا گیا۔

”صاحب کہاں جانا ہے۔“

ڈرائی یور نے بچی کو دیکھ کر پست لہجے میں پوچھا۔  
 ”فارم ہاوس۔“

آج بلا آخر تین دن بعد وہ اس صدمے کو ہضم کر پائی تھی۔ تین دن کمرے میں بند رہنے کے بعد آج وہ کچن میں کھڑی کافی بنا رہی تھی۔

”یہ کھل کیوں نہیں رہا۔“

غصے سے چینے کے ڈبے پر ہاتھ مارا گیا۔ معاً اسے یوعان کے بازو اپنے گرد محسوس ہوئے۔ جو اس سے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ڈبا کھولنے کیلئے آگے بڑھے تھے۔  
 ”غصے میں ساری تمیز بھول جاتی ہیں آپ۔“  
 مآرب چہرہ موڑ کر چینیخنی۔

”میرا دل جل رہا ہے یہاں اور تمہیں تمیز کی پڑی ہے۔ بازو ہٹا اپنے میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔“

اس کی چیخ پر یوعان نے بے ساختہ سر پیچھے کیا تھا۔

”آہستہ بولو میں سن رہا ہوں نہ۔“

گھور کر کہا گیا۔ مآرب غصے سے کانوں تک سرخ پڑ گئی تھی۔ سمجھ نہ آیا کیا کرے کس کا سر پھوڑے اس کا یا اپنا۔  
 جب کچھ کرنے سکی تو رونے لگی چیخ چیخ کر۔ اس کے رونے میں اتنا درد پوشیدہ تھا۔ کہ یوعان شیخ کو لگا وہ کبھی خود سے اب نظریں ملا نہیں پائے گا اس کے سینے میں درد سا اٹھا تھا۔ بے ساختہ اسے حصار میں لے کر اسے سینے میں بھینچ گیا۔

وہ بھی آج سارا درد اسی کے سینے میں اتارنا چاہتی تھی جس سے درد ملا تھا۔

اس کے آنسو یوعان شیخ کے سینے میں جذب ہوتے اسے جڑے بھینچنے پر مجبور کر گئے۔

”رومت مآرب۔“

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر حصار مضبوط کر گیا۔

”اب روں بھی ناں۔ تباہ کر کے مجھے اب رونے پر بھی پابندی لگاؤ گے۔“

سینے سے سر اٹھا کر تیکھے لہجے میں کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے رولو۔“

وہ نرمی سے بولا۔ لیکن پھر اپنے ہی کہے پر پچھتا یا تھا۔

”کیوں روں۔ تمہیں مزہ آرہا ہے مجھے روتے ہوئے دیکھ کر۔ ہاں کیوں نہیں چاہوں گے تم کہ میں روں آخر کو تم یہی تو

چاہتے تھے۔ اب رو رہی ہوں میں خوش ہو جاؤ تم۔“

وہ تڑخ کر بولتی اسے بے بسی میں متبلا کر گئی تھی۔

Safar-e-Adab

”بے بے یہ بکری بچے کب دے گی۔“

آنکھیں چھوٹی کر کے بکری کو بغور دیکھتی وہ ماں سے بولی۔ ایک ہاتھ سے مسلسل وہ اپنی اونچی پونی جھلا رہی تھی۔

بے بے جو کھیت سے ساگ توڑ رہی تھی اس کے انداز پر مسکراتی بولی۔

”بس کچھ وقت تک صبر کر جا۔ دے دیں گی بچہ۔ جس بے صبری سے تو انتظار کر رہی ہے مجھے تو لگتا ہے اس مہینے کو تو

پیار کر کر کے مار دے گی۔“

بے بے کی بات سنتی وہ جو کود کود کر آگے بڑھ رہی تھی رک کر مڑی۔

”میں اسے پیار کروں گی بے بے تو وہ مرے گا کیوں۔“

”جب کوئی چیز چاہے وہ پیار ہی کیوں نا ہو حد سے زیادہ ہو جائے تو جان لیوا بن جاتا ہے رانی۔“

بے بے کی بات میں گہرائی تھی اور گہری باتیں کہاں اس کے پلے پڑتی تھی۔ لہذا کندھے اچکا کر وہ دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔ کچھ قدموں کے فاصلے پر گندم کے کھیت تھے۔

وہ گندم کے کھیت کے پاس پہنچی ابھی واپس یونہی کودتے کودتے مڑتی کہ اسے رکنا پڑا۔ وہاں کچھ زمین پر پڑا تھا۔ وہ جھکی اور ادراک ہوتے ہی اس کی خوف سے چیخ نکلی۔

”بے بے۔“

بیٹی کی گہرائی آواز سن کر بے بے سب کچھ چھوڑے پریشانی سے بھاگی بھاگی آئی۔ ابھی وہ بیٹی سے کچھ پوچھتی کہ نظر نیچے پڑے وجود پر پڑی اور ان کے قدم زمین نے جکڑ لئے۔

وہ دس سالانہ کچی گیلی زمین پر ہوش و خرد سے بے گانی پڑی کپڑے جگہ جگہ سے پٹے جسم زخموں سے چور نیز وہ دیکھنے لائی قہقہے ہی نہیں تھی۔

شاک سے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ وہ تو ان کی بیٹی کی عمر کی تھی۔ جس کی حالت چیخ چیخ کر خود پریتی درندگی بتا رہی تھی۔ انہوں نے بہتی آنکھیں پلو سے صاف کی اور جھک کر بچی کو بازوؤں میں اٹھالیا۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

کچھ فاصلے پر بنے فارم ہاؤس میں موجود ملازم خباثت سے اپنے مالک سے کہہ رہا تھا۔

”لڑکی کو تھوڑی دور گاؤں میں پھینکو آیا ہوں صاحب اب تک تو مر مر آگئی ہوگی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج وہ بہت دنوں بعد گھر سے نکلی تھی۔ آفس تو جا نہیں سکتی تھی۔ اور مجرم تو اس کے سامنے تھا لیکن وہ اتنا شاطر تھا کہ ثبوت تو اس نے چھوڑے ہی نہیں ہوں گے لہذا اس نے ڈوہنڈنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

وہ اس وقت دل برداشتہ ہو چکی تھی لیکن لوگوں پہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔ آخر کو وہ مآرب اعوان تھی۔



”کیا کہا ہے اس نے۔“

”کیا قتل کی وجہ جاننا نہیں چاہو گے۔“

”وجہ کیا ہوگی بتاؤ کیا جسٹیفیکیشن دے گی وہ مجھے۔ قتل کی کوئی جسٹیفیکیشن نہیں ہوتی یو عاں۔“

وہ درشتی سے بولا۔

”تم ایک بار عنوہ سے۔۔۔۔۔“

وہ اس کی بات کا ٹٹا چھا۔

دروازے کے ہنڈل پر رکھا اس کا ہاتھ ایک پل کیلئے کانپ اٹھا تھا۔ پلکیں لرزنے لگی تھیں۔

ہنڈل پر سے اس کی گرفت چھوٹ گئی۔ ہونٹ آہستہ سے پھڑپھڑائے۔

”تم میرا سینہ چیر دیتے عیسیٰ بلال پر۔۔۔۔۔ گالی نہ دیتے۔“

“عنوانه\_\_\_\_\_”

مآرب کی یکاړه سوچوؤ کټ بھنور سټ نکلۛ

غائب دماغی سے اسے دیکھا۔

”میرا دماغ پہلے سے ہی خراب ہے عنوہ اسے اور خراب نہ کرو۔ مجھے بتاؤ تم اس شخص سے ملی کیا ہو اس کی ہے اس نے

”تم سے۔“

”ڈاکٹر سے تمہارے ڈسپانر کی بات کی ہے۔ گھر تمہارا شاہ تیار کروا چکا ہے۔ فلحال یوشع تمہارے ساتھ رہے گا۔“

”کیا میں تمہارے اپارٹمنٹ میں نہیں رہنے والا۔“

وہ تھیر سے بولا۔

یوعان نے سپاٹ انداز میں سر نفی میں ہلایا۔  
 ”یو ارسوین یوعان مجھے لگاتم مجھے اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دو گے۔“  
 لیپ ٹاپ بند کرتے صوفے سے اٹھتے وہ سرد لہجے میں بولا۔  
 ”میں اپنی بیوی کی پر اویسی خراب نہیں کر سکتا اور نہ تم جیسے بد اخلاق کو اپنے ساتھ برداشت کر سکتا ہوں۔“  
 عیسی کا صدمے سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”تم میرے بھائی ہو عان۔“

صد مے میں ڈوبے یاد دلایا گیا۔

”مجھے یاد ہے۔“

وہ چلتا ہوا کھڑکی کے سامنے آرکا۔ قد آدم شیشے سے نیچے کا منظر دکھائے دے رہا تھا۔

”اور تم مجھے بد اخلاق نہیں کہہ سکتے۔“

یو جان نے مڑ کر کٹیلی سرد نظر اس پر ڈالی۔

”عورت کو گالی دینے والا میرے حساب سے سب سے بڑا بد اخلاق انسان ہے۔“

اس کی بات نے عیسیٰ بلال کو سنجیدہ کر دیا۔ چہرے کے تاثرات بگھڑ گئے۔

”تم بار بار اس عورت کا ذکر کیوں کرتے ہو میرے سامنے۔ وہ میرا یہ رویہ ڈیزرو کرت۔۔۔۔۔“

اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی جب اسی وقت دروازہ دھڑام سے کھلا اور وہ آندھی طوفان بنی اندر داخل ہوئی۔

”کیا بکو اس کی ہے تم نے میری دوست سے۔“

غصہ کی زیادتی سے سرخ پڑتی وہ غراتے لہجے میں بیڈ پر بیٹھے عیسیٰ بلال پر چڑھ دوڑنے کیلئے تیار تھی۔  
 کھڑکی کے ساتھ کھڑے یوعان شیخ نے مڑ کر دیکھا۔ وہ مآرب تھی۔ مآرب اعوان۔ اس کی آنکھیں تھیر سے سکیڑ  
 گئی۔ وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔  
 پھر اس نے ایک نرم مگر سنجیدہ نظر اس پر ڈالی اور بولا۔

“Language Marib.”

مآرب نے البتہ اس کی تنبیہ سنی ہی نہیں اس کا پورا دھیان عیسیٰ بلال پر تھا۔ جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
 ”آپ ہے کون محترمہ۔“

اس نے طنزیہ ہنکار ابھرا پھر ہلکا سا جھک کر مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں بولی۔  
 ”تمہارے باپ کی قاتل۔“

کمرے میں اک دم سے خاموشی چھا گئی۔ عیسیٰ بلال کو لگا کمرے کی چھت پوری کی پوری اس پر آگری ہو۔ یوعان  
 نے آنکھیں میچ کر کھولی۔ اور اب وہ سرد نگاہوں سے مآرب اعوان کو دیکھ رہا تھا۔  
 ”تمہارے اس زلیل باپ کو عنوہ نے نہیں۔۔۔۔۔ میں نے مارا تھا۔ اور جانتے ہو کیسے مارا تھا۔“  
 ”مآرب۔“

یوعان نے کرخت لہجے میں تنبیہ کی گویا آگے بڑھنے سے وارن کیا ہو۔۔۔ پر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔  
 ”اس کی گردن پر خنجر پھیر کر۔ اور پھیرتے ہوئے یقین کرو نہ میرا دل کا نپا تھا اور نہ میرے ہاتھ لرزے تھے۔“  
 ”مآرب سبب۔“

اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔ مآرب نے عیسیٰ بلال کی صدمے سے پھٹی آنکھوں سے آنکھیں ہٹا کر بے تاثر نگاہیں یوعان شیخ  
 پر ٹکادی۔ جس کی ماتھے کی رگیں یوں پھول رہی تھی گویا پھٹ ہی جائے گی۔ مآرب نے فلحال کوئی نوٹس نہیں لیا وہ  
 جب بولی تو اس کا لہجہ سپاٹ اور سرد ترین تھا۔  
 ”وہ ایک ریپسٹ تھا اسے مرنا ہی تھا اور وہ مر گیا۔“



یہ ایک اور ستم تھا جو عیسیٰ بلال کے عصا بوں پر بھاری گزرا تھا۔ یہ لڑکی کیا کہہ رہی تھی۔ اس کا باپ ایک ریپسٹ تھا۔ تو کیا عنوہ کاریپ۔۔۔۔۔ اسے لگا اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائے گی۔

یوعان نے سختی سے جبرے بھینچے۔

”تمہیں ایک بار کی، کی گئی کو اس سمجھ میں نہیں آتی۔“

یہ آواز۔۔۔۔۔ وہ سارے دروازے کی طرف مڑے۔ وہ عنوہ حمید تھی۔

(ان دونوں دوستوں کو بولنے کی تمیز نہیں ہے۔ بلکہ نہیں مآرب تو کافی سیوالائی زڈ ہے شاید اس لڑکی کی صحبت حاوی ہو جاتی ہے کبھی کبھی۔)

یوعان نے گھور کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔

”یہ بات ہم دونوں کے بچ میں رہنی تھی مآرب اعوان کیا یہ طے نہیں ہوا تھا۔ کیا فائی دہ اب گڑے مردے اکھاڑنے کا۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ اس گھٹیا شخص کی مجبری میں نے کی تھی۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ اس خنزیر کے بچے کے گھر کے کیمرے میں نے ہیک کئے تھے۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ تمہیں رات کے اندھیرے میں، میں اس کے کمرے تک لے کے گئی تھی۔ اور کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کے گلے پر خنجر میں نے نہیں تم نے پھیرا تھا۔“

وہ قدم قدم قریب آتے عام سے لہجے میں بول رہی تھی جیسے موسم کا حال سنارہی ہو۔ اور وہ دونوں مردان کو لگا کوئی ان کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ اس کے ہر لفظ کے ساتھ یوعان شیخ کی مٹھیاں بھینچتی جا رہی تھی۔ جبکہ زیادہ گراں تو عیسیٰ بلال پر یہ حتائی ق گزر رہے تھے۔ اوپر سے اس کے القابات اس کے باپ کیلئے اسے لگا کوئی پگلا ہوا سیسہ ہے جو اس کے کانوں میں انڈیلا جا رہا ہے۔

وہ آکے اس کے قریب کھڑی ہوئی۔

مجھے رتی برابر بھی افسوس نہیں ہے اس شخص کو مار کر۔۔۔۔۔ وہ خنجر اگر مآرب نہ پھیرتی تو یقیناً میں ہی اس کی قاتل ہوتی۔۔۔۔۔ میں تمہی سے شادی کروں گی عیسیٰ بلال اور تمہیں اسی حقیقت کے ساتھ مجھے اپنے نکاح میں لینا ہو گا کہ تمہارے باپ کے قتل میں، میں برابر کی شریک تھی۔“

اس نے ایک نظر ان دونوں کے تنے بے یقین چہروں پر ڈالی اور انھیں زلزلوں کی زد میں چھوڑے مآرب کا ہاتھ پکڑ کر چلتی بنی۔

شام کے سات بچے وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا۔ سامنے ہی وہ لوز ٹروائی زر اور جرسی پہنے ٹانگوں کے گرد ہاتھ لپیٹے کسی غیر مری نقطے کو گھور رہی تھی۔  
وہ کچھ دیر میں فریش ہو کے دوبارہ باہر آیا تو بھی وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ یوعان نے پہلے دونوں کیل مئے چائے بنائی۔ اور آکر اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔  
”چائے۔“

مگ اس کی طرف بڑھائے نظریں اس کے سوگوار چہرے کا احاطہ کرنے لگی۔  
”چائے نہیں پیتی میں۔“  
وہ سنجیدگی سے بولی۔  
”آج پی لے اچھی لگی گی آپ کو۔“  
”جب مجھے پینی ہی نہیں ہے تو کیوں پیوں۔“

وہ پاؤں نیچے کر کے ایک دم بھڑک کر بولی۔ کہ ایک منٹ کیل مئے یوعان بھی استعجاب کا شکار ہوا۔ لیکن اگلا لمحہ حواس اٹھانے والا تھا۔ جب وہ بولتے بولتے اچانک سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
”میں نہیں پیوں گی مجھے پسند ہی نہیں ہے۔“  
”اب اس میں میرا کیا قصور کہ مجھے چائے نہیں پسند۔“  
چہرہ ہاتھوں میں گرائے وہ یوں دل کھول کر رو رہی تھی جسے کسی اپنے کی موت پر رویا جاتا ہے۔  
جبکہ یوعان ساکت و جامد سا اس کا روناسن رہا تھا۔ اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے روح نکال لی ہو۔

کچھ دیر تک جب اس کا رونا سسکیوں میں بدلاتا تب اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کا سر سینے سے لگا کر وہ خاموشی سے اس کی سسکیاں سنتا رہا۔

مآرب اسے عیسیٰ بلال کے ساتھ دیکھ کر اس حد تک دل برداشتہ ہوئی تھی کہ آنکھوں پر سے اختیار ہی نہیں رہا تھا آج۔ اور وہ ایک بار پھر سے اپنے دشمن کے سینے سے لگ کر غم غلط کرنے لگی۔

”اسے شاید اس وقت مجھ سے نفرت محسوس ہو رہی ہو گی۔ پر اگر یہ میرا دل چیر کر دیکھ لے تو اپنی نفرت پر اتنا کچھتا ہے کہ خود کو نوچنے لگ جائے۔“

اس کے سر پر تھوڑی رکھ کر وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

وہ شیشے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا۔ اس کی عادت تھی سونے سے پہلے فریش ہونے کی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بیڈ کی طرف بڑھنے لگا جب ٹھٹک کر رکا۔ کوئی بالکنی کالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چونکنا سا قدم قدم بالکنی کی اور بڑھا۔

جیسے ہی اس نے پردہ سر کا یا اسی وقت کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ اور اب وہ اس کے سامنے تھی۔۔۔۔۔

عنوہ حمید۔

”ہائے۔“

وہ مسکرا کر ہاتھ لہر کر اندر آنے لگی لیکن اسی لمحے عیسیٰ بلال نے بے دردی سے اس کی گردن پر گرفت کرتے جھٹکے سے دیوار سے لگایا۔

”تمہیں ایک بار کی بات سمجھ میں نہیں آتی مجھے اپنی شکل نہ دیکھایا کرو۔“

وہ دانت پیس کر بے عتنائی سے بولا۔ عنوہ اب کے مسکرا بھی نہ سکی۔ اس نے غور سے اس شخص کو دیکھا۔ جس کی گرفت اس کی گردن پر ابھی تک تھی لیکن سخت نہ تھی۔ لہجہ وہی غصے کی تپش لے ہوئے تھا لیکن وہ تننتا آج غائب

تھا۔ عنوہ نے اب کے اس کی آنکھوں میں جانکا۔ اور وہ دنگ رہ گئی۔ وہ آنکھیں جن میں کچھ دن پہلے گمنڈ تھا غصہ تھا آج بالکل خالی تھی۔ اور شاید نمی بھی کہی پوشیدہ تھی۔

”میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تم سے دل لگانا تھا۔ اور آج میں اپنی اس غلطی پر پچھتا رہا ہوں۔ مجھے اتنا مجبور نہ کرو عنوہ حمید کہ میں اس غلطی کو سزا سمجھ کے اپنا گلہ گھونٹ ڈالوں۔“

”تو گھونٹ ڈالو میں تمہیں رک تھوڑی رہی ہوں۔ لیکن مرنے سے پہلے مجھ سے نکاح کر لینا۔ ورنہ بغیر نکاح کے تو میں تمہیں جینے نہ دو تم مرنے کی بات کرتے ہو۔“

اس کی مسکراہٹ بڑی زچ کر دینے والی تھی۔

”میں تمہارے ساتھ رہنے سے بہتر مرنا پسند کروں گا۔“

اس کے پیچھے دیوار پر زور سے ہاتھ مارتے وہ اس کے منہ پر دھاڑا تھا۔ عنوہ نے منہ بنا کر ایک پل کیلئے آنکھیں میچ لی۔

”میں ساتھ رہنے کو کہہ بھی نہیں رہی میں تو صرف نکاح کا بول رہی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے بلال صاحب میں تمہارے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوب چکی ہوں۔ تمہاری جدائی مجھے تڑپا رہی ہے۔ تو ایسا بالکل نہیں ہے میں بس وہ وعدہ پورا کر رہی ہوں جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ تمہی نے مجھے نکاح کیلئے پروپوز کیا تھا ناں تو اب کرنا تو پڑے گا۔ یوں سمجھ لو تم میری ضد بن گئے ہو اب۔“

وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ جبکہ عیسیٰ بلال کو تو اس کے لفظوں نے ہلنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

وہ یوں ہی ساکت ساکتی دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

ضد۔۔۔۔۔ یہ چیز تو ان کے بچ کبھی نہیں تھی۔

”میرے باپ کو تو مار چکی ہو۔ مجھے بھی ایک ہی بار ختم کر دو۔۔۔۔۔“

بے بسی سے بڑبڑاتے وہ اس کے پاس سے ہٹ کر بیڈ پر بے دم سا گر گیا۔

عنوہ نے اس کی ساکت نظروں کو بہت دیر تک دیکھنے کے بعد واپسی کی راہ لی تھی۔

قدم قدم اس کے گھر سے دور ہوتے اس کے آنسوؤں میں روانی آتی جا رہی تھی۔  
اسے آج بھی افسوس نہیں تھا اپنی دوست کے ساتھ ایک قتل میں شریک ہونے پر کیونکہ وہ اس کا حق تھا۔ لیکن اسی  
شخص کے بیٹے سے محبت اور پھر اسی کو ٹوٹا دیکھنا اس کیلئے سوہان روح تھا۔

یہ وہ منظر تھا جب ایک دس سالانہ بچی کو محسوس ہوا تھا کہ اس کا جسم ختم ہو رہا ہے۔ جو اس کے ساتھ ہو چکا تھا وہ اس کی  
سمجھ سے اب بلا تر تھا۔ بلا ایک دس سالانہ بچی کو کیا خبر کہ ریپ کیا ہوتا ہے؟

”مجھے درد ہو رہا ہے۔“

”مجھے درد ہو رہا ہے۔“

”اللہ جی درد ہے بہت۔“

”بہت درد ہے۔“

وہ جب سے ہوش میں آئی تھی تب سے ہڈیانی ہو کر اسی طرح چیختی جا رہی تھی۔ بے بے کے آنسو تھے کہ اس بچی کے  
دل چیرتے الفاظوں پر رک ہی نہیں رہے تھے۔ اور ایک وہ تھی۔۔۔ عنوہ حمید جو کمرے کے ایک کونے میں کھڑی  
سہمی آنکھوں سے اپنی ہی ہم عمر لڑکی کی دلخراش چیخیں سن رہی تھی۔ بے بے کبھی اسے سینے سے لگاتی کبھی اس کا چہرہ  
چھو منے لگتی۔ لیکن اس کی ایک ہی صدا تھی کہ اسے درد ہو رہا ہے۔

عنوہ حمید نے کبھی کسی کو اس قدر تکلیف میں نہیں دیکھا تھا لیکن آج اس لڑکی کی حالت اس کی خوفزدہ آنکھوں میں بھی  
آنسو لا رہی تھی۔

مظربد لا اب وہ اسی گھر کے صحن میں چرپائی پر لیٹی تھی۔ ہمیشہ کی طرح گھم صم سی۔  
ساتھ ہی بے بے عنوہ کو قرآن پڑھا رہی تھی۔

وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ

اللہ شفا دیتا ہے مومنین کے سینوں کو

وَإِذَا مَرَضْتُ فَبُهِتَ النَّفْسُ

اور سینوں کو جو تکلیف میں ہے۔

یہ آیت اس کے کانوں میں پڑی۔ اس کے دماغ تک پہنچی اور آہستہ آہستہ جب ادراک ہونے لگا سمجھ آنے لگی۔ دماغ نے اس آیت کو جیسے ہی پرسوس کرنا شروع کیا۔ وہ دنگ رہ گئی۔

وہ گیارہ سال لڑکی یقین کرے اس کا دل کندن کی طرح مضبوط ہو گیا۔ اللہ نے مضبوط کرنا تھا اور وہ ہو گیا۔ یوں جیسے کسی نے ناسور ہوئے زخم پہ بہت ہی اچانک سے مرہم رکھ دیا ہو۔ مرہم بھی ایسا زور آور کہ ایک دم ہی دل و دماغ میں سکون چھا گیا۔

اسے یاد آیا اللہ بھی تو ہے۔ بلکہ اللہ ہی تو ہے۔

صبح کے وقت وہ سو کر اٹھی تو سیدھا لون میں چلی آئی۔ مالی پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا۔ اس نے چپل اتار کر ننگے پیر گاس پر رکھے۔ گیلی گاس پاؤں کے تلووں سے لگتے ہی ایک سکون سا اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا۔ وہ اسی ننگے پیر چلتی کیڑوں کے پاس چلی آئی۔

ایک سرخ کلمے گلاب پر انگلیاں پھیرتے وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

ذہین میں یاسر یزدانی کا جملہ گھونجا۔

”میں اس کے بارے میں سنجیدہ ہوں۔“

اب کے اسے اپنی کہی بات یاد آئی۔

”تم اس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔“

گلاب پر انگوٹھا پھیرتے اسے یاسر کی آواز سنائی دی۔

”مجھے اس سے محبت ہے۔“

”وہ تو تمہیں ہر دوسری تیسری لڑکی سے ہو جاتی ہے۔“

”میں نے کہاناں مریم میں سنجیدہ ہوں۔ مجھے وہ لڑکی بہت کم عرصے میں عزیز ہو گئی ہے۔ مجھے اس کی حیا نے متاثر کیا ہے۔“

گلاب سے ہوتی ہوئی اس کی انگلیاں کانٹوں کا رخ کرنے لگی۔

”اس کی آنکھوں سے چھلکتی حیا اتنی پرکشش ہے کہ میں خود کو اس سے محبت کرنے سے روک نہیں پایا مریم۔ وہ ایک حیا دار عورت ہے۔“

اس کی شہادت کی انگلی میں کانٹا چھباتا تھا۔

”وہ ایک حیا دار عورت ہے۔“

اس نے انگلی آنکھوں کے سامنے کی۔ سرخ خون کی لکیر انگلی کی پور سے ہوتی ہوئی ہتھیلی کا سفر طے کر گئی۔ اس نے غور کیا اسے درد محسوس ہو رہا تھا۔ مگر یہ درد اس زخم کی وجہ سے نہیں تھا۔ یہ درد اس جملہ کہ وجہ سے اٹھ رہا تھا جو اس کے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

”وہ ایک حیا دار عورت ہے۔“

معاً اسے ٹراؤزر کی جیب میں پڑے موبائل کی وائی بریشن نے چونکا یا تھا۔

اس نے موبائل نکال کر دیکھا ایک نامعلوم نمبر سے پیغام تھا۔

”پیسوں سے بات نہیں بنی۔“

اس نے بار بار یہ پیغام پڑھا تھا۔ اور ہر بار پڑھنے سے اس کی آنکھوں کا تاثر سرد ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے لکھا۔

”اسے مارنا نہیں ہے بس اس کی آنکھوں کی روشنی چھینی ہے۔“



ایک تکا دینے والے دن کے بعد اسے بستر نصیب ہوا تھا۔ وہ فریش ہو کے آیا۔ ایک نظر مآرب کے رضائی میں چھپے وجود پر ڈالی اور اپنی جگہ لیٹ گیا۔

وہ موبائل میں کچھ ضروری میلز دیکھ رہا تھا جب رضائی میں سے آتی سسکیوں نے توجہ کھینچ لی۔  
”مآرب۔۔۔“

اس نے آواز دی مگر جواب نہ ارد۔

”مآرب۔“

اس بار گلوگیر سی آواز آئی۔

”میری بے بسی دیکھو کہ میں تم سے دھوکہ کھانے کے بعد بھی تمہارے پہلوں میں لیٹی ہوں۔ یہ گھر چھوڑ کے اس لئے نہیں جا رہی کہ کہی دنیا یہ نہ کہہ لے کہ مآرب سے نہ برنس سنبھالا گیا اور نہ ہی گھر۔“

پھر اس نے منہ سے رضائی ہٹائی اور سرخ آنکھیں یوعان کی آنکھوں میں گھاڑتے بولی۔

”آپ یہ نہ سمجھئیے گا کہ اس محبت کے مارے یہاں موجود ہوں جو کبھی آپ سے تھی ہی نہیں۔ میں یہاں صرف اس لئے ہوں کیونکہ مجھے کسی کو خود پہ ہنسنے نہیں دینا۔ اور نہ ہی اپنے باپ کی نگاہوں میں دوبارہ وہ افسوس دیکھنا ہے جو مجھے پل پل قطرہ قطرہ کر کے ختم کر رہا ہے۔“

بات کے آخر میں اس نے سر دوبارہ تکیے پر گرالیا۔ اور آنکھیں موند لی۔ آنسو ہنوز گالوں پر بہتے رہے۔

یوعان نے کروٹ اس کی طرف لی ہتھیلی سر کے نیچے رکھ کر کہنی کے سہارے لیٹا۔ اور سنجیدگی سے بولا۔

اس کے دل میں ہلکا ہلکا درد اٹھ رہا تھا۔

”محبت کی تو بات ہی ہمارے درمیان نہیں ہے مآرب۔ مجھے کیوں امید دلار ہی ہے اسے بیچ میں لا کر۔“

مآرب نے آنکھیں کھولی اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جبکہ اس کی نظریں تو گالوں پر بہتے موتیوں پر ٹکی تھیں۔

”میں نے سنا تھا یوعان شیخ کھڑوس سرد اور بے رحم شخص ہے۔ لیکن میں دنیا کو بتانا چاہتی ہوں کہ وہ بے شرم انسان بھی ہے۔“



وہ اس کی بات پر ہنس دیا تھا۔ اس کی ہنسی پیاری تھی پر وہ نظریں پھیر گئی۔

”میں آپ سے کچھ پوچھوں تو بتائیں گی۔“

”نہیں۔“

اس نے منہ پہ انکار کرتے بے عنائی سے کروٹ بدلی۔

یوعان نے ہونٹ دانتوں تلے دبائے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اس کی آواز مآرب کے کانوں میں پڑی۔

”ماموں کو کیوں مارا تھا۔“

وہ مڑے بغیر بولی۔

”تمہیں اپنی ماں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے لہذا اتنی لگاؤ سے اس شخص کا ذکر کر کے میرا خون نہ کھولا۔“

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کیا وہ استعجاب سے دیکھتی رہ گئی۔ جب تک کچھ کرتی وہ اسے

بازوں میں بھر چکا تھا۔

اب اس کے چہرے پر انتہا کی سنجیدگی تھی۔

”التماش آفندی کو کیوں مارا تھا۔“

مآرب کو اس کے سوال پر ہنسی آئی۔

”یہ سوال پوچھنا یاد آیا ہے۔ یہ سوال تب پوچھتے جب مجھے تباہ کرنے کا خیال دل میں آیا تھا۔ اب کیا گڑے

مردے اکھاڑ رہے ہو۔“

”مآرب مجھے تنگ مت کرے میں پہلے ہی بہت دنوں سے گھٹن کا شکار ہوں۔ کچھ ہے جو مجھے bother کر رہا

ہے۔۔۔۔۔“

مآرب نے طنزیہ ہنکارا بھرتے درشتی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”میں۔۔۔۔۔ میں تنگ کر رہی ہوں آپ کو۔ آپ جانتے ہیں گھٹن ہوتی کیا ہے۔ مجھ سے پوچھے یوعان شیخ گھٹن کیا

ہوتی ہے کیسے ہوتی ہے۔ ایک لڑکی جس نے اپنی زندگی کے قمیٹی سال لگا کر اپنا کریر بنایا اپنا ایک نام ایک مقام بنایا۔

جسے قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی سزا ملی۔ جس کا کریر چھٹکیوں میں مسل دیا گیا۔ اور اس پر ستم کہ وہ کسی سے کہہ بھی

نہیں سکتی۔ جسے چیخ چیخ کر رونا ہے لیکن رو نہیں سکتی جسے سوگ منانا ہے لیکن منا نہیں سکتی کیونکہ اسے بھی باقی لوگوں کی طرح یہ بیماری لاحق ہے کہ دنیا کیا کہے گی آپ اس کے سامنے گھٹن کارونا رو رہے ہیں۔“

بولتے بولتے اس کا گلاروندھ گیا۔ اور آخر میں اسی کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

یوعان شیخ کو لگا دل کا درد برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔ اس نے مآرب اعوان کو ہمیشہ مضبوط دیکھا تھا دنیا اس کی مضبوطی کو رشک سے دیکھتی تھی۔ اب وہ یوں بات بات پر روئے گی تو یوعان شیخ کو تکلیف تو ہو گی ہی۔

”میں خود کو دھوکا دینے والے شخص سے محبت نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن دل یہ ماننے پر آمادہ نہیں ہے کہ جو اتنا قریب ہے وہ اتنا برا کر سکتا ہے۔ اور یہی چیز مجھے فرسٹیٹ کر رہی ہے۔ مجھے رونا ہے یوعان مجھے خاموش نہیں ہونا مجھے روتے ہی رہنا ہے۔“

اس کے سینے پر سر مارتے وہ ہزینانی سی ہو رہی تھی۔ یوعان نے اس پر حصار مضبوط کرتے اسے سینے میں بھینچ لیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی چھانے لگی جڑے سختی سے آپس میں پیوست ہو گئے تھے۔

اور پھر رات دیر تک وہ اس کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔ اور اس کی ہر سسکی کے ساتھ یوعان شیخ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی رہی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج اتوار تھا وہ دونوں گھر پہ تھے۔ یوعان ناشتہ بنا رہا تھا اس نے شاہ نواز کو بھی بلا لیا تھا۔ اور مآرب صفائی میں مصروف تھی۔ صفائی کرتے ایک خونخوار نظر پوشع شیخ پہ بھی ڈال لیتی جو صوفے پی بیٹھا گھٹار کے دھن چھیڑ رہا تھا۔

معاوہ رکابہنی گٹار پہ ٹکا کر مٹھی تھوڑی کے نیچے رکھی اور مآرب سے مخاطب ہوا۔

”کیا آپ کو کبھی پیار ہوا ہے۔ کیا پیار میں ہر کوئی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ ہوش و حواس سے بیگانہ۔“

وہ جو کشنزر کے کور بدل رہی تھی اس سوال پہ ارد گرد دیکھا اور پھر اسے۔

”مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“

یوشع نے سر ہلایا۔

”نہیں ہوا ان خرافات میں، میں نہیں پڑتی۔“

پیاز کاٹتے یوعان شیخ کے ہاتھ ایک لمحے کیلئے رکے اس نے کچن سے مآرب کو دیکھا۔ اور پھر مسکراتے نفی میں سر ہلا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”خرافات تو نہ کہے۔ کتنا سکون بخش جذبہ ہے یہ۔“

وہ برامان گیا۔ مآرب کے ہاتھ کو رچھڑاتے تھے۔ اس نے مشکوک نظروں سے اپنے دیور کو دیکھا۔ جو آج کچھ بہکا بہکا لگ رہا تھا۔

”تمہیں بیٹھے بیٹھے پیار پہ ریسرچ کرنے کا خیال کیوں آیا۔“

یوشع نے مسکراتے سر جھکایا۔ مآرب کا منہ کھل گیا۔ وہ شرمایا تھا۔ اس کے گال گلابی پڑھ گئے تھے۔

”یوشع تمہاری حرکتیں ٹھیک نہیں ہے لڑکے تم۔۔۔۔۔“

وہ ابھی بات کر رہی تھی جب بل بجی۔ دروازہ شاہ نواز نے کھولا۔ سامنے مریم تھی۔

وہ بغیر کچھ بولے سائیڈ پہ ہوا تو وہ اندر آگئی۔

مآرب کشن ہاتھ میں پکڑے حیرت سے اپنی بہن کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا میں تمہارے گھر آسکتی ہوں۔“

اونچی ہیل لونگ کرتے پہ جینز پہنے ہاتھ میں مہنگے برینڈ کا بیگ وہ ہمیشہ کی طرح ٹپ ٹپ تھی۔ چونکا دینے والی چیز اس کی آنکھیں تھی۔ جن میں وہ چمک آج مفقود تھی جو اسے خاص بناتی تھی۔ مآرب کو تشویش ہوئی لیکن اس کے برعکس وہ بولی۔

”تم آچکی ہوں مریم۔“

مریم دل جلانے والے انداز میں مسکراتے صوفے پر بیٹھ گئی یوشع جو اس کے سامنے تھا جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔

اسے اس عورت سے کچھ خاص اچھی وائی بزنس نہیں آتی تھی۔ اس کی آنکھیں گہری تھی گہری خطرناک جب وہ ان آنکھوں سے کسی کو تکتی تھی تو اگلے کو ڈر لگتا تھا۔



شاہ نواز کے علاوہ ان تینوں نے نا سمجھی سے مریم کو دیکھا تھا۔  
 وہ بیٹھے بیٹھے مآرب کے قریب جھکی۔ اپنی گہری آنکھیں اس کی سنہری آنکھوں میں گھاڑ لی۔  
 ”مجھے بے حیا بنانے والا آج میرے سامنے حیا کے گن گارہا ہے۔ یہ بات مجھ سے کچھ خاص برداشت نہیں ہوئی۔“  
 مآرب کی پلکیں لرزی۔ یوعان اور یوشع اپنی جگہ جامد ہو چکے تھے جبکہ شاہ نواز کی چھری پر گرفت مضبوط ہوتی گئی۔  
 ”تمہیں یاد ہے مآرب میں بچپن میں اپنی پوکٹ منی جمع کر کے لوگوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ جانوروں کیلئے اپنے  
 باغیچے میں گھر بنایا کرتی تھی۔ میرا دل نرم ہوا کرتا تھا۔ اور آج میں نے ایک لڑکی کا ایکسڈنٹ کروادیا۔ جو پیسہ میں  
 لوگوں کیلئے استعمال کرتی تھی آج میں وہ لوگوں کے خلاف استعمال کرنے لگی ہوں۔ اب میرا دل سخت ہو گیا  
 ہے۔ اس شخص نے میرا دل سخت کر دیا ہے۔ اب مجھے کسی سے ہمدردی محسوس نہیں ہوتی اب مجھے صرف اپنا آپ اہم  
 لگتا ہے۔ میں اتنی سلف ابسڈ ہو چکی ہوں۔ کہ مجھے خود سے ڈر لگنے لگا ہے۔“

وہ چاروں خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ اور وہ بے تاثر لہجے میں بولے جا رہی تھی۔  
 ”میں عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں بزنس کیلئے اپنا جسم مزید کسی ڈیکوریشن پیس کی طرح پیش نہیں کرنا  
 چاہتی۔“

”وہ تو تم سے محبت کرتا تھا نا۔۔۔“

اس نے ڈرتے ڈرتے یہ سوال کیا۔ مریم تمسخرانہ ہنسی۔

”یاسر آفندی نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی۔ اس رشتے میں صرف بزنس تھا۔ اور مجھے اس سے محبت چاہیئے بھی  
 نہیں تھی۔ وہ میرے ساتھ وفا کا رشتہ رکھ لیتا میں اسی پہ زندگی واردیتی۔ لیکن اب بات پیار و وفا سے آگے بڑھ چکی ہے  
 مآرب اب میں اس رشتے کو بچانے کیلئے ہر اس انسان کو نقصان پہنچانے لگی ہوں جو ہمارے بیچ آتا ہے۔ لہذا اس  
 سے پہلے کہ مجھ میں اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے میں اس رشتے کو خود ہی ختم کر دینا چاہتی ہوں۔“

مآرب نے گہری سانس بھری اور اسے سانس لینے میں مشکل ہوئی۔

”تم نے اسے پیپر ز کھجوائے۔“

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ مآرب کھڑی ہوئی اور شاہ نواز کو پکارا۔

”شاہ تم میرا ایک کام کرو گے۔“

اس نے کب سے جھکا سر اٹھایا۔

”جی بی بی۔“

”مریم کو یا سر کے آفس لے چلو گے۔“

شاہ نواز نے تابیداری سے سر ہلایا۔ وہ مآرب کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔

پھر وہ مریم کی جانب مڑی۔

”تم تب تک وہاں سے نہیں بلو گی جب تک وہ طلاق کے کاغذات پہ سائی ان نہ کر دے۔“

مریم کا چہرہ ایک پل کیلئے سیاہ پڑھ گیا تھا۔ عورت کیلئے طلاق لینا آسان نہیں ہوتا۔ اس کیلئے بھی نہیں تھا۔ وہ

اٹھی اپنا بیگ اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھی۔ شاہ نواز جلدی سے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے بڑھا تھا۔

ان دونوں کے نکلتے ہی وہ سر ہاتھوں میں گرائے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی۔

”مآرب۔۔۔“

یوعان نے فکر مندی سے پکارا۔

”میں کس کس کو روں۔ اپنی دوست کو اپنی بہن کو یا خود کا ماتم مناؤں۔“

وہ گلوگیر لہجے میں بڑبڑائی۔

یوعان شیخ نے سختی سے لب کاٹے۔

یہ کیا تھا۔

کچن میں کھڑا یوشع سر پر ہاتھ رکھے سوچتا رہ گیا۔

وہ کالے ماسک میں منہ چھپائے سیاہ بے تاثر نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ جونا سمجھی سے اپنے کمرے میں رات کے

ڈھائی بجے موجود اس لڑکی کی پر سرار شخصیت سمجھنے کی کوشش میں تھے۔





وہ سیدھی ہوئی۔ جانتی تھی اپنی اندر کی جلن سے وہ اس آدمی کو راکھ کر چکی ہے۔ یہ اندازہ اسے اس کا متغیر سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر ہوا تھا۔

معاً ایک لڑکی پھرتی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ وہ عنوہ تھی عنوہ حمید۔

”تم نے ابھی تک اس کا کام تمام نہیں کیا۔ کن باتوں کا انتظار ہے تمہیں۔ ایک خنجر ہی تو اس کی گردن پہ پھیرنی تھی تم سے وہ بھی نہیں ہوا۔“

وہ غلت میں یوں بولتی جا رہی تھی۔ جیسے کسی کی گردن نہیں سبزی کاٹنے کی بات کر رہی ہو۔ التماش آفندی کی تو اب کے خوف سے آنکھیں پھٹتی چلی گئی۔ گھبراہٹ سے گلے میں گلی ابھری کر معدوم ہوئی تھی۔

مآرب نے بوٹ میں اڑھسا خنجر نکالا۔ خنجر کی دھار پہ انگلی پھیری تو وہ اتنی تیز تھی کہ اس کی انگلی سے خون بل بل بہنے لگا۔ جسے دیکھ کر اس آدمی کا جسم سرد پڑتا چلا گیا۔ اس میں اتنی بھی ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کیلئے حرکت کرتا۔

“Oh come on girl just do it۔“

عنوہ آنکھیں گھماتی تیز لہجے میں بولی۔

مآرب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ مقابل کی آنکھوں میں تسلی تھی۔ اس کی ڈوبتی ہمت کو کنارہ ملا تھا۔ اور دوسرا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر تیزی سے خنجر اس کی گردن پہ پھیرا تھا۔ خون کی کچھ چھینٹے اس کے چہرے پہ بھی پڑی تھی۔ جو اسے خوف زدہ کرنے کی بجائے پرسکون کر گئی۔

تو آج وہ اپنا بدلہ لینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ بدلہ جس کا حق اسے اس کا دین دیتا تھا۔

”مار آئی اسے۔“

وہ عنوہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ بے بے نے سیدھا یہی سوال کیا۔



مآرب ایک پل کو ساکت ہوئی۔ جواب جبکہ عنوہ نے دیا تھا۔

”ہاں بے مار آئی ہے۔ پوچھے گی نہیں کیسے۔“

بے نے عنوہ کی آنکھوں کی شیطانی چمک کو افسوس سے دیکھا۔ وہ تھی نرم دل عورت اور بیٹی ان کی سائی کو پیتھ دل لائے پیدا ہوئی تھی۔

”دل تھا مل لے بے میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔ خنجر سے اس ناسور کا گلا کاٹ کر مارا ہے۔“

اس نے چمک کر بتایا جیسے موسم کا حال بتا رہی ہو۔ بے کا ہاتھ دل پہ پڑا تھا۔ انہوں نے مآرب کو دیکھا۔ جو گہرا سانس لے کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

”مآرب اگر کسی کو۔۔۔۔۔“

”کسی کو پتا نہیں چلے گا بے جیسے کسی کو یہ پتا نہیں چلا کہ اس شخص نے ایک دس سالہ بچی کا کس بے دردی سے ریپ کیا تھا۔ اور وہ دس کی بچی میں تھی۔ میں یعنی مآرب اعوان کریم اعوان کی بیٹی۔“

بے نے دکھ سے اس کو دیکھا پھر پاس بیٹھ کر اسے سینے میں بھینچ گئی۔ اور وہ آخری بار تھا جب مآرب اعوان دل کھول کر روئی تھی اس شدت سے کہ بے کے ساتھ سخت دل عنوہ کو بھی رولا گئی۔ اور عنوہ حمید کو بے کے علاوہ صرف مآرب اعوان کی تکلیف ہی رلا سکتی تھی۔

جب وہ ان کو کھیت میں اجڑی حالت میں ملی تھی تب بے نے اس کو دوبارہ زندگی سے ملایا تھا۔ اور یہ کتنا مشکل تھا یہ عنوہ حمید سے کوئی پوچھتا۔ دو سال بعد اخبار میں اس کی تصویر کے ساتھ گمشدگی کی خبر پڑھ کر بے نے مآرب کو اس کے ماں باپ سے ملایا تھا۔ ان دو سالوں میں اس پہ کیا بیتی مآرب نے کسی کو بھنک تک لگنے نہ دی۔ گھر والوں کو یہی بتایا کہ وہ اس دن پارک میں راستہ بھٹک گئی اور پھر بے کو ملی بے اسے اپنے ساتھ اپنے محلے لے آئی۔

اس من گھڑت کہانی پر بڑی آسانی سے اس کے ماں باپ نے یقین کر لیا۔ انہوں نے غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ مآرب اعوان اچانک سے ان دو سالوں میں اتنی بڑی کیسے ہو گئی۔ اسے دوبارہ سالوں کا ہونا چاہیئے تھا وہ اچانک سے بیس سال کی کیوں لگنے لگی تھی۔ پر کوئی غور کرتا تو سہی۔

”تم کہاں ہو لڑکی مجھے بے بے کے ساتھ چھوڑ کر خود تم نکل آئی ہو۔“  
 وہ اس وقت ایک رسٹورنٹ میں بیٹھی تھی جب اسے مارب کی کال آئی۔  
 ”میں عیسیٰ بلال سے ملنے آئی ہوں۔ وہ مجھے اپنے باپ سے ملوانا چاہتا ہے۔“  
 مارب نے اچھنبے سے فون کو دیکھا۔  
 ”کون عیسیٰ بلال۔“  
 اس سوال پہ عنوہ کے چہرے پر ایک بھلی سی مسکراہٹ آئی تھی۔  
 ”عیسیٰ بلال۔۔۔۔۔۔“

بولنے کے ساتھ اس نے ارد گرد نظریں دوڑائی تو نظر ٹی وی پر چلتی بریکنگ نیوز پر ٹھہری۔  
 اور وہ ساکت رہ گئی۔ آنکھوں کی پتلیوں نے ہلنے سے انکار کر دیا۔ سکرین پر عیسیٰ بلال نظر آرہا تھا۔ جو اپنے باپ  
 کے جنازے پر موجود تھا۔ اور جنازہ کس شخص کا تھا۔۔۔۔۔۔ وہی جسے کچھ گھنٹوں پہلے انہوں نے ہی قتل کیا تھا۔  
 ”ہیلو عنوہ۔“

”Are you there?”

مارب اسے آوازیں دے رہی تھی اور وہ۔ وہ تو ہلنے کے قابل تک نہیں رہی تھی۔ اس کا دماغ تک سن ہو چکا تھا۔ اس  
 نے جہاں تک معلومات نکلوائی تھی اس کے مطابق التماش آفندی کا ایک بیٹا تھا۔ لیکن اسے بیٹے سے کیا عرض تھی  
 اسے تو التماش آفندی سے سروکار تھا۔ تبھی اس نے بیٹے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اور آج اس کا دل کیا کہ وہ مر جائے  
 کیوں اس نے اہمیت نہیں دی تھی۔ کاش دے دیتی کم از کم اس کی تصویر ہی دیکھ لیتی۔

”انکل کا قتل ہوا ہے۔“

یوعان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ یہ خبر سنائی۔

وہ جنازے کے بعد اس کے اپاٹمنٹ آگیا تھا۔ عیسیٰ نے سرہاتھوں میں گرایا اس کا دل غم سے پھٹنتا جا رہا تھا۔ کس بے دردی سے کسی نے انہیں مارا تھا۔

”میں یہ کیس بند کروا رہا ہوں۔“

یوعان نے تحیر سے اسے دیکھا۔

”کیوں۔ پولیس کو ڈھنڈنے دو مجرم کو۔“

”نہیں۔۔۔ میں خود ڈھنڈوں گا اسے۔ اور سزا بھی میں ہی دوں گا۔“

پھر وہ شاہ نواز سے بولا۔

”میرا ایک کام کرو گے شاہ۔“

شاہ نواز نے مستعدی سے سر ہلایا۔

”میرے قاتل کو ڈھنڈنے میں میری مدد کرو گے۔ میں کسی اور پہ بھروسہ نہیں کر سکتا۔“

شاہ نواز نے جاننے کے بعد بھی کہ یوعان شیخ کوئی اعتراض نہیں اٹھائے گا اس کی جانب دیکھا۔

یوعان نے کندھے اچکا دیئے کہ جیسے یہ چاہتا ہے ویسا کرو۔

اور یہ پھر کچھ دنوں بعد کی بات تھی۔ جب وہ عنوہ سے ملنے جا رہا تھا۔

تو اسے شاہ کی کال آئی تھی۔

”سر میں نے پتال لگایا ہے لیکن مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ وہ ایک لڑکی ہے۔“

وہ جو گاڑی چلا رہا تھا دنگ رہ گیا۔ ایک لڑکی۔۔۔۔۔ بھلا کسی لڑکی کی اس کے باپ کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔

”میں آپ کو تصویر بھیجتا ہوں ساتھ میں ڈیٹیلز آپ چیک کر لے۔“

کچھ دیر میں اسے تصویر اور معلومات مل گئی۔ لیکن اس کی ساری توجہ تصویر پر تھی۔ جو آہستہ آہستہ لوڈ ہو رہی تھی۔ اور تصویر دیکھ کر وہ اتنا غائب دماغ اور گنگ ہوا تھا۔ کہ کب اس کی گاڑی سامنے آتی گاڑی سے ٹکرائی اسے اندازہ بھی نہیں ہوا۔

پر ہوش کھونے سے پہلے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ آمنے سامنے کھڑے تھے ایک کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جبکہ دوسرے کی نظروں میں انتہا کی حیرت تھی۔ شاہ نواز مریم کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔

”تم شاید اپنے کانشی س میں نہیں ہو۔ گھر جاؤ ہم اس پہ بعد میں بات کریں گے۔“  
سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنی کرسی کی جانب بڑھا جب اس کی بات نے قدم روکے۔  
”سائی ن کرو یا سر میں نہیں چاہتی معاملہ کوٹ تک پہنچے۔“

وہ مڑ کر بھنویں اچکا گیا۔

”دھمکی دے رہی ہو مجھے۔“

مریم نے بے نیازی سے کندھے اچکائے کہ بھئی جو سمجھنا ہے سمجھو۔

وہ کچھ قدم چل کر اس کے قریب آکھڑا ہوا۔ شاہ نواز نے ناگواری سے اس منظر سے نظریں ہٹالی۔  
”اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے جاؤ کیونکہ میں تو تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔“  
اس کا لہجہ اٹل اور تکبر سے بھرا ہوا تھا۔

”تم سے ہمارے تعلق کے کسی لمحے میں، مجھے محبت ہوئی تھی یا سر خانزادہ لیکن اس وقت تم میری نظروں کے ساتھ ساتھ انسانیت کے درجے سے بھی گر گئے تھے جب تم نے مجھے بزنس کیلئے ایک پرانے مرد کو ادائیگی دیکھانے کا کہا تھا۔ تو اگر اب تم کوئی اچھی حرکت کرو گے تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہو گا۔“

یاسر کا چہرہ ایک پل کیلئے زردی مائل ہوا تھا۔ جبکہ اس کے پیچھے کھڑے شاہ نواز نے جھکے سر کے ساتھ سختی سے جڑے اور مٹھی بھیج لی۔

”میں تمہیں۔۔۔۔۔“

”سائی ن کر۔“

شاہ نواز نے مریم کو آستین سے پکڑ کر پیچھے کیا اور خود یاسر کے سامنے آتے سرد لہجے میں ٹیبل سے کاغذ اٹھاتے اس کے ہاتھ پہ پٹخا۔ یاسر نے ناگواری سے اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ اور پھر اسے دیکھا۔ جس کا چہرہ چٹانوں کی طرح سخت تھا۔

”تم ہو کون بھئی ہمارے درمیان آنے والے۔“

پھر پیچھے مریم کو دیکھتے تمسخرانہ انداز میں بولا۔

”تم نے پرسنل گارڈ بھی رکھ لیا۔ ابھی تو طلاق ہوئی بھی نہیں ہے۔ کیا تمہارے مالک کو پتا ہے کہ تم اس کی نوکری چھوڑ کر عورتوں کے پیچھے۔۔۔۔۔“

شاہ نواز نے جبرے بھینچتے سرعت سے اس کا ہاتھ مروڑ کر اس کی کمر سے لگایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر دباؤ ڈال کر نیچے جھکایا۔ یاسر کی چیخیں نکل گئی۔ وہ اس کے کان کے پاس جھکا۔

”میرے مالک نے مجھے کھلی چھوٹ دی ہے تم جیسے کمینے سے نپٹنے کی۔ لہذا شرافت سے سائی ن کرو۔ اپنی گندی زبان سے گند نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ہاں میرے مالک کا پیغام ہے کہ اگر بندہ شرافت سے سائی ن نہ کرے تو میری طرف سے ڈیل کینسل کر دینا۔ اتنی اتھارٹی تو ان کے پاس ہے ہی کہ تمہیں اپنی انگلیوں پہ نچا سکے۔“

یاسر جو درد سے چیخ رہا تھا۔ اس دھمکی پہ اس کی زبان تالو سے چپک گئی۔ اس کے ہوش خود بخود ڈکانے آگئے۔

یوعان شیخ اگر ڈیل خارج کرتا تو وہ سڑک پہ آجاتا۔ اس پروجکٹ میں اس نے اپنا آدھے سے زیادہ سرمایہ لگایا ہوا تھا۔

تبھی اس نے بغیر چوچر اک نئے دستخط کر دیئے۔

آفس سے نکل کر گاڑی میں بیٹھتے مریم بولی۔

”اگر یوعان تک یہ بات پہنچی کہ تم نے اس کے نام کا غلط استعمال کیا ہے تو وہ تمہیں فائی ر بھی کر سکتا ہے۔“

سیٹ بلٹ باندھتے شاہ نواز کے ہاتھ رکھے۔

”جی۔“

”ڈیل والی بات۔“

اس نے وضاحت کی۔ شاہ نواز نے موبائی ل نکال کر یوعان کی چیٹ نکالی اور ہاتھ پیچھے لے جا کر موبائی ل اس کے سامنے کر دیا۔

مریم نے اسے پھر موبائی ل کو دیکھا۔ وہاں کچھ دیر پہلے والا میسج نظر آرہا تھا۔  
بندہ اگر شرافت سے سائی نہ کرے تو میری طرف سے ڈیل کینسل سمجھنا۔

شام کا وقت تھا وہ ابھی آفس سے آیا تھا۔ مآرب صوفے پر پاؤں کے گرد ہاتھ باندے بیٹھی تھی اور جانے کب سے بیٹھی تھی۔ اس کے سلام کا جواب بھی سر ہلا کر دیا گیا۔ لڑکی کا موڈ کافی خراب لگ رہا تھا۔  
وہ کافی بنانے کچن کی جانب بڑھا جب اسی اثنا میں بل بجی۔  
اس کے قدم دروازے کی اور بڑھے۔  
”عیسیٰ۔“

”ہٹو راستے سے۔۔۔ بیوی کہاں ہے تمہاری۔“  
اسے سامنے سے ہٹا کر وہ بولتا ہوا اندر آیا۔ یوعان کے ماتھے پر شکنیں در آئی۔  
”تمیز سے بات کرو عیسیٰ بلال میں ہاتھ اٹھانے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔“  
اس کا انداز اسے ناگوار گزرا تھا۔ عیسیٰ نے ایک گھوری سے اسے نوازا اور صوفے پر بیٹھی مآرب کے قریب چلا آیا۔  
یوعان نے بھی قدم اس کے پیچھے بڑھائے دروازہ بند کرنا وہ بھول گیا تھا۔  
”اے لڑکی۔۔۔۔۔۔“

”تمہیں سمجھ نہیں آرہی میں تمہیں کہہ رہا ہوں میری بیوی سے تمیز سے بات کرو۔“  
اس کی بات بیچ میں کاٹ کر وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔ تو عیسیٰ کو اب کے سیدھا ہونا ہی پڑا۔ گہری سانس بھر کر وہ  
اس سے تھوڑا فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ یوعان انہیں بات کرنے کیلئے چھوڑ کر کافی بنانے چلا گیا۔  
وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی اور وہ بات کرنے کیلئے الفاظ تلاشتہ رہ گیا۔  
تھوڑی دیر گزری جب اس نے آہستہ سے بولنا شروع کیا۔





اس کی بلند ترین آواز اپارٹمنٹ کی دیواروں سے ٹکرائی تھی۔ صوفے پر بیٹھا عیسیٰ بلال کچن میں کھڑا زمین پر بکھرے مگ کے ٹکڑوں کو تکتا یوحنا شیخ اور دروازے میں کھڑے کریم اعوان ان تینوں مردوں پر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ اس حد تک کہ وہ ملنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

”میں بڑی مشکلوں سے اس ٹرومہ سے نکلے ہوں۔ اپنوں کے بغیر پر ائی یوں کو ہم درد مان کر میں نے وہ زخم بھرے ہیں۔ تو اب بار بار اس گھٹیا شخص کا نام میرے سامنے لے کر مجھے وہ سیاہ دور نہ یاد کرو تم لوگ۔ میری زندگی میں پہلے ہی بہت مسلئے ہیں میرے سامنے اس مردود کا ذکر کر کے میرا جینا مشکل نہ بناؤ۔ خدا کا واسطہ ہے جینے دو مجھے۔“

ہذیبانی انداز میں بولتے وہ آخر میں زور سے ہاتھ جوڑ کر مڑی تو اب ساکت ہونے کی باری اس کی تھی۔ کریم اعوان بے یقینی سے بیٹھ کر دیکھ رہے تھے۔ مآرب میں ہمت نہیں بچی تھی ان سے اب ڈیل کرنے کی تبھی سرعت سے جا کر کمرے میں گھس گئی۔

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس وقت اپارٹمنٹ میں گہری خاموشی کا راج تھا۔ بند کمرے کے پیچھے موجود مآرب اعوان اور پکن کے فرش پر گھٹنوں کے بل سر جھکائے خاموش آنسو بہاتا یو عان شیخ اس خاموشی سے بے پرواہ اپنی اپنی وحشتوں کے حصار میں جکڑے ہوئے تھے۔

مآرب اعوان کو اپنا راز کھولنے کی شرمندگی کھائے جارہی تھی۔  
اور یوعان شیخ کو وہ غلط فہمی جس میں وہ اب تک جی رہا تھا۔ اس لمبے چھوڑے مرد کو بھلا کیا چیز رولا سکتی تھی سوائے اس  
دس سالہ بچی کی تکلیف کے۔ وہ یہ راز جان کر یورے قد سے گرا تھا۔



مآرب اعوان جو ایک پرکٹ عورت تھی جس کو دنیا آئی یڈ لائی ز کرتی تھی۔ جس کی شخصیت سے اس کی اپنی آنکھیں تک چندیا جاتی تھی۔ وہ اتنا بڑا صدمہ پار کر کے آئی ہوگی۔ یہ اس کیلئے ہضم کرنا مشکل تھا۔ اس نے آستین سے گھیلی آنکھیں رگڑی۔ زمین پر بکھرے کانچ صاف کئے۔ اور ہاتھ دھو کر پہلے اس نے سارے گھر کی لائی ٹس اون کی دروازہ اچھے سے لاک کر کے پھر وہ کمرے کی جانب بڑا۔ وہ کمرہ جہاں مآرب اعوان تھی۔

ایک ہی زاویے میں بیٹھی وہ ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو گھورے جارہی تھی۔ صرف ایک سائین اور رشتہ ختم۔ جی جی جی لوگ اتنا سفر کیوں کرتے ہیں جب آزادی صرف ایک سائین کی محتاج ہو۔

آنکھیں سیڑھے اس نے طلاق نامہ کو دیکھا۔

”آآآآ آ شایدا ان کو اذیت سہنا پسند ہو۔“

اپنی بات سے متفق نہ ہوتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”آہنہ شاید وہ دنیا کے خوف میں مبتلا ہو۔“

لیکن نہیں بھلا دنیا کیا کہیں گی۔۔۔۔۔ زندگی تو۔۔۔۔۔ اسی نے گزارن۔۔۔۔۔

مریم۔

اس کی سوچوں میں حل پڑا۔ یہ مسز کریم کی آواز تھی۔ جو صوفے کے پیچھے کھڑی نا سمجھی سے بیٹی کے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔ مریم نے مڑ کر ماں کو دیکھا۔

”یہ کیا ہے۔“

ان کے گھبرائے لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر مریم نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھا۔

”یہ۔“

وہ کچھ دیر تک یو نہی کاغذ کو دیکھتی رہی اور پھر نظریں ماں پر ٹکا کر مسکرائی۔

مسز کریم نے لرزتا ہاتھ بڑھا کر وہ کاغذ اپنی گرفت میں لیا۔ وہ جو دیکھ رہی تھی وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ طلاق نامہ تھا۔

”آہستہ۔“

طلاق نامہ۔۔۔۔۔ ان کی بڑی بیٹی کے ہاتھ میں طلاق نامہ تھا۔  
وہ ایک دم بے جان ہو کر صوفے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔  
”یہ تم نے۔۔۔۔۔ کیا کیا مریم۔ کیا کیا تم نے۔“  
مریم نے ہونٹ سیٹی کی صورت گول کئے۔

”ہاں یہ صحیح ہے۔ انہیں دنیا کے خوف سے پہلے والدین کا خوف ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور والدین تو دنیا کے خوف میں ہی جکڑے ہوتے ہیں۔“

اس نے کندھے اچکائے وہ ماں کو یونہی بے یقینی کی حالت میں چھوڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔  
اس کی چال میں ایک مستی سی تھی۔ جیسے ہر بوجھ سے آذاہد ہر فکر سے پرے اپنی ہی دنیا میں مگن ہو۔

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ کمرے میں آیا تو آرب اعوان پر سکون انداز میں بیٹھی لیپ ٹاپ کھولے اون لائین میٹنگ میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے پر کبھی بھی تھوڑی دیر پہلے ہوئے واقع کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ خاموشی سے آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

“I have emailed you my CV. you can check how experienced I am then decide whether I am suitable for this position or not.”

اس نے سنجیدگی سے سامنے سکیرین پر نظر آتے اس انگریز کو جواب دیا تھا۔ اس کی بات نے یوعان شیخ کو چونکایا تھا۔ وہ جو اس کے چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ ایک دم سیدھا ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو بھنویں اچکائے اسے دیکھ رہا تھا۔  
”یہ کیا تھا۔“

”ایک امریکن کمپنی ہے جن کی ویکنسی تھی۔ ورک فروم ہوم کی سہولیت تھی۔ سو میں نے انٹریو دے دی۔“  
مارب بالوں کا جوڑا کھولتی لاپرواہی سے بولی۔

یوعان اس کی کالی ریشمی زلفوں سے بمشکل نظریں ہٹاتے سنجیدگی سے کہنے لگا۔  
”آپ کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی میں آپ کیلئے کچھ اور سوچے بیٹھا ہوں۔“  
وہ جو اٹھنے لگی تھی واپس بیٹھ گئی۔ تعجب سے اسے دیکھا۔  
اس کی استفہامیہ نظریں دیکھتے وہ دروازہ کی جانب بڑھتے بولا۔

”میں فیملی بزنس میں بری طرح مصروف ہوں اسی لئے مجھے اپنے ذاتی بزنس کو رن کیلئے کسی ایماندار اور قابل بندے کی ضرورت ہے جو آپ کے علاوہ یقیناً کوئی نہیں ہو سکتا۔ کافی پیسے گی۔“  
وہ دروازے میں رک کر مڑا۔ مارب اس آخری بات کو نظر انداز کر کے ایک ہی جست میں اس کے پاس پہنچی۔  
”یقین مانیئے اس سے اچھی بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی آپ مجھے اپنا بزنس سونپ دے اور میں زخمی شیرنی بنی ہوئی موقعے کا فائدہ اٹھاتے آپ کی سالوں کی محنت کو آگ لگا دوں گی۔“

وہ چمکتی آنکھوں سمیت مزے سے بولی۔ یوعان تو اس کی سہنری آنکھوں کی چمک پر ہی مبہوت رہ گیا۔  
جبکہ وہ اسے یونہی ساکت چھوڑے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ اب کافی بھی تو بنانی تھی ناں۔  
”آیا بڑا ایماندار اور قابل۔ اب اتنے برے دن آگئے میرے کہ میں یعنی کہ مارب اعوان رکھوالی کروں گی۔“  
کافی بناتی وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ جب وہ کچن میں اس پیچھے چلا آیا۔  
”آپ میری محنت کو آگ لگائے یا اس پر پانی پھیرے کرے گی آپ وہی جو میں کہہ رہا ہوں۔ مارب آپ کسی اور جگہ جاب نہیں کرے گی۔“



”لولی لنگڑی ہوتی تو بھی بات تھی۔ مگر ایک ریپ وکٹم۔۔۔۔۔“

”ایک اور لفظ منہ سے نکالا آپ نے تو میں لحاظ بالکل نہیں کروں گا۔ مار نہ کھا لگی گے گا آپ مجھ سے۔“

یہ بات اسے کسی بر چھی کی طرح لگی تھی۔ کہ وہ بلبلا اٹھا۔ انگارہ ہوتی آنکھوں کو میچتے وہ غرایا تھا۔

مارب نے گہری سانس بھری پھر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کیا اور کافی کی جانب متوجہ ہوئی۔

یوعان شیخ کی گہری نظریں اس کی پشت پر جمی ہوئی تھی۔

اس نے کافی تیار کی ایک کپ یوعان کی جانب بڑھایا اور اپنا کپ لے کر وہ کمرے سے لیپ ٹاپ اٹھاتی لاؤنچ میں بیٹھ گئی۔

یوعان شیخ بھی اس کے پیچھے آتا اس سے کچھ فاصلے پر جگہ سنبھالے براجمان ہو گیا تھا۔

یوعان نے پر سوچ انداز میں اسے دیکھتے دھیرے سے پکارا۔

”مارب۔“

”ہوں۔“

وہ گال کے نیچے ایک ہاتھ رکھے دوسرے سے لیپ ٹاپ کے بٹن تو اتر سے بجا رہی تھی۔

”اپنے ساتھ ہوئی زیادتی کا اپنے پرینٹس کو بتایا کیوں نہیں۔“

اسے کریم اعوان کے صدماتی تاثرات سے انداز ہوا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

جبکہ لیپ ٹاپ کے ساتھ کھیلتی اس کی انگلیاں رک گئی۔ وہ اس سوال پر ساکت و جامد رہ گئی۔

اس کی خاموشی تولت اختیار کر گئی تو یوعان کو اسے دوبارہ پکارنا پڑا۔

”مارب۔“

مارب نے جلتی آنکھوں کو میچا۔ کچھ لمحے رک کر پھر اسے دیکھنے لگی جو اس پر ہی نظر جمائے بیٹھا ہوا تھا۔

”یہ سوال بہت سالوں پہلے میں نے خود سے کیا تھا۔ اور مجھے بڑا عجیب جواب ملا۔“

اس نے وقفہ لیا۔ جیسے وہ ریوائی نڈ کر رہی ہو۔ یوعان کیٹک اسے دیکھتا رہا۔ جس کے چہرے پر درد کی پر چھائی یاں تھیں۔

”جب میرے ساتھ وہ سب ہوا تھا۔ تب مجھے صرف درد ہو رہا تھا بے تحاشہ درد۔ میں کچھ دنوں تک گم صم رہی لیکن یہ جان نہیں پائی کہ میرا جسم کیوں ٹوٹ رہا ہے میرا دل کیوں کانپ رہا ہے۔ میری ٹانگیں کیوں سن ہے۔ مجھے لوگوں سے ڈر کیوں لگ رہا ہے۔ تب اس درد کے ساتھ فقط یہ احساس تھا کہ جو ہوا ہے برا ہوا ہے۔“

اس نے یوعان سے نظریں پھیر لی۔ اب وہ لیپ ٹوپ کی سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

”دو سال بعد جب میں اپنے ماں باپ سے ملی تب یہ احساس اور بھی شدت پکڑ گیا کہ جو ہوا ہے برا ہوا ہے۔ یہ برا اور بھیانک ہو جائے گا اگر میں نے کسی کو بتایا۔ کیونکہ سمجھ مجھے تب بھی نہیں آئی تھی کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔“

وہ بولتے بولتے کھوسی گئی تھی۔ جیسے ان لمحوں میں چلی گئی ہو۔ یوعان نے دیکھا اس کی سنہری آنکھوں میں اذیت کے آنسو چمکے تھے۔

”بہت سالوں بعد مجھے سمجھ آیا کہ وہ درد جو میں نے دس سال کی عمر میں سہا تھا۔ وہ انہونی جو میرے ساتھ ہوئی تھی وہ اصل میں تھی کیا۔ تب سمجھ آیا کہ وہ ریپ تھا۔ وہ ریپ جو زیادتی ہوتی ہے جو زبردستی ہوتی ہے جو آپ کی نسوانیت چھین لیتی تھی۔ اور تب۔۔۔۔۔۔“ اس نے نظریں دوبارہ اس کی جانب پھیر لی

میں ڈر گئی تھی۔“

یوعان کی پلکیں اس سارے عرصے میں پہلی بار جھپکی اور اس کے ہونٹ ہلکے سے ہلے۔

”کس سے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں پائی۔ لیکن پھر ہونٹوں سے نکلا۔

”دنیا سے۔ لوگوں سے۔ میں اس حد تک ڈر گئی تھی۔ کہ میں نے اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ سمجھ آنے پر بھی میں نے اپنے پیرنٹس کو نہیں بتایا۔ میں اتنا ڈر گئی تھی کہ میں اس بات کو خود سے بھی چھپا گئی۔ اس لئے آج جب آپ نے پوچھا تو میں سوچ میں پڑھ گئی۔ میں نے وہ جواب جو سالوں پہلے ڈوہنڈا تھا۔ آپ کے پوچھنے پر دماغ پر زور دے کر خود کو یاد دلایا ہے۔“

وہ خاموش ہوئی یوعان شیخ اب بھی اسے دیکھتا رہا لیکن اب اس کا ذہن کہی اور بھٹکا ہوا تھا۔ اسے جو سوال ہفتوں سے تنگ کر رہے تھے آج بلا آخر ان کے جواب مل گئے تھے۔





سمجھتی رہی اور اس کی کو چھپانے کیلئے تم نے خود کو دنیا کے سامنے ایک کامیاب عورت کے روپ میں لاکھڑا کر دیا۔ تاکہ تمہاری اس ذات کی کمی تمہاری کامیابیوں کی چادر تلے چھپ جائے۔“

مآرب کی پلکیں اب بھی نہ جھپکی تھی۔ یا پھر وہ جھپکانا بھول گئی تھی۔

وہ ٹھیک شاید ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بزنس ناپسند ہوتے ہوئے بھی اس نے اس فیلڈ میں جھنڈے گھاڑ لئے تھے۔ وہ اگر چاہتی تو کریم اعوان کے سامنے اپنے لئے سٹینڈ لے لیتی۔ لیکن اس نے نہیں لیا کیوں کہ اسے دنیا کی نظریں میں اچھا بننا تھا۔ اسے اس ایک کیلئے ہزاروں سکریفائی ز کرنی تھی۔ لیکن سوال یہ تھا۔ کہ یہ باتیں تو اس نے خود سے بھی چھپا کر تھی تو یہ یوعان شیخ کیسے فکراوٹ کر سکتا ہے۔ وہ اس کی ذات میں کیسے جھانک سکتا ہے۔ یہ جو ہورہا تھا یہ ٹھیک نہیں ہورہا تھا۔

ایک جوان خوبصورت عورت ایک سنگدل مجبور مرد کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔ وہ مرد اس کی آپہں فریادیں غم آنکھوں سے دیکھتا اس کی نظروں سے ہٹتا چلا گیا۔

اور پھر وہ وقت بھی دور نہیں تھا جہاں ایک طرف یہی مرد اپنی دوسری بیوی کو نکاح میں لے رہا تھا۔ وہی دوسری طرف اس کی پہلی بیوی اپنے بیٹے کے چہرے کو دیواناوار چومتی اپنے شوہر کی محبت میں شراکت برداشت نہ کر پائی اور شاید تکلیف اتنی دگنی تھی کہ دل کی دھڑکن نے رکنے میں لمحہ نہیں لگایا تھا۔

”اما۔“

وہ ایک دم سے جھٹکا کھا کر آنکھیں کھول گیا۔ ارد گرد دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔ وہ لاونچ کے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اور یونہی شاید آنکھ لگ تھی۔

اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے خود کو کمپوز کرنے کی ایک مبہم سی کوشش کی تھی۔ پھر وہ چونکا۔ مآرب کہاں تھی۔ تبھی وہ سامنے سے آتی ہوئی دیکھائی دی۔ ہاتھ میں پورپ کان اور کافی کا مگ پکڑے۔ وہ اس کے ساتھ آکر براجمان ہوئی۔



یوعان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا وہاں اس کی گزری باتوں کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔  
 مآرب نے کوئی انگریزی مووی لگائی اور پوپ کارن گودیس رکھے پاؤں پسپارے بیٹھ گئی۔ اب اس کا سارا دھیان  
 مووی پہ تھا۔ یہ بات یوعان شیخ کو ناگوار گزری تھی۔

اس نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز ایک سرسری شکوے سے کیا تھا۔  
 ”آپ میرے لئے کافی نہیں لائی۔“

سکرین پہ نظریں جمائے ہی مآرب نے نفی میں سر ہلایا تھا۔  
 ”نہیں لائی کیونکہ مجھے آپ کو اپنے کپ سے پیلائی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا جھوٹا کھائے  
 پیے تو محبت بڑھتی ہے۔ سو چاہب رشتہ نبھانے کی ٹھان ہی لی ہے تو یہ بھی آزما کے دیکھ لیتی ہوں۔“  
 یوعان نے صوفے کی پشت پر بازو پھیلائے یوں کہ اب وہ اس کے حصار میں آگئی تھی۔ مآرب نے چونک کر  
 نظریں موڑی۔ تو وہ اس کے بڑے قریب تھا۔ گالوں نے لمحوں میں گلابی پکڑی تھی۔

”بات تو صرف تعلق تک تھی یہ محبت کا کیا چکر ہے۔“  
 دوسرے ہاتھ کی انگلی سے ماتھارب کرتا وہ مسکراہٹ مکمل چھپاتے مستفسر ہوا۔  
 مآرب ہمت کرتی اس کے چہرے کے قریب ہوتی اس کی جکڑتی آنکھوں کے سحر میں اپنی سنہری آنکھیں گھاڑتی بولی۔  
 ”میں تو تعلق تک ہی تھی محبت تک تو آپ لے کر آئے ہیں۔ یا پھر کہہ دے کہ یہ سحر طاری کرتی آنکھیں اظہار نہیں  
 کرتی یہ مجھے خوش فہمی میں نہیں ڈالتی۔“

وہ کیا بولتا وہ اس کی سنہری آنکھوں سے نظریں ہی نہیں ہٹا سکا۔ ان آنکھوں نے تب دیوانہ کیا تھا جب یہ قریب بیٹھی  
 لڑکی اس پر حرام تھی۔ لیکن اس وقت۔۔۔۔۔ اس وقت تو اللہ نے اسے یوعان شیخ پر حلال کیا تھا۔ تبھی وہ بے ساختگی  
 میں جھکتا اس کی سنہری آنکھوں پر لب رکھ گیا۔ ان بوسوں کی نرمی مآرب اعوان کو ساکت و جامد کر گئی۔  
 یوعان اب کے اس کے کان میں بڑبڑایا۔

”اگر تمہیں یہ خوش فہمی لاحق ہے تو میں چاہتا ہوں کہ تم اس خوش فہمی میں ساری زندگی میرے سنگ گزار دو۔ کسی نہ  
 کسی لمحے بے خود ہوتے میں اظہار کر ہی دوں گا۔“

مآرب اعوان نے شدت سے یہ نزدیکیاں محسوس کی تھی۔ اس نے اٹھتی گرتی پلکھوں پہ قابو پا کر کچھ کہنا چاہا جب اسی لمحے اس کا فون بج اٹھا اور ان حسین لمحوں کا فسوس ٹوٹا تھا۔  
وہ سرعت سے پیچھے ہوتی توک نگلتی خود کو نارمل کرتی فون اٹھا چکی تھی۔  
”اسلا۔۔۔۔۔“

”کیا تمہارا شوہر تمہارے پاس موجود ہے اگر ہے تو اسی وقت فون سپیکر پر لگاؤ مآرب۔“  
اس کا سلام بیچ میں کاٹی وہ سنجیدگی کی انتہاؤں کو چھوتی بولی۔ تو مآرب نے حیرت سے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔ لیکن پھر اگلی طرف سے آتی دھاڑ پر جلدی سے سپیکر ان کر گئی۔  
”یوعان سن رہے ہیں تمہیں عنو لیکن ہو۔۔۔۔۔“

”میں تو اس دن پر پچھتا رہی ہوں مآرب اعوان جس دن میں نے تمہاری محبت میں اندھی ہو کر کر قتل کیا تھا۔ اچھی خاصی میری زندگی سدھرنے والی تھی میرے امیر ہونے میں بس کچھ مدت باقی تھی۔ لیکن میں عقل کی اندھی جو میں نے محبت کھو کر دوستی کو سینے سے لگایا۔“  
ادھر سے وہ اونچی آواز میں دھاڑ رہی تھی۔ ادھر یوعان شیخ کی حیران اور پھر سرد پڑتے چہرے پر مآرب شرمندگی سے سرخ پڑ گئی۔

”اور یوعان شیخ آپ کو تو میں بڑا مخلص انسان سمجھتی تھی۔ لیکن آپ نے میرے خیالات پر بھی بڑی بے دردی سے پانی پھیرا ہے۔ آپ کا دوست اپنے گھر سے غائب ہے۔ اپنے فلیٹ پہ نہیں ہے آپ کے یہاں نہیں ہے تو پھر وہ انسان کیا کہاں۔ کیا آپ کو زرا سا بھی اپنے دوست کا احساس ہے۔“

اس کے تنفر بھرے لہجے پر یوعان کی بھنویں اکٹھی ہوئی جس سے ماتھے پر انگینت بل نمودار ہوئے تھے۔ مآرب کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ دل میں خوب صلواتیں عنوہ حمید کو سنائی دیتی تھی۔

”محترمہ آپ کا مجھ سے یوں سوال کرنا بتاتا نہیں ہے۔ لیکن میں پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ وہ شخص میری بلا سے جہاں مرضی جائے۔ اب آپ کی طرح میری عقل پر پردے نہیں پڑے کہ محبت پر دوستی کو توقیت  
”دول۔“

اس نے سرد لہجے میں مقابل کو یوں خاموش کروایا تھا۔ کہ ادھر سے صدمے کے مارے لائی نہ ہی کٹ گئی۔ مارب کا منہ اس کی بات پر کھلا تھا۔

وہ صومے سے اٹھتے اس کی بات پر رکا۔

”آپ عنوہ سے آئی نہ اس لہجے میں بات نہیں کریں گے۔ وہ آپ کو بھائی مانتی ہے اس لئے یوں سوال کرنے کی ہمت کر پائی ہے۔ میرے لئے وہ ایک نہیں دس قتل کر سکتی ہے۔ لیکن جتنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اور جہاں تک رہی آپ کے دوست کی بات تو اگر میری وجہ ہے یوں بول رہے ہیں تو خدا را یہ زحمت نہ کریئے گا۔ کیونکہ اس میں عیسیٰ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ میرا معاملہ میں سالوں پہلے ختم کر چکی ہوں۔“

جہاں عیسیٰ والی بات پر یوعان کی آنکھوں میں نرمی آئی تھی وہی عنوہ کی حمایت پر چہرے پر سرد پن چھایا تھا۔

”وہ تم سے ایسے بات نہیں کر سکتی۔“

اس نے لہجے کی کڑخی نہیں چھپائی تھی۔ مارب کا دل کیا مارتھا پیٹ لے۔

اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے بچا رگی سے سر ہلایا۔

”آپ دونوں مجھے ٹف ٹائی م دینے والے ہیں۔“

یوعان نے گھور کے اسے دیکھا۔ جو فون اٹھاتی دوبارہ عنوہ کو کال ملا چکی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ابھی ابھی وہ میٹنگ روم سے نکلا تھا پھر کچھ یاد آنے پر وہ شاہ نواز کی جانب مڑا۔ آئی بروانگلی سے کجالتے وہ نواز سے بولا۔

”یہ لڑکا کہاں ہے نواز پتا کرو اور میری طرف سے اجازت ہے اسے گردن سے پکڑ کر میرے سامنے لانا۔“

شاہ نواز نے اس کی بات سمجھتے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خود فکر مند تھا ہفتے سے اس کا رابطہ عیسیٰ سے بند تھا۔

اس نے عیسیٰ کا فون ٹرس کرنے کوشش کی تھی لیکن لوکشن پاکستان سے باہر شوہور ہی تھی۔

اور ایسا ہی تھا وہ اس وقت اٹلی میں موجود تھا ان سب سے دور اپنی پریشانیوں سے دور۔ اسے کچھ فیصلے کرنے تھے جس کیلئے اس کا دل کے قریب بستے لوگوں سے دور رہنا ضروری تھا۔

نیلی جینز پر لمبی قمیص پہنے کلمے بالوں میں گلا سز لگائے ہائی پینسل ہیلز میں وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مال میں گھوم رہی مگر دل کو کچھ

بھائی نہیں رہا تھا۔

معاً ایک جگہ رکتے اسے ہلیز کا ایک خوبصورت جوڑا بے حد پسند آیا تھا۔ وہ کالے کورٹ شوز تھے جس کا ڈزائن اسے پسند آیا تھا۔

”یہ پیک کر دے۔“

اس نے سیل گرل کو اسے پیک کرنے کا کہا۔

اور کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی پینٹ کرنے۔

مگر براہِ واجب اس نے اپنا بیگ ٹٹولا اور اس میں سے اس کا کریڈٹ کارڈ برآمد نہیں ہوا۔

”شاید میں گھر چھوڑ آئی ہوں۔“

ہونٹ کاٹتے اس نے پریشانی سے سوچا۔ وہ آج کل یوں ہی چھوٹی چھوٹ باتوں پر پریشان ہو جاتی تھی۔

وہاں سے گزرتے شاہ نواز کی اچھتی سی نگاہ اس برینڈ کی دکان پر پڑی۔ اور وہاں کھڑی لڑکی پر جب اسے مریم کا گمان

ہوا تو اس کے ماتھے پر کبھی بل ایک ساتھ نمودار ہوئے تھے۔

”خیریت ہے۔“

مریم چونک کر مڑی تو وہ شاہ نواز تھا۔ جس کے چہرے کے نقوش تنے ہوئے تھے اور ماتھے پر کبھی بل موجود تھے۔ مگر

اس وقت مریم نے اس کے تاثرات پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

”کیا تم مجھے ایک فیور کر سکتے ہو۔“

شاہ نواز نے استفہامیہ بھنویں اچکائی۔

”نہیں چھوڑو تم کیسے یہ کر سکتے ہو۔“

وہ نفی میں سر ہلا کر مایوسی سے بڑبڑائی۔ شاہ نواز کے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

”آپ مسئلہ بتائی۔“

سنجیدگی سے اسرار کیا گیا۔

”میں اپنا کارڈ گھر چھوڑ آئی ہوں کیا تم اپنے کارڈ سے پیمنٹ کر سکتے ہو۔ میں تمہیں۔۔۔۔۔۔“

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شاہ نواز نے جیب سے والٹ نکال کر کارڈ نکالتے کاؤنٹر پر دیا تھا۔

مریم نے ہونٹ دانتوں تلے رکھ کر ایک فکر مند نگاہ کارڈ پر ڈالی۔

”تمہارے کارڈ میں کتنی اماونٹ ہے۔ اصل میں یہ جوتے کافی مہنگے ہیں۔“

وہ جو پیمنٹ مکمل ہونے کے انتظار میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا ایک سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی۔ شاہ نواز کو اس کے

چہرے پر سادگی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔

کاؤنٹر پر موجود لڑکے نے اسے پن ڈالنے کا کہا شاہ نواز نے جیسے ہی پن ڈالا پیمنٹ ہو گئی۔

لڑکے نے اسے کارڈ دے کر جوتے بیگ میں رکھ کر مریم کو پکڑائے۔

شاہ نواز اپنا کام ختم کر کے کوئی بات کہنے بنا چکا تھا۔

پیچھے مریم کبھی ہاتھ میں پکڑے شاپر کو دیکھتی کبھی نگاہوں سے او جھل ہوتے شاہ نواز کو۔

”یہ جوتے ڈھائی لاکھ کے تھے۔“

وہ ہونٹ کاٹتے بڑبڑائی۔

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ صبح ناشتے میں دودھ کے علاوہ اس نے دن بھر کچھ نہیں کھایا تھا۔ تبھی اس وقت

کچن میں کھڑی وہ قورمہ بنا رہی تھی۔ بھورے رنگ کے ڈیلے ڈالے ٹراؤزر پر سفید دھنک نگوں والی قمیص پہنے وہ

سالن میں ڈھوئی چلاتے خیالوں میں گم تھی۔

اس نے مریم سے ملاقات کرنی تھی۔ لیکن کچھ دنوں سے گھر سے باہر ہی نہیں نکلی۔ اپنے آن لائن جواب میں مصروف ہوتے وہ بہت کچھ بھول گئی تھی۔ جیسے کہ اس دن کریم اعوان کا دروازے سے پلٹ کر جانا اور پھر ان کی جانب سے مکمل خاموش۔۔۔ وہ اس بارے میں بھی بھول چکی تھی۔ کل وقت نکال کر وہ گھر کا چکر لگائے گی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔

اس سوچ نے اسے قدرے پرسکون کر دیا تھا۔ لیکن یہ کیا۔

”آں آں آں آں آں آں۔“

کسی نے پیچھے اس کی گردن میں بازو ڈالا تھا۔ اور گرفت مضبوط کی تھی۔ وہ سوچوں میں اتنی مگن تھی کہ محسوس ہی نہ کر پائی کہ گھر میں کوئی گھس آیا تھا۔

”آں چ چھوڑ چھوڑو۔۔۔۔۔“

بدحواسی میں ہاتھ پاؤں مارتے اس مردانہ آہنی بازو پر اپنے نازک ہاتھ کا زور لگاتے مزاحمت کرنی چاہی۔ کہ اب سانس بند ہو رہا تھا۔

اچانک سے گرفت ڈیلی ہوئی اور پھر چھوٹ گئی۔ وہ گلے پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانستے سانس بحال کرنے کی کوشش میں تھی۔ جب اس کے کانوں میں غصیلی سرد آواز گھونجی۔

”یہ ٹرینگ دے ہے تم نے اسے۔“

یہ آواز۔۔۔۔۔ مآرب نے جھٹکے سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اور اس کی آنکھیں صدمے سے پھیلی۔

وہ یوعان شیخ تھا۔ بریلی آنکھوں سے یوشع کو گھورتا وہ اس کا شوہر ہی تھا۔

”م میں نے پوری محنت لگائی تھی اپنی طرف سے یہ آپ کی بیگم ہی نکلی۔“

یوشع نے منہ بگھاڑ کر مآرب کو خونخوار نظروں سے گھورا۔ جو اسے بھائی کے سامنے شرمندہ کروا گئی تھی۔

شاہ نواز نے ایک الگ ساسف بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی جو اسے مزید سلگا گئی۔

”مآرب۔“

اب وہ اس کی جانب مڑا۔





مآرب نے چہرہ موڑتے اسے کناٹکھیوں سے گھورا۔

”بڑا سستا ڈائی لوگ تھا۔“

”کون سا والا۔“

”یہی دل والا۔“

یوعان نے مسکراہٹ ضبط کی۔ اس پر گرفت تنگ کرتے اسے تقریباً سینے میں بھینچ لیا۔

”آپ ڈائی لوگ چھوڑیں ناں جذبات دیکھے۔“

مآرب نے سر کی پشت اس کے سینے پر ٹکادی۔ اور بے اعتنائی سے بول پڑی۔

”فلحال تو آپ کا دھوکا ہی دیکھ رہا ہے۔“

یوعان شیخ خاموش رہا۔ لب آپس میں سختی سے پوست کئے۔

تھوڑی دیر یوں ہی خاموشی رہی پھر وہ اس کے حصار سے نکلتے کہنے لگی۔

”میں نے قورمہ بنایا ہے۔ شاہ سے کہے گا کھانا کھا کر جائے۔“

کاوٹر کے پاس آکر یوشع کو آواز لگائی۔

”یوشع تم آکر سلاد کاٹ دو۔ اور آپ۔۔۔۔۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ دوبارہ اس کی جانب مڑی۔

”آپ روٹیاں بنا دے جلدی سے۔“

یوعان نے آنکھیں سکیڑ کر اس کا حکم دیتا انداز ملاحظہ کیا پھر آٹا نکالنے فریج کی جانب بڑھا۔ مآرب نے مسکراہٹ

دبائی۔

”آپ کو شرم نہیں آتی میں اس گھر میں مہمان بن کر آتا ہوں۔ اور آپ مجھے سلاد کاٹنے کو کہہ رہی ہے۔“

یوشع تن فن کرتا کچن میں داخل ہوا۔

مآرب پر سکون انداز میں مسکرائی۔

”تم مہمان نہیں ہو یوشع۔ اسے اپنا گھر سمجھنا۔“



یو شمع کا چہرہ سرخ انار بنا۔ لیکن اب بھائی کے سامنے بھابھی سے کیا بحث کرنی۔ اسے تو وہ بعد میں دیکھ لے گا۔ اس نے چپ چاپ سلا دکیل نئے سبزیاں نکالی۔

کچھ دیر میں کھانا تیار تھا۔ کھانا کھا کر شاہ نواز جب جانے والا تھا۔ تب وہ آہستہ سے مآرب سے بولا تھا۔

”اسے کہیں بی بی اپنی عدت پوری کر لے۔ خود کو گناہگار نہ کرے۔“

مآرب اعوان نے اچھنبے سے شاہ نواز کی پشت کو دیکھا تھا۔

”عدت۔“

”کون تھا عدت میں۔۔۔۔۔“

وہ وہی کھڑی کچھ پل سوچ میں ڈوبی رہی۔

اور پھر اچانک سے ذہین میں جمھا کا ہوا تھا۔

”مریم۔۔۔۔۔ مریم تھی عدت میں۔“

Safar-e-Adab

اگلی صبح وہ یو عان کے نکلنے کے بعد اپارٹمنٹ سے نکلی۔ تو پہلے رخ اس نے بے بے کی طرف کیا تھا۔ راستے میں ڈھیر سارے پھل اور خشک میوہ جات لائے۔ بے بے کو اخورٹ اور کاجو بڑے پسند تھے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی ہر بار جب وہ ان سے ملنے جائے تو یہ چیزیں ضرور اس کے ہاتھ میں ہو۔

اس کی گاڑی ایک محلے کے سامنے رکی۔ گلی تنگ تھی تبھی وہ گاڑی کو نکل پڑ روک کر گاڑی سے اتر گئی۔ شوپر ہاتھ میں پکڑے اس نے چلنا شروع کیا۔ راستے میں گرزتے لوگ اسے سلام کرتے حال چال بھی پوچھ لیتے۔ کوئی بچہ بھاگ کر اس کے ہاتھوں سے زبردستی شوہر لے کر اس کے آگے آگے چلنے لگا۔

وہ یہاں کافی عرصے سے آتی رہتی تھی۔ اس لئے محلے والے اسے پہنچاتے تھے۔

”اچھا راجو پھر تمہاری بلی نے بچے دیا۔“

وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے ہونٹ دبا کر بولی۔  
تو راجو کا غم تازہ ہوا۔

”کہاں باجی میں نے تو اس کے لئے انتظامات تک کر لئے تھے۔ لیکن اماں نے آبا سے کہہ کر بلی کو کھیتوں میں چھوڑ دیا اور پھر بلی وہاں سے ملی ہی نہیں۔“

”ہاں تو راجو تمہاری بلی نے بستروں کا کبھاڑا کر دیا تھا۔ بتایا تھا تمہاری اماں نے مجھے۔ وہ بچاری پھر لگی رہی صفائی کرنے میں اور تم مزے سے کرکٹ کھلتے رہے شیطان کے بچے۔“

راجو اتنی اندر کی بات کھلنے پر جھنیپ گیا۔ اماں پر تاو بھی آیا بلا کیا ضرورت تھی باجی کے سامنے اس کی عزت کا کبھاڑا کرنے کی۔

یوں ہی وہ راجو سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے کچھ پھل نکال کر راجو کو دیئے۔ وہ سلام کرتا بھاگ گیا۔ مآرب نے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا۔ تو صحن میں ہی بے بے اون سلانی میں مصروف نظر آئی۔

بے بے کا گھر کچا پکا سا تھا۔ دو کمرے کچن غسل خانہ چھوٹا سا برآمدہ اور کچا صحن جس میں مرغیاں ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔

وہ بغیر آواز پیدا کر کے آکر بے بے کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ جب اس کے کچھ کرنے سے پہلے ہی آواز آئی تھی۔  
”آگئی ہو پیاری شہزادی۔“

مآرب نے ہونٹ باہر نکالے جیسے افسوس ہوا ہو۔ اور ان کے سامنے آئی۔  
”اسلام علیکم بے بے جان کیسی ہیں۔“

شو پروہی چھوٹی سی لکڑھی کی میز پر رکھ کر وہ بے بے کے گلے لگی۔ انہوں نے اپنی بوڑھی ہاتھوں میں اسے سمیٹ لیا۔ اور یہ بوڑھی پناہ گاہ کتنی پرسکون تھی کاش وہ لفظوں میں بتا سکتی۔

بے بے نے اس کے گال چھوم کر اسے بہت پیاری پیاری دعائیں دی تھیں کہ وہ بے ساختہ مسکرا پڑی۔  
”زندگی کیسی چل رہی ہیں میری بیٹی کی۔“

وہ وہی ان کے ساتھ چرپائی پر ٹک گئی۔

”کچھ پریشانیاں آئی تھی بے بے لیکن میں نے صبر رکھا۔ اب دیکھتے ہیں۔ آگے اللہ کی راہ نکالتے ہیں۔“

”اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بیٹا وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔“

بے بے اس کے سر پر اپنا جھریوں زدہ ہاتھ پھیرتی نرم محبت بھرے لہجے میں بولی۔ ان کے لہجے میں عمر کے ساتھ تاثیر بڑھ گئی تھی کہ سننے والا چاہتا بس سنتا ہی جائے۔

”شوہر کیسا ہے تمہارا۔ مجھے کب ملو اوں گی اپنے شوہر سے۔“

مآرب نے ہونٹ بھیجے۔ ایک آنکھ بند کی۔ اور شرارت سے بولی۔

”وہ تھوڑا ٹھیرا بندہ ہے بے بے آج کل زرا ہمارے حالات ٹھیک نہیں چل رہے۔ کسی دن اس نے اظہار محبت غلطی سے کر لی تو سیدھا آپ کے پاس لاؤں گی۔“

بے بے نے ایک گھوری سے مآرب کو نوازا۔

”مجازی خدا ہے تمہارا عزت سے ذکر کیا کرو اس کا۔“

مآرب نے تیزی سے بڑی تعبداری سے سر ہلایا۔ ایک کمرے سے عنوہ آنکھیں رگڑتی باہر نکلی۔ چونک کر اس نے مآرب اعوان کو دیکھا۔ پھر آگے آئی۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر تیوری چڑھائے میز پر رکھے بھاری شوپر ز پر ایک نظر ڈال کر مآرب سے بولی۔

”کتنی بار کہا ہے جب آیا کرو تو خالی ہاتھ آیا کرو۔ اپنی امیری ہمیں دیکھانے کی ضرورت نہیں۔ بس پیسے کا روب جاڑنے آجاؤ۔ اور ہاں۔۔۔۔۔ اب تو تم کام بھی نہیں کرتی بچاری جاب لیس خاتون۔ کبھی انہی خرکتوں کی وجہ سے جیب ہی خالی نہ ہو جائے۔“

مآرب تیکھے لہجے میں بولی۔

”تمہارے لے لے نہیں لے کر آتی اپنی بے بے کیلئے کر آتی ہوں۔ اور خبردار عنوہ جو مجھے جاب کا طعنہ دیا تو یہ بات برداشت نہیں کروں گی۔ اور بی بی میرا شوہر امیر انسان ہے مجھے بیٹھ کے کھلانے گا۔ میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

بے بے ان کی نوک جوک پر ہستی پکن کی جانب بڑھی مآرب کو ان کے ہاتھ کی چائے پسند تھی۔  
جبکہ عنوہ کو تو اس کی بات سے پتنگے لگ گئے۔

”تم ایک نمبر کی خود غرض انسان ہو مآرب۔ تمہیں میں نے اپنے منہ کا نوالہ چھین کر کھیلایا ہے۔ اور تم اپنے دیور سے  
میرا ایک نکاح تک نہیں کر پائی۔ اوپر سے کتنے کمینے انداز میں تم اپنے امیر شوہر کی شوخی مار رہی ہو۔“  
مآرب نے تحیر زدہ انداز سے اسے دیکھا۔

”میرے دیور سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ وہ بے بچار تو کتنا شریف بچہ ہے عنوہ تم اس کے بارے میں ایسا کیوں کہہ رہی  
ہو۔“

عنوہ نے ایک جھانپڑاس کے سر پر لگایا۔ وہ چیخ اٹھی۔

”تم عیسیٰ بلال کو اپنا دیور نہیں مانتی۔ اور تمہارا وہ شوہر بھی بڑی زیادتی پر اتر آیا ہے۔ تم لوگ کر کیا رہے ہو میرے  
ہونے والے شوہر کے ساتھ۔“

مآرب نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے ساتھ بیٹھایا۔

”آہستہ بولو بے بے نے سن لینا ہے۔ بے شرم ہوتی جا رہی ہو دن بہ دن۔“

اس نے خفگی سے بھرپور نظر مآرب پر ڈال کر رخ اس کی جانب سے پھیر لیا۔

مآرب مسکرائی۔ اور اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے زیر دستی بھینچ لیا۔

”چھوڑو مجھے نہ مجھے یہ مصنوعی محبتیں دیکھاؤ۔“

عنوہ نے اسے جھکٹنا چاہا۔

”اچھا نہ میں کرتی ہوں بات یو عاں سے۔“

اس نے پچھکار تے اس کا گال زور سے چوما۔ تو وہ جھنپ گئی۔ اور دکھا دے کر خود کو چھڑوایا۔

”اومائی گوڈ عنو تم شرماء گئی۔“

مآرب نے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ عنوہ نے زور سے اسے دکھا دیا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے چارپائی پر گر گئی۔



ڈائی نگ ٹیل پہ ایکدم سناٹا چھا گیا۔ جو جہاں تھا وہی رک گیا۔ سب مآرب کو تحیر سے دیکھنے لگے تھے۔ وہ کیوں رور ہی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ اسے بزنس سے نکال دیا گیا تھا۔

کریم اعوان نے دھیرے سے پیالہ کھسکایا۔ اور اٹھ کر اس کے پاس آئے۔ اس کا سر اپنے پیٹ سے لگا اس کے سر پر جھک کر کہی بوسیں دیئے۔ مآرب نے ان کی کمرے کے گرد بازو باندھ کر دھاڑے مار کر رونا شروع کیا۔

”مآرب کیا ہوا ہے۔“

جبیں نے پریشانی سے بیٹی کا یوں رونادیکھا۔ مریم کو بے چینی ہونے لگی۔ لیکن زبان اس کی تو قینچی سے تیز تھی۔ لہذا بول ہی پڑی۔

”اچھا اب بس کرو۔ کوئی مر نہیں گیا تمہارا۔“

سیال نے بڑی بہن کو گھورا۔

”وہ رور ہی ہے مریم تم ایسے کیسے کہہ سکتی ہو بے حس لڑکی۔“

مریم نے ہاتھ جھلا کر منہ بنایا۔ اس کی حالت دیکھ کر تو داریہ کے چہرے پر بھی فکر جھلکی۔

”میری بیٹی تو بہت بہادر ہے۔ میں تو اتنا کمزور نکلا کہ یہ حقیقت برداشت ہی نہ کر سکا۔ لیکن میری بیٹی اتنے سالوں تک خود پہ سہتی رہی۔“

وہ اس کے کان میں سرگوشیانہ بولے۔ مآرب کی ہچکیاں بننے لگی۔ وہ آج کھل کر رونا چاہتی تھی۔ یہ باپ کی آغوش کتنی پر سکون تھی۔ کتنی محفوظ تھی اسے محسوس ہوا وہ ہیل ہونے لگی ہے۔

کریم اعوان نے سر جھکا کر سب سے اپنے گرتے آنسو چھپائے تھے۔

”آپ دونوں یہ کر کیا رہے ہیں۔ مآرب ایسے کیوں رور ہی ہو بیٹا۔“

جبیں پریشانی سے اٹھنے لگی۔ شوہر کے اشارے پر دوبارہ بیٹھ گئی۔

انہوں نے پیچھے ہو کر مآرب کے آنسو صاف کئے اور اس کے ماتھے پر لب رکھتے اس کا سر تپتپا کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

”کچھ نہیں ہوا میں اپنی بیٹی کو پیار کرنا چاہتا تھا۔“

مریم نے ان کی بات اچکی۔

”تبھی وہ رونے لگ گئی۔ ان التفات کی عادت نہیں ہے ناں۔“

کریم اعوان نے مریم کو گھوری دی۔ وہ شرارت سے ہنس دی۔ مآرب نے آنکھیں رگڑتے خود کو کمپوز کیا تھا۔ ماحول کافی حد تک بحال ہو گیا تھا۔

ڈنر کے بعد وہ ٹیرس پر مریم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ملازم گرین ٹی رکھ کر گیا تھا۔

مریم خاموش تھی۔ کافی سے زیاد خاموش۔ مآرب نے اس خاموشی کے دوران اس کے چہرے کو غور سے جانچا تھا۔ وہ مرجھاسی گئی تھی۔ اب وہ پہلے والی مریم نہیں رہی تھی۔

شاید اس لئے کہ پہلے اسے دنیا کے سامنے اپنی مرتج لائی ف کو پرفکٹ دیکھانا تھا۔ چہرے پر خوشی کا خول چڑھانا تھا۔ لیکن اب۔۔۔ اب کیا مسئلہ تھا۔ اب کس کو دکھانا تھا۔ اب تو دنیا جان گئی تھی کہ مریم اعوان طلاق یافتہ ہو گئی ہے۔

خاموشی سے گبھرا کر اس نے بے ساختہ اسے پکارا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”مریم۔“

مریم نے اس کی جانب دیکھا۔

”کس لمحے نے تمہارے اندر کی اچھائی ختم کر دی تھی۔“

مآرب نے مدہم آواز میں پوچھا۔ اس نے مآرب کو دیکھا۔ وہ مسکائی تھی اور نظریں پھیر کر اندھیرے میں غیر مری نقطے کو تکتے لگی۔

ذہین میں وہ لمحے کسی فلم کی طرح گردش کرنے لگے۔ جن لمحوں نے اس کی شخصیت کی نرمی چھین لی تھی۔

وہ اس شہر کے مشہور ہوٹل میں اپنی دوست سے ملنے کے بعد جا رہی تھی۔



تب لابی میں وہ چلتے چلتے ایک دم رکی تھی۔ سامنے ایک قد آدم شیشہ لگا تھا۔ جس میں پیچھے کا منظر واضح نظر آرہا تھا۔ مریم کو لگا وہ شیشہ اس کے رشتہ کا کھوکھلا پن دیکھا رہا ہے۔ وہ یک ٹک اس شیشے میں نظر آتے عکس کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں جھل اٹھی۔

اس نے ایک پل کو آنکھیں میچ کر جلن کم کرنے کی ناکام سی کوشش کی۔ اسے لگا یہ شیشہ اس پر ہنس رہا ہے۔ وہ آہستہ سے مڑی آہ کتنا دل سوز تھا اپنے شوہر کو کسی اور عورت پر التفات بھر ساتے دیکھنا۔ لیکن یہ کیا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ لڑکی پر دھیان تو اب گیا تھا۔ وہ لڑکی۔۔۔ وہ لڑکی تو وہی تھی جس کی آنکھوں کا آپریشن اس نے کروایا تھا۔ جس لڑکی کا حسن دیکھ کر اسے لگا تھا۔ کہ اس حسین لڑکی کو بھی دنیا کی رنگینی دیکھنے کا حق ہے۔ اور آج وہ اسی کے شوہر کے ساتھ رنگ رلیاں منارہی تھی۔ اس کے قدم بے اختیار ان کی طرف اٹھے۔

”ہیلو۔“

یاسر نے چونک کر آنے والی کو دیکھا۔ چونکی تو وہ لڑکی بھی تھی۔ لیکن اس نے کوئی خاص تاثر نہیں دیا۔ جبکہ مریم کو وہ اچھے سے جانتی تھی۔

مریم نے یاسر کی پریشان شکل سے منہ پھیر کر اس لڑکی کی بے نیازی کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔

”میں آج کہہ سکتی ہوں کہ میں پیدا بری نہیں ہوئی تھی۔ میں بنائی بری گئی ہوں۔ اور ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جن کو میرا احسان مند ہونا چاہیئے تھا۔ خیروش یو بسٹ اوف لک گرل۔“

ایک طنزیہ نگاہ اس لڑکی پر ڈال کر وہ وہاں سے نکل گئی۔

”جب آپ کا ترس آپ کی حساس طبیعت آپ کے منہ پر ماری جائے تب اچھائی کا حاتمہ یوں ہوتا ہے۔ جیسے بھنبھاتی میکھیوں پر سپرے کیا جائے۔“

مارب کو اس کی مثال پر ہنسی آئی۔

”تم نے اچھا فیصلہ لیا ہے مریم۔ جس رشتے میں آپ کی حفاظت پر سوالیہ نشان اٹھنے لگے اس رشتے کو جڑ سے حتم کر دینا چاہیئے۔“



مریم نے گہری سانس چھوڑتے اثبات میں سر ہلایا۔  
 مآرب کچھ یاد آنے پر بولی۔

”اور ایک بات مریم۔۔۔ تم عدت کیوں پوری نہیں کر رہی۔ تم جانتی ہوں تم خود کو کس آگ میں جھونک رہی ہو۔“  
 مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور پھر مآرب دیر تک اسے عدت پر لکچر دیتی رہی۔ تب تک جب تک وہ اسے پوری  
 تک متافق اور شرمندہ نہ کر پائی۔ آخر بہن تو مریم کی تھی ناں۔

رات کو سونے وہ اپنے کمرے میں آئی۔ موبائی ل اٹھا کر دیکھا تو یوعان شیخ کی لاتعداد مس کالز تھی۔ اس نے ہونٹ  
 کاٹتے کال ملائی تھی۔

”اسلام علیکم۔“

”وعلیکم اسلام کہاں ہے آپ۔“

سرد لہجے میں پوچھا گیا۔ مآرب نے زبان دانتوں تلے رکھی اور ایک آنکھ دبائی۔

”میں گھر آئی ہوئی تھی۔“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

”تو آپ کو مجھے لٹلیسٹ بتاؤ دینا چاہیئے تھا ناں مآرب۔ نہ مجھے آپ کا کوئی اتا پتا ہے نہ آپ کال اٹھا رہی ہے۔ میری  
 حالت کے بارے میں اندازہ لگا سکتی ہے آپ۔“

مآرب اس کے لہجے میں غصہ محسوس کرتی شرمندہ ہوتی بیڈ پر گرنے والے انداز میں لیٹی اور بولی۔

”تو اپنے منہ سے پوچھ لیتے جو آپ نے میرے پیچھے لگا رکھے ہیں۔“

یوعان شیخ ایک لمحے کیلئے چپ کر گیا اس نے وار ہی ایسا کیا تھا۔

”وہ منہ نہیں گاڑ دے جو آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اور میں پریشان تھا میرے ذہن سے وہ بالکل ہی نکل گئے  
 تھے۔“

اس کے پیٹ میں تتلیاں سی اڑھنے لگی۔ مسکراہٹ اتنی بے ساختہ ہونے لگی کہ وہ کوشش کے باوجود بھی ضبط نہ کر پائی۔

”آپ میرے لئے خوا مخوا پریشان ہوئے۔“

یوعان نے موبائی ل کو یوں گھورا۔ جیسے وہ موبائی ل نہ ہو مآرب ہو۔

”میں خوا مخوا پریشان نہیں ہو رہا تھا پاگل عورت میں اپنی بیوی کیلئے پریشان ہو رہا تھا۔ جس نے دوست کم اور دشمن زیادہ بنائے ہیں۔“

وہ اس کے مسکراتے لہجے پر سلگ اٹھا۔

مآرب کی شوخی بھک سے اڑھی۔

”یوعان میں آپ کو عورت لگتی ہوں۔“

یوعان کو سمجھ نہ آئی اس سوال کا تک کیا بتاتا تھا یہاں۔

مجھے لگنے کا کیا مطلب مآرب جب آپ عورت ہی ہے تو۔

مآرب کا منہ کھل گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر شیشے پر تک آئی۔ خوب غور سے دائی بائیں اپنا چہرہ دیکھا۔ وہ ستائیس کی ہونے والی تھی لیکن لگتی اب بھی انیس بیس کی تھی۔ پھر وہ اسے عورت کیسے کہہ سکتا تھا۔

”آپ کا یوعان صاحب دماغ خراب ہو گیا ہے اور اب آپ میرا بھی خراب کر رہے ہیں۔ اب فون رکھے مجھے نیند آرہی ہے۔“

یوعان کے ماتھے پر بل در آئے۔

”آپ رات گزارنے والی ہے وہاں۔“

”رات کا ایک ہونے والا ہے ظاہر سی بات سے میں رات یہی گزار رہی ہوں۔ اب اس وقت تو میں گھر آنے سے رہی۔“

”کیا مطلب مآرب میری بات۔۔۔۔۔“

مآرب نے ٹک سے کال کاٹ دی۔ موبائی ل سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پلنگ پر گرتے ہی آنکھیں موند لی۔

وہ بلا عورت کیوں ہونے لگی۔ ہنہ پاگل انسان اسے عورت کیسے کہہ سکتا ہے۔  
 ناک منہ بسورتے اس نے بند آنکھوں سے سوچا۔  
 کیا میں فیلرز کرواؤں۔  
 یہ خیال آتے ہی پٹ سے آنکھیں کھولی۔

اگلے دن جب وہ عصر کے وقت آئی تو اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یوعان اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا۔  
 وہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد مسئلے پر ہی بیٹھی تھی۔ اس کی آمد سے تیز زدہ ہو گئی گھڑیال کی جان دیکھا۔ یہ اس کے  
 آفس سے آنے کا وقت تو نہیں تھا۔  
 ”اسلام علیکم کیسے ہیں۔“

وہ آتے ہی بیڈ پر نیم دراز ہوا تھا۔ مارب کو تشویش ہونے لگی۔ جمائے نماز سمیٹ کر اس کے پاس آئی۔  
 ”وعلیکم اسلام کب آئی آپ۔“  
 ”آدھا گھنٹا پہلے۔“

”آپ جلدی آگئے آج۔“

اسے یوں بے دم سا پلنگ پر گرتے دیکھ وہ تشویش میں مبتلا ہوئی۔

”پیٹ میں درد تھا ہلکا سا تو آرام کرنے آگیا۔“

یوعان نے آنکھیں کھولی تو نظر اس کے دوپٹے کے ہالے میں لپٹے چہرہ پر گئی۔ اس کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔  
 ”کہاں درد ہے۔“

مارب کو فکر ہونے لگی۔

”پیٹ کے درمیان میں زیادہ نہیں ہیں بس تنگ کر رہا ہے۔“

”میں تھوہ بنا کر لاتی ہوں۔ ساتھ میں اجوائی ن بھی درد میں افاقہ ہو گا۔“

وہ دوپٹہ اتارتی کمرے سے نکلی۔ یوعان ہولے سے ہنس دیا۔

مارب نے یقیناً یہ دیسی پن بے بے سے سیکھا تھا۔

تھوڑی دیر گزری کہ وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس بار ہاتھ میں ٹرے بھی تھی۔

”یوعان اٹھ کر فریش ہو۔ پھر یہ قہوہ اور اجوائی ن کھائی یں گا۔“

مارب نے ٹرے پلنگ کے ساتھ میز پر رکھی۔ اور اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

”میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ ابھی آپ سے بھی حساب کتاب رہتا ہے۔ ادھر ہی رہیں گا۔“

”کون سا حساب کتاب۔ میں نے کون سا آپ کی جائیداد اپنے نام کروائی ہے۔“

وہ تندہی سے بولی۔ لیکن یوعان تب تک واش روم میں گھس چکا تھا۔

وہ قرآن اٹھا کر سورہ رحمن کی تلاوت کرنے لگی۔

ایک بار بے بے نے اس سے کہا تھا۔

”مارب نماز پڑھا کرو یہ تمہارے ایمان کو زندہ رکھے گی۔“

اور مارب نے ان کی یہ بات پہلے باندھ لی تھی۔

وہ غسل خانے سے نکلا تو بھورے رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔

ایک پر تبسم نگاہ شد و مد سے تلاوت کرتی مارب اعوان پر ڈال کر وہ خود بھی نماز کیلئے گھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر سلام پھیر کر دعا مانگتے وہ اٹھ کر مارب تک چلا آیا۔ جو قرآن مجید بند کر رہی تھی۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس لیٹا سر اس کی گود میں رکھ گیا۔

مارب اعوان کیلئے یہ زرا غیر یقینی عمل تھا۔ لہذا وہ میز پر قرآن رکھتے رکھتے ایک پل کو ٹھٹھک سی گئی۔

”حیریت ہے یوعان صاحب آپ کے انداز تو کافی محبوبانہ لگ رہے ہیں۔ نشہ و شہ تو کر کے نہیں آئے۔“

اس کے ماتھے پر بکھرے بال ہٹاتے وہ شرارتاً بولی۔ تو وہ بند آنکھوں سمیت مسکایا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے۔ کون سا نشہ کیا ہو گا میں نے۔“

مارب کی آنکھیں پھیل گئی۔

”کیا مطلب سچ میں کہی چرس سھنگا آئے ہیں کیا۔“

یوعان نے پٹ سے آنکھیں کھولی۔

اس کے ہوائی اڑھے چہرہ کو دیکھ کر اس کی ہنسی نکل گئی۔ وہ دھیمساہنتے چہرہ اس کے پیٹ میں چھپا گیا۔ اس کے بازو اپنی کمر کے گرد بندھے محسوس کرتے مآرب کا دل سمٹ کر رہ گیا۔

”میں نے آج تک خالی سگریٹ تک کو ہاتھ نہیں لگایا تو نشہ کیا کرتا۔ آپ بے فکر رہے مآرب آپ کا شوہر اپنی کلاس کے ڈرک زون سے مکمل طور پر محفوظ ہے۔“

مآرب نے مسکراتے لب بھینجتے اس کے بالوں کو نرمی سے سہلایا۔

”میں کل بے بے سے ملنے گئی تھی یوعان۔ وہ آپ کا پوچھ رہی تھی۔ آپ کسی دن میرے ساتھ چکر لگائی گا۔ انھیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔“

یوعان نے ہلکا سا سر کو اثبات میں جنبش دی۔

چہرہ ہنوز اس کے پیٹ میں چھپا ہوا تھا۔

”اور مجھے پوچھنا تھا۔۔۔۔۔ یوعان سوگئے ہیں کیا۔“

اس کی بھاری سانسیں محسوس کرتے اس نے جھکتے پوچھا۔

”ابھی نہیں آپ بولئے کچھ کہہ رہی تھی۔“

وہ نیند سے بھاری ہوتی آواز میں بولا۔

”عیسیٰ کے بارے میں پوچھنا تھا۔ آپ کا رابطہ ہوا ان سے۔“

”نواز کو سونپا ہے یہ کام۔ مجھے مکمل یقین تو نہیں مگر پختہ شک ہے کہ وہ اٹلی میں ہے۔ خیر آجائے گا کچھ دنوں تک۔“

”ہمممم چلے آپ سو جائیں۔ ویسے تو عصر کے بعد سونا کچھ خاص بہتر نہیں ہوتا۔ اور آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ کہے تو کچھ بنا دوں۔“

اس کا سر تکیے پر رکھتی وہ پلنگ سے اتری۔ یوعان نے نفی میں سر ہلایا۔ درد میں کچھ افاقہ آیا تھا۔ کھانا کھاتا تو دوبارہ درد اٹھتا اس لئے اس نے فلحال سونے کو ترجیح دی تھی۔

”جاتے ہوئے لائیٹ اوف کر دے میں تھوڑی دیر کیلئے آنکھیں بند کر لوں۔“  
آنکھیں موندتے اس نے چہرہ تکیے میں گھسایا۔ تو مآرب لائیٹ بند کرتی باہر نکل گئی۔

ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد وہ اٹھا تو اسے ہلکا ہلکا سا پیٹ کے درمیان اب بھی درد ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔

شام تک یہ درد نیچے آتے پیٹ کے داہنی طرف آنے لگا۔  
اس نے معدے کی دوائی لی لی۔ کہ شاید بد ہضمی ہوئی ہو۔  
اس وقت رات کے شاید دو ہونے والے تھے۔ یوعان کی آنکھیں درد کی شدت سے کھلی تھیں۔ پیٹ کے داہنی حصے میں شدید درد تھا۔ درد کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ وہ ضبط کرتے کرتے پیلا پڑنے لگا۔ مآرب جو لیپ ٹاپ میں سر دیئے مصروف تھی۔ کراہنے کی آواز پر کھٹکھی۔ غیر اراداً نظر ڈالنے کو دوائی یں جانب مڑی۔ تو یوعان کو یوں درد سے بے حال ہوتے دیکھ بے طرح چونکی۔ لیپ ٹاپ سرعت سے بند کرتے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔  
”یوعان کیا ہوا ہے۔“

یوعان نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہونٹ بے دردی سے کاٹتے کراہیں روکی تھیں۔

My belly is bursting. Ahhh it hurt so bad Maarb.

مآرب اس کی حالت دیکھ کر ہاتھ پاؤں چھوڑنے لگی۔ اس نے پریشان سے کچھ نہ سوچتے آیت الکرسی کا ورد شروع کیا۔  
لیکن درد شاید آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ وہ بے بسی سے اسے تڑپتا دیکھ رہی تھی۔ اس نے بدحواسی میں اپنا موبائل ڈھنڈنا چاہا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

”یوعان آپ لیٹے۔“

”مآرب چپ رہے یا۔ مجھے کوئی پین کلر لادے درد ٹھیک ہو جائے گا۔“

وہ بیزاری سے بولا۔ مآرب نے اس کے کندھوں پر زور ڈالتے اسے پیچھے کی جانب گرایا۔  
 ”میں یہاں ہاتھ سے ہلکا سادباؤں گی۔ آپکو زیادہ درد محسوس ہوا آپ فوراً بتائیں گا۔“  
 مآرب نے اس کے پیٹ کے داہنی جگہ ہاتھ سے ہلکا سادباؤ دیا۔ یوعان نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔  
 ”آہ مار ہی دے آپ مجھے۔“  
 درد سے سرخ پڑتا وہ خفگی سے بولا۔  
 مآرب تیزی سے بستر سے کودی۔  
 ”مجھے لگتا ہے آپ کو آپنڈسائیٹ کا درد ہے۔ اٹھے چنچ کرے ہم ہو اسپتال جا رہے ہیں۔“  
 پھر اس نے یوعان کے نہ نہ کرتے بھی اس کو رات کے ساڑھے دو بجے ہسپتال پہنچایا تھا۔

اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔ یوعان شیخ کو اپنڈسائیٹ کا ہی درد تھا۔ ڈاکٹر نے معافی نے کے بعد فوراً اسے اپریشن تھیٹر بھیجا تھا۔ کہ اگر زرا سی تاخیر ہوتی تو اپنڈکس پھٹنے کا خطرہ تھا۔  
 ڈاکٹر ز سے بات کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ آکر بیچ پر بیٹھ گئی۔ جس کا سر جھکا ہوا تھا۔  
 ”رو کیوں رہے ہو ٹھیک ہو جائیں گے وہ۔“  
 یوشع نے آستینوں سے آنسو پونجے۔  
 ”وہ میرے بھائی ہے۔“  
 جتایا گیا کہ بھئی میرا بھائی تکلیف میں ہے۔  
 ”ہاں تو میرے بھی تو شوہر ہے۔ میں تو نہیں رورہی۔“  
 ”میں اس لئے رورہا ہوں کیونکہ مجھے ان سے بہت محبت ہے مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے۔“  
 ”محبت تو مجھے بھی ہے۔“

مآرب کی تیوریاں چڑھی۔

”مجھے زیادہ ہے۔ اور فکر مجھے بھی ہو رہی ہے۔“

”مجھے زیادہ ہو رہی ہے۔“

مآرب نے منہ چڑھایا۔

”سہی بول رہے ہو اتنی ہو رہی ہے کہ ادھر بیٹھ کے رو رہے ہو۔ مرنہیں رہے وہ۔ ایک چھوٹا سا پنڈکس کا اپریشن ہوا ہے۔“

یوشع نے جھٹکے سے سراٹھا کر صدمے سے اسے دیکھا۔

”کس طرح بول رہی ہیں آپ مرنہیں رہے ہیں۔ میں بھائی کو بتاؤں گا یہ بات۔ اور اپریشن چھوٹا ہو یا بڑا اپریشن اپریشن ہی ہوتا ہے۔ اتنے ہی اگر وہ ٹھیک ہوتے تو اپریشن کی ضرورت ہی کیوں پڑتی کیا ہوتا اگر اپریشن کے دوران ان کی حالت بگھڑ جاتی خدا نخواستہ ان کو کچھ ہو جاتا تو۔“

مآرب نے حیرت سے ہنکارا بھرا۔

تم نے بیسک سائی نس نہیں پڑھی کیا۔ یہ ایک جنرل نوٹ والی بات ہے یوشع اپنڈ سائیٹ میں کوئی انسان مرنے نہیں ہے۔ چھوٹا سا اپریشن ہوتا ہے یہ۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوشع نے منہ بنایا جیسے کہہ رہا ہو کچھ بھی۔

مآرب نے لمبی سانس لیتے جیسے غصہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ بولی۔

”تم نے انکل انٹی کو کال کی۔“

یوشع نے سردیوار سے ٹکایا اور لا پرواہی سے بولا۔

”کی ہے لیکن وہ آئی یں گے نہیں۔ ماما پاکستان سے باہر ہے آج کل وہ اپنے فیشن شو میں مصروف ہے۔ اور بابا کسی

میٹنگ میں۔ شاید کچھ گھنٹوں میں میٹنگ ختم ہو اور وہ آجائے۔“

مآرب نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا وہ حالی تھے بالکل ایسے ہی جیسے ان کے ارد گرد رشتے احساس سے حالی تھے۔



اس نے ہاتھوں سے نظریں ہٹائے بغیر اسے پکارا۔ یوشع نے سر گھما کر اسے دیکھا تھا۔

اس نے نظریں یوشع کی جانب کر دی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”آپ کہنا چاہتی ہے کہ آپ ایک ای ٹیڈیل تائی ثابت ہوگی۔“

یوشع نے آنکھیں سیڑ کر پوچھا۔

مآرب نے فخریہ گردن اکڑائی۔

”ہاں۔“

یو شمع مسکرایا۔ اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اس نے اس لمحے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی آنے والی نسل کیلئے ایڈیل چاچو بنے گا۔ وہ یوعان شیخ کے بچوں کیلئے بالکل ویسے ہی محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو گا جیسا یوعان شیخ اس کیلئے تھا۔ اس نے سینے پر بازو باندھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے دیوار سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لی۔ بند آنکھوں کے پیچھے کچھ مناظر واضح ہوئے۔

”بھائی۔“

آواز ایک کراہ کی صورت اس کے سینے سے نکلی تھی۔

زمین پر بے یار و مددگار پڑا خون میں لت پتا سانسوں کیلئے تڑپتا وہ سولہ سال کا لڑکا یوشع شیخ اپنے بھائی کو پکار رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اللہ کے سواء واحد اس کا بھائی ہے جو اسے زندگی عطا کرنے کیلئے اپنی سانسیں تک ہار سکتا ہے۔

اس نے بند ہوتی آنکھیں بڑے جتن سے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حواس دغا دے کر ساتھ چھوڑنے کے درپر تھے۔

”تو کیسا لگ رہا ہے موت کو اتنے نزدیک سے محسوس کرتے ہوئے۔“

گلے میں زنجیروں کا انبار پہنے اس کے سامنے پنچوں کے بل بیٹھا وہ لڑکا اپنے حلیے سے ہی حالص اوباش قماش کا لگ رہا تھا۔

”بھائی۔“

اس کے لہو لہان لبوں سے الفاظ پھونک کی صورت نکلے تھے۔ لڑکے کا جاندار قہقہ فضا میں گھونجا تھا جس میں اس کے دوستوں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

اس نے اٹھنے کی نجیف سی کوشش کی تھی۔ لیکن پاس کھڑے دوسرے لڑکے کے اس کے سر پر پیر رکھنے سے اس کی کوشش ناکام ہوتے اسے اذیت سے چیخنے پر مجبور کر گئی۔

”تمہارا بھائی۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔ جانتے ہو جسے تم بھائی کہتے ان درد کے لمحات میں پکار رہے ہو وہ تو تمہاری ماں کا جناہی نہیں ہے۔“

اس کے تمسخرانہ لہجے پر وہ پر زور انداز میں نفی میں سر ہلانے والا تھا لیکن سر پر زور پڑنے سے بس سسکاری ہی نکل سکی۔

”تم آج پیسے کے گھمنڈ میں قدموں پڑے سسک رہے ہو اور میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر تمہیں قدموں تلے روندنے کو تیار ہوں اور دیکھو مجھے روکنے والا بھی کوئی نہیں۔“

اس کے کان میں پھنکار تا وہ ایک آخری وار سے اس کی سانس سینے میں اٹکاتا اسے خون میں لدھا چھوڑے وہاں سے جا چکا تھا۔

منظر بدلا تھا اب وہ ہسپتال کے بستر پر پڑا بیٹوں میں جکڑا ہوا تھا۔

”کس نے مارا ہے تمہیں۔“

غضب سے سرخ پڑتا چہرہ لے یو عان شیخ طیش زدہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی پٹیوں میں ہو سٹیل کے بیڈ پر ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ جسم کا کوئی ایسا حصہ نہ بچا تھا جس پر تشدد نہ کیا گیا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے منہ سے اکسیجن ماسک ہٹا کر یوشع نے خشک پڑتے ہوٹنوں سے بمشکل ٹوٹے پوٹے الفاظ ادا کئے تھے۔

”سنائی رزتھے میرے۔“

(سنائی رزتھے میرے۔)

”لیکن ان کی تمہارے ساتھ کیا دشمنی تھی۔“

حسن شیخ فکر مندی سے بولے۔ یوشع نے آنکھوں کے اشارے سے بھائی کو نزدیک بولایا۔ یو عان کی بھنویں یں تھیر سے ہلکی سی سسٹی۔ اور آہستہ سے اس پر جھکا۔ زخموں سے چور یوشع نے اپنے بھائی کے کان میں سرگوشیانہ کچھ الفاظ ادا کئے تھے۔

و۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔جھے ہر۔۔۔۔۔س کرنا۔۔۔۔۔چاہتے۔۔۔۔۔تھے۔۔۔۔۔They want my body۔۔۔۔۔

وہاں وجود کوئی بھی سن نہ سکا۔ لیکن یوشع شیخ کے بھائی کا چہرہ غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ پڑتا دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ ان لڑکوں کو چھڑپاڑ کر رکھ دے گا۔ اپنے بھائی کی بات سن کر جب وہ سیدھا ہوا۔ تو اس کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ اب خطرناک صرف اس کی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ جو گہری کالی سرد بریلی ہو چکی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اور پھر کچھ دیر بعد یوشع نے ان لڑکوں کو خبروں کی زینت بننے دیکھا تھا۔ ان پر اتنا ہی تشدد ہوا تھا جتنا یوشع شیخ کے وجود پر۔ نہ ایک زخم کم نہ ایک زخم زیادہ۔ یو عان شیخ نے بڑی نفاست سے ان لڑکوں کو پیٹا تھا۔ اس واقعے کے بعد سے یو عان شیخ نے یوشع شیخ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اسے کراٹے سکھائے۔ اسے اتنا مضبوط بنایا کہ آج وہ دس بارہ لوگوں کا اکیلے بڑی آسانی سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہاں یوشع شیخ کو بس ایک ہی چیز رولا سکتی تھی۔ اور وہ تھی یو عان شیخ کی تکلیف۔ جیسے تھوڑی دیر پہلے وہ بچوں کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔

”تم بہت خوبصورت ہو۔“

اس وقت وہ ڈاکٹر زکے دیئے نشے کے زیر اثر تھا۔ تبھی ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔ مآرب احتیاط سے اس کے سینے پر تھوڑی ٹکائے موقعے کا فائدہ اٹھاتے اپنی مرضی کی باتیں اس سے نکلوا رہی تھی۔

”اچھا۔“

”ہمم۔۔۔۔۔ تم مجھے ناں پہلی ملاقات میں ہی پیاری لگی تھی۔ تمہاری آنکھیں۔۔۔۔۔ میں پہلی بار انہیں نزدیک سے دیکھ کر۔۔۔۔۔ دیوانہ ہوا تھا۔“

مآرب نے کہنی اس کے پیٹ سے گزار کر دوسری طرف ٹکائی اور مٹھی بنا کر چہرہ گال کے نیچے رکھے مسکراتے ہونٹوں سے اسے دیکھنے لگی۔ جو کبھی بند کبھی کھلی آنکھوں سے مدہوش لہجے میں وہ سارے خیال اگل رہا تھا۔ جو وہ اگر ہوش میں ہوتا تو اسے ظاہر کرتے صدیوں لگ جاتے۔

”باوجود اس کے۔۔۔۔۔ کہ آپ کی بھنوں۔۔۔۔۔ پلکیوں اور ہونٹوں پر کافی۔۔۔۔۔ محنت کی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی۔۔۔۔۔ مجھ سے پوچھے یو عان شیخ۔۔۔۔۔ تمہیں اس دنیا میں سب سے دلکش چہرہ کس کا لگتا ہے۔“

۔۔۔۔۔ تو میں بلا جھجک آپ کا نام لوں گا۔۔۔۔۔ مآرب۔“

مآرب کے گال گال بھکرنے لگے۔ وہ شرماہٹ سے ہنس پڑی۔

”میں اتنی اچھی لگتی ہوں آپ کو۔“

وہ ہونٹ چباتے اور سننے کی خواہاں خاں تھی۔

”ہاں ناں۔۔۔۔۔ مجھے اپنی دنیا کی۔۔۔۔۔ کسی لڑکی نے اتنا متاثر اور متوجہ نہیں کیا۔ جتنا مجھے اپنی بیوی نے کی۔۔۔۔۔ کیا ہے۔“



”میں چاہتا ہوں آپ مجھ سے۔۔۔۔۔ چار قدم آگے چلے جو کامیابی مجھ تک آنے کا راستہ۔۔۔۔۔ ڈھنڈیں وہ پہلے آپ کے قدموں سے ٹکرائے۔ پھر میں کیسے آپ کو رسوا۔۔۔۔۔ کر سکتا ہوں آپ کا کرائی پر خراب کر سکتا ہوں۔“

وہ اس کے سینے پر سر ٹکا کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

یوعان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ مارب آپ رو کیوں۔۔۔۔۔ رہی ہے۔“

مارب کے رونے میں تیزی آئی۔ اب وہ اسے اس نشے کی حالت میں کیسے بتاتی کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

یوعان شیخ بند ہوتی آنکھوں سے اس کا سر تپک رہا تھا۔

یہ جو آپ لوگ قسط پڑھ کر ریویو دیئے بغیر چلے جاتے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں بہت برا پیش آؤں گی میں۔ قسط زرا سی لیٹ ہو جائے تو مجھے پابلیشر کے پیغام آتے ہیں کہ ریڈرز قسط مانگ رہے ہیں۔ اور میں حیران و پریشان کہ کون سے ریڈرز جن کا مجھے پتا ہی نہیں ہے۔ جب آپ لوگ ناول پڑھتے ہیں اور آپ کو پسند بھی آتا ہے تو ریویو دیتے کیا موت آتی ہے۔

اگلے مہینے کی قسط میں نے تب تک نہیں دینی جب تک مجھے اس قسط کا ڈیٹیل ریویو نہ ملے۔ چاہے پروہ آپ مجھے انسٹاپہ کرے۔ (daneen khan Novelist) یا پھر پابلیشر کے ذریعے مجھ تک پہنچائے یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔

یو عان شیخ نشے کے زیر اثر دوبارہ سوچکا تھا۔ وہ یوشع کو ڈوہنڈنے کمرے سے باہر نکلی۔ تو سامنے ہی عجلت میں بھاگتا شاہ نواز اسی کی جانب آرہا تھا۔

مارب دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

”اب یہ نواب الگ سے باتیں سنائی یں گے۔“

وہ نزدیک آکر رکا۔

”سر کیسے ہیں بی بی۔ آپ کو مجھے رات کو ہی کو فون کرنا چاہیئے تھا۔ آپ اکیلی ہی سر کو لے کر آگئی۔“

شاہ نواز صاحب سخت برہم دیکھائی دے رہا تھا۔ مارب نے ایک بھنواچکا کر اس کا انداز ملاحظہ کیا۔ جس کے ماتھے پر انگنت بل تھے۔

”جب میں خود ڈرائیو کر کے ہسپتال آسکتی تھی تو آپ کو آدھی رات کو زحمت کیوں دیتی۔ اور اس وقت آپ کو میں

نے فون کر کے یہاں بلایا ہے۔ صرف اس لئے کہ آپ کے محبوب آنکھ کھلنے کے بعد آپ کا ہی پوچھیں گے۔“

وہ تیکھے پن سے بولی۔ تو شاہ نواز نے حقیقی سے اسے دیکھا۔

پیچھے سے یوشع ناشتے کی ٹرے لے ادھر ہی آرہا تھا۔

”شاہ بھائی۔“

”تم بھی ادھر موجود ہو۔“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے حیرت سے اسے دیکھ کر مارب کو ملامت کرتی نگاہوں سے دیکھا۔

”اسے بھی رات کو بلا چکی ہے۔ مجھے فون کرتے آپ کو کیا تکلیف ہو رہی تھی۔“

مارب نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

”تکلیف تو کوئی نہیں تھی۔ اور اسے اسی لئے بلایا۔ کہ یہ پھر بچوں کی طرح باں باں کرتے روتا۔ کہ مجھے میرے بھائی

کے آپریشن میں نہیں بلایا گیا۔ جیسے بھائی کا آپریشن نہیں قل ہو گیا۔“

وہ دونوں صدمے سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ پھر یوشع کی چیخ ہسپتال کی راہداری میں گھونجی۔



”میں نے آپ کو جان سے مار دینا ہے۔ اب تو میں پکا بھائی کو بتاؤں گا۔ آپ دو مرتبہ ان کے مرنے کا ذکر کر چکی ہے بے حس عورت۔“

مآرب ہاتھ جھلا کر شاہ نواز کے پیچھے چل دی جو کمرے میں داخل ہوتے کہہ رہا تھا۔  
 ”میں ناشتہ لایا ہوں آپ دنوں آکر کر لیجئے۔“  
 یوشع نے بے بسی سے ہاتھ کی مٹھی بنا کر ہوا میں لہرائی۔

جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو کمرے میں اسے صرف مآرب ہی دیکھی۔  
 وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اس کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔ وہی کل والے کپڑے پہنے بال بھی الجھے الجھے سے تھے۔ لیکن اس وقت وہ یوعان شیخ کو بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔  
 اور اس نے کہہ بھی دیا۔

”You are so beautiful Maarib.“ اس کی دوائیاں چیک کرتی وہ مصروف سے انداز میں بولی۔  
 ”ہاں وہ تو مجھے پتا ہے۔ لیکن آپ کو پتہ ہے میں ایک لمحے کیلئے بھی ادھر سے نہیں ہٹی۔ یاد ہے جب مجھے گولی لگی تھی اور آپ مجھے چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ لیکن میں نہیں گئی۔“  
 وہ بے نیازی سے جتا رہی تھی۔ اور یوعان مسکرا رہا تھا۔  
 مآرب وہ عورت تھی جو احسان کرے گی تو پھر جتاے گی بھی ضرور اور اب یہ احسان اس نے عمر بھر اپنے شوہر کو جتنا تھا یہ اب وہ اس لمحے جان گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کو تکتے وہ بے ساختہ گنگنایا۔  
 ”تمہاری سیاہ آنکھوں کی گردش مجھے پسند ہے۔“  
 تمہاری نگاہ میں دریا کی لہریں مجھے پسند ہے۔“



اس کے ہاتھ کی حرکت رکی۔ نظریں اٹھا کر مشکوک سے انداز سے میں اسے دیکھا۔  
”آپ کا نشہ نہیں اترا۔“

اسے شرمانا چاہیئے تھا لیکن نہیں۔ یوعان شیخ بے آواز ہنس دیا۔  
اسے خود سے بھی شکوہ ہوا تھا اس پل۔ کیا وہ اپنی بیوی کی اتنی خوبصورت بیوی کی تعریف نہیں کیا کرتا تھا۔ جو وہ اسے  
مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

معاً گرے کا دروازہ کھلا۔ یوشع اور شاہ نواز آگے پیچھے داخل ہوئے۔ یوشع تو سیدھا یوعان کے پاس آ کے ٹک گیا۔  
”بھائی۔“

اس کی شکل روہانسی ہوئی پڑی تھی۔  
یوعان نے نرمی اس کے بال سہلائے جو اس کے سینے پر سر رکھ چکا تھا۔ شکل ایسی تھی کہ ابھی رو دے گا۔ مآرب  
آنکھیں گھما کر دوبارہ دوائی یوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کیسے ہیں سر۔“

شاہ نواز بیڈ کے پاس کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔

”ٹھیک بس سچڑ میں ہلکا سا درد ہو رہا ہے۔“

وہ آہستہ سے بولا۔ شاہ نواز تیزی سے کرسی سے اٹھا ارادہ پین کلو دینے کا تھا۔ کہ مآرب نے اسے ہاتھ سے واپس بیٹھنے کو  
کہا۔

”بیٹھو تم میں دوائی دے رہی ہوں۔“

مآرب جب کچھ ہی دیر میں اسے دوائی کھلا چکی تب اس کی کروائی دیکھتے یوشع سے اس کی اتنی خدمت گزاری ہضم نہ  
ہوئی۔ تب وہ بھائی کے نزدیک ہوا۔

”بھائی۔۔۔ انہوں نے دو مرتبہ آپ کے مرنے کی بات کی ہے۔ آپ کو پتا ہے یہ کیا کہہ رہی تھی۔“

یوشع اپنے بھائی سے شکایتیں لگا رہا تھا اور وہ گردن اکڑائے کچھ فاصلے پر جا کے بیٹھ گئی کہ بھئی کوئی غلط بات تو نہیں  
کی تھی۔

یوعان نے مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی۔ آج یہ لڑکی بڑی دل کو بھاری تھی۔  
 ”میرے شوہر کے کان نہ بھرو یوشع شیخ۔ میں نے مرنے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ تو تمہاری نالائقی تھی۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ اپنڈ نکس کے آپریشن سے کوئی مرنا نہیں ہے۔“  
 یوشع شیخ پاہو گیا۔ شاہ نواز نے مڑ کر ایک سنجیدہ نگاہ اپنی بی بی پر ڈالی پھر یوعان کو دیکھا۔ نظروں کا خاموش تبادلہ ہوا اور پھر دونوں مسکردیئے۔ شاہ نواز نے پھر سے ایک نظر مآرب کو دیکھا اور پھر سر پیچھے کو گرائے ہنس دیا۔  
 مآرب اور یوشع کچھ حیرت زدہ تھے۔ جب کہ یوعان شیخ نے ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائی۔  
 شاہ نواز کے قہقہہ میں ایک مسرت سی تھی۔ یوعان شیخ کی آنکھوں میں مآرب اعوان کی محبت کے جگنو دیکھتے وہ سرشار ہی تو ہوا تھا۔ اس قہقہہ میں سرور تھا خوشی تھی۔ تو بلا آخر اس کے باس بھی اس راہ کے باسی بن ہی گئے۔

چار دن بعد وہ ڈسچارج ہو کر کر جیسے ہی اپارٹمنٹ آیا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد گھنٹی بجی اور یک بعد دیگرے دو ہستیاں وارد ہوئی۔ اب منظر کچھ یوں تھا کہ صوفہ کم بیڈ پر یوعان شیخ نیم دراز تھا۔ اور سامنے پچیس منٹ سے ایک دوسرے کو گھورتے عیسیٰ بلال اور عنوہ حمید آمنے سامنے براجمان تھے۔ باقی تینوں کچن میں یوعان کیلئے پرہیزی کھانے بنانے میں مصروف تھے۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا خالی آنکھوں سے نگلنے کا کیا فائدہ۔ اگر عنوہ جی کو غصہ ہے تو کچن سے کوئی بھی بھاری برتن لے کر عیسیٰ بھائی کا سر پھوڑ دے ناں۔“

انڈے پھیلتے یوشع آہستہ بول رہا تھا۔ تاکہ آواز کچن سے باہر نہ جائے۔ شاہ نواز نے ایک غصیلی نگاہ یوشع پر ڈالی۔  
 ”اس کا تو نہیں پتا دیور جیمیسی لیکن اس کے نام کے آگے جی لگانے پر وہ تمہارا سر ضرور پھوڑ سکتی ہے۔ جس کا یقیناً مجھے آفسوس ہو گا بھلا میرا ایک ہی ایلکو تا دیور ہے۔ میں کیسے اس کی میت کا سوگ مناسکتی ہوں۔“

مآرب اس کے کان کے نزدیک ہوتی اسی کی طرح آہستہ سے بولی اور اس کے ہاتھ سے انڈوں کا باول لے کر سوپ میں ڈالتے اسے مکس کرنے لگی۔ دیکھے بغیر بھی اسے یقین تھا یوشع شیخ صدمے میں جا چکا ہو گا۔

”پچیس منٹ سے ہو رہی ان آنکھوں کی گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا۔“

یوعان نے گلا کھنکھارتے ان کا تسلسل توڑنے کی کوشش کی تھی۔

عیسیٰ نے گہری سانس بھرتے کچن سے باہر آتے مآرب کو مخاطب کیا۔

”آپ کی دوست جو چاہتی ہے وہ ممکن نہیں ہے۔“

اس کا لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔ مآرب نے سوپ کا باول یوعان کے سامنے رکھا۔ اور مڑ کر انگلیوں سے ہونٹوں پر زپ کا نشان لگاتے خود کو برا الزمہ کرتے یوعان کے ساتھ ہی ٹک گئی۔

البتہ عیسیٰ کی بات کا جواب عنوہ نے بھڑک کر دیا تھا۔

”کیسے ممکن نہیں ہے۔ کرنا کیا ہے تم نے بس تین بار قبول ہے بولا ہے۔ اتنا تم سے نہیں ہو گا یہ تو شکر کرو میں نے

تارے توڑ کر لانے کو نہیں بولا۔ تمہاری تو مشقت سے جان چلی جاتی۔“

شاہ نواز اور یوشع سب کیلئے چائے اور کھانے کی کچھ چیزیں لے وہی آکر بیٹھ گئے۔ اب صرف تماشہ دیکھنا تھا۔

”مسٹر شیخ آپ مولوی صاحب کو بلائے۔ بلکہ خود ہمارا نکاح پڑھا دے۔ یہ انسان ایسے نہیں ماننے والا۔ میں تو آج ادھر سے مسز بلال بن کے ہی نکلوں گی ورنہ کوئی مجھے نکال کے دیکھائے۔“

عنوہ یوعان سے بولتی پاؤں سمیٹ کر آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ اب تو لڑکی بھٹی ضد میں آگئی تھی۔

عیسیٰ نے سرد نظروں سے دیکھا۔ یوعان نے مآرب کو دیکھا جو دانتوں میں ناخن دبائے فکر مند سی اس کے زخم کی فکر میں گھل رہی تھی۔

یوشع نے خاموشی سے سب کے چہروں کو تکتے شامی کباب پورا کا پورا منہ میں رکھا۔ جبکہ دوسرے ہاتھ جس میں چائے کا بڑا سا ماگ تھا وہ گھونٹ پہ گھونٹ بھر رہا تھا۔

”جب میں تم سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں۔۔۔۔۔“

”شاہ نواز مولوی کا بندوبست کرو تو راسے اگلے گھنٹے میں یہ معاملہ نمٹ جانا چاہیئے۔“

عیسیٰ کی بات کا ٹٹی مارب اعوان سپاٹ لہجے میں بولی۔

عنوہ کے تو خوشی سے بھانچیں کھل گئی۔ باقی سب حیرت سے اسے تنکنے لگے۔ جبکہ عیسیٰ بلال تڑپ ہی تو گیا۔

”عجیب زبردستی ہے میں کرنا ہی۔۔۔۔۔“

”انفففف۔۔۔۔۔ میرے شوہر کا چار دن پہلے آپریشن ہوا ہے۔ اسے یہاں فیصلہ کرنے بیٹھایا ہے کچے زخم کے ساتھ

اور تم لوگوں کے ڈرامے ختم نہیں ہو رہے۔ شاہ نواز اٹھتے ہو کہ نہیں یہ کام بھی میں خود ہی کر لوں۔“

اس کی بلند آواز میں سب کو جھاڑ پھیلانے پر صوفی کے کنارے بیٹھا یوشع ٹس سے صوفی سے گرا تھا۔ جبکہ شاہ نواز

اگلا منٹ ضائی ع کے بغیر

اپنی جگہ سے اٹھا۔

”آتے ہوئے عنوہ کی اماں کو بھی ساتھ لے آنا میں ایڈریس بھیجتی ہوں۔“

مارب نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ پھر ان سب کو نظر انداز کرتے یوعان کی سمت متوجہ ہوئی۔ جو میٹھی میٹھی نظروں

اسے ہی تک رہا تھا۔

”جب تک نکاح شروع نہیں ہوتا آپ کمرے میں چل کر آرام کرے زخم میں درد ہو گا پھر۔“

یوشع زمین پر گرے ہی تھیر سے مارب کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ کتنی چالاک عورت ہے۔ میرے سامنے مرنے کی باتیں کر رہی تھی اور اس وقت زبان سے شہد ٹپکار ہی ہے۔ اور

میرے بھائی کو دیکھو کیسے وارفتہ نگاہوں سے نہار رہے ہیں۔“

کچھ ہی دیر میں بے بے کی موجودگی میں عنوہ کا نکاح عیسیٰ بلال سے پڑھایا گیا۔ بے بے کیلئے مارب کا یہ کہنا ہی کافی تھا

کہ لڑکا عنوہ کی پسند ہے۔ انھیں اپنی دونوں بیٹیاں عزیز تھیں۔

یوعان شیخ نہایت ہی احترام سے بے بے سے ملا تھا۔ اور پورے وقت جتنی دیر وہاں رہی یوعان نے انھیں پاس

بیٹھائے رکھا۔

نکاح کے بعد عنوہ کو بے بے کے ساتھ روانہ کر کے باقی سب کو بڑے عزت و احترام سے مآرب نے اپارٹمنٹ سے باہر نکالا تھا۔ کہ اس کے شوہر کو آرام کرنا ہے۔ باقی تو آرام سے چلے گئے۔ البتہ یوشع اسے بدعائی میں دیتے نکالا تھا۔ کہ اسے اپنے بھائی کے ساتھ سونا تھا آج کی رات۔

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ اس چھوٹے سے گھر کے آگے رکی۔  
عیسیٰ بلال بھیچے ہونٹوں کے ساتھ گاڑی سے نکلا۔ اور پیچھے کا دروازے کھول کر بے کو تھامنے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ وہ دعائی میں دیتی گاڑی سے اتری۔ ان کے پیچھے پیچھے عنوہ سنجیدگی سے چلی آرہی تھی۔ بے کو لوہے دروازے کے ساتھ چھوڑ کر وہ اجازت لینے والا ہی تھا۔ جب بے بے بولی۔

”اندر آؤ بیٹا۔ دروازے سے ہی رخصت ہو جاو گے۔“  
ان کے لہجے میں شفقت تھی۔ ابھی وہ معذرت کیلئے منہ کھولتا کہ دروازے کا تالا کھولتی عنوہ کی آواز آئی۔  
”رہنے دے بے بے یہ گھر ان کے شایان شان نہیں ہے۔ اس چھوٹے سے مکان میں ان صاحب کیلئے اب میں اے سی کہاں سے لے کر آؤں گی۔“

تالے کھولتے اس نے دروازہ واکیا۔ اور مڑتے ہی نظر مقابل کی سر دپڑتی آنکھوں سے ٹکرائی۔  
”اندر تو آ جاؤں گا بے بے بشرطیکہ آپ اپنے ہاتھ کی چائے پلا دے۔“  
اس سے نظریں ہٹا کر اس نے بے کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے مضبوط حصار میں لے کر اس کے پاس سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔

پیچھے وہ اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔  
دروازہ بند کر کے وہ ان کے پیچھے ہی آگئی۔

شام ڈھل کے رات میں تبدیل ہو گئی۔ بے بے عشاء پڑھ کر تلاوت کر کے سونے کیلئے لیٹ گئی۔ جبکہ عیسیٰ کو آج رات انہوں نے یہی روک لیا تھا۔ جو چھت پر سر کے نیچے بازو رکھ کر لیٹا آسمان میں سچے تارے گنے کی کوششوں میں تھا۔ کھانے کے برتن دھو کر نماز پڑھ کر عنودہ نے گھر کی بتیاں بجھائی اور سیڑھیاں چڑھتی چھت پر آگئی۔

عیسیٰ نے آسمان سے نظریں ہٹا کر پاس بیٹھنے والے وجود کو دیکھا۔  
”تارے گنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

وہ اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ کہنی اس کے سینے پر ٹکا کر ہتھیلی گال کے نیچے رکھتے اس نے سوال کیا۔  
چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس وقت ان خوبصورت گہری آنکھوں میں عیسیٰ بلال کو اپنا عکس واضح نظر آ رہا تھا۔

”ان تاروں کی گنتی میرے بس کی بات نہیں ہے۔“

سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔  
عنودہ مسکرائی۔ اور جھک کر اس کے کان کے پاس سرگوشیانہ گویا ہوئی۔  
”ویسے ہی ناں جیسے محبت تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔“

عیسیٰ بلال نے ضبط سے جبرے بھینچے۔ اگلے ہی لمحے وہ چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اور عیسیٰ بلال اس کے اوپر جھکا ہوا غرا رہا تھا۔

”میری محبت پر سوال اٹھایا تو قسم کھاتا ہوں تمہارے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ پھر کوئی محبت کا نام بھی اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔ کس محبت کا تانا دے رہی ہو تم مجھے۔ جس محبت نے مجھے ایک مدت تک ہوش سے بے گانہ رکھا۔“  
عنودہ اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر مدھم لہجے میں بولی۔

”کیا اس میں میری غلطی تھی۔ میں یہ بات دہرا کر تمہارے زخم اڑھیڑنا نہیں چاہتی بلال لیکن اس شخص کو اپنے کیے کا انجام بگھتنا پڑا ہے۔ جو بد قسمتی سے تمہارا باپ تھا۔ اگر مارب کی جگہ میں ہوتی چلو مجھ سے محبت پر تو پچھتا رہے ہو مجھے

چھوڑو۔ تمہاری بیٹی ہوتی تمہاری بہن ہوتی اور مجرم میرا ہی کوئی اپنا ہوتا تو تم اسے معاف کر دیتے یا پھر اس کے اتنے ٹکڑے کرتے کہ اسے جڑنے میں ہی صدیوں لگ جاتے۔“

اس کی بات نے مقابل پر کیا قہر ڈھایا تھا۔ کہ وہ بلبلا اٹھا۔ اگلے ہی پل اس کی دھاڑ نے عنوہ کی زبان پر تالے لگائے تھے۔

میں اس کے ٹکڑے نہ کرتا عنوہ عیسیٰ بلال میں اس کی ایک ایک نس اپنے ہاتھوں سے کاٹتا۔ اسے اتنا درد اتنی اذیت دیتا کہ وہ سانس رکنے سے نہیں درد کی شدت سے مر جاتا۔ پھر چاہے وہ میری بیٹی ہوتی میری بہن یا پھر عنوہ عیسیٰ بلال ہوتی جس سے میں نے کل بھی محبت کی تھی اور جس سے میں آج بھی محبت کرتا ہوں۔ تم مجھے ٹھیک سے جان ہی نہ پائی عنوہ۔ جانتی تو یہ بات نہ کرتی۔۔۔۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ میرا باپ مآرب اعوان کا مجرم ہے۔ تو میں بیشک خود میں انہیں مارنا کی ہمت نہ رکھتا لیکن مآرب اعوان کو اپنے ہاتھوں سے حنجر پکڑا دیتا۔“

عنوہ کی آنکھیں جانے کیوں مگر آنسو سے بھگنے لگی۔ اس نے بے ساختہ خود پر جھکے عیسیٰ بلال کے گال پر اپنی ہتھیلی ٹکائی تھی۔ جو آنکھیں میچے اپنی اذیت شاید اس سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ گال پر محسوس کرتے مآرب اعوان کے ماتھے پر گر ادا۔ عنوہ کو اس کی غم میں ڈوبی سرگوشی سنائی دی۔

”میں ایک ہفتے تک رویا تھا عنوہ میں ڈھاڑے مار مار کر رویا تھا۔ اپنے باپ کے گناہ پر نہیں۔۔۔۔۔ مآرب اعوان کی تکلیف پر۔ ہاں میں رویا تھا مآرب اعوان کو اپنی بہن سمجھ کر۔“

عنوہ کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کی کنپٹی پر بہتے چلے گئے۔

دیر تک وہ اس کے ماتھے سے مآرب اعوان کے ہونٹے تھا۔ ایک انجانہ سا سکون تھا جو اپنی محبت کو محرم بنا کے مل رہا تھا۔ عنوہ نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا اور دھیرے سے اس کی تیکھی ناک پر لب رکھے۔ ایسا کرتے وہ عیسیٰ بلال کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔



اس نے آنکھیں کھولی تو اس کا چہرہ بڑے قریب سے اس کی آنکھوں میں سما یا۔ کہ وہ مبہوت رہ گیا۔ بے ساختہ جھک کر اس کے لب ہلکے سے چھوئے۔ عنوہ جب تک سمجھتی وہ دور ہوتے بالوں میں ہاتھ پھیرتا خجالت کم کرنے کی کوششوں میں تھا۔ اور وہ یونہی ساکت لیٹی رہی۔

اگلے دن یوشع چھ بجے اپارٹمنٹ کے دروازے پر حاضر تھا۔ اس کیلئے دروازہ کھولتے مآرب اعوان کا خون کھول رہا تھا۔

”یہ کوئی وقت ہے کسی کے گھر جانے کا۔ You didn't even get basic manners man۔ اوہ میں بھی کس سے کہہ رہی ہوں۔ تمیز تو تم نے پھر بھی نہیں سیکھنی۔“

وہ تپتی تپتی دروازے پر ہی شروع ہو گئی تھی۔ جبکہ مقابل سینے پہ بازو باندھے پرسکون انداز میں اس کے چپ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب وہ چپ ہوئی تو وہ بولا۔

”Move aside please.“ اسے ہاتھ سے پرے کرتے وہ مآرب کے مطابق کیٹ واک کرتے یوعان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے مآرب منہ کھولے اس کی بے نیازی دیکھتی رہ گئی۔

”میری شرٹس ساری فیٹنگ والی ہے۔ زخم کے ساتھ لگنے سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ مجھے کھلی شرٹس چاہیئے

مآرب۔“

یوعان سنجیدگی سے مآرب کو اپنا مسئلہ بتا رہا تھا۔ اس کے پاس لیٹا یوشع سرعت سے اٹھا۔

”آپ کو شوپنگ کی ضرورت ہے بھائی۔ Leave it on me.“

یوشع خود کی طرف اشارہ کرتے جیسے اسے بے فکر ہونے کا کہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے ہی مآرب اٹھی۔

”میں کر لیتی ہوں یہ کام تم کیا جانو شوپنگ کے بارے میں۔“

یوعان کی بھنویں ہلکی سی تھیں۔ اب وہ ان دونوں کو بحث کرتے دیکھ رہا تھا۔ پھر تنگ آکر اس نے دونوں کو ہی ساتھ بھیج دیا۔ تب تک کیلئے حسن شیخ اور ورشہ شیخ بھی آگئی تھیں۔



وہ دونوں ان کو یو عان کے پاس چھوڑ خود شوپنگ پہ چلے گئے۔

”یہ کیسی رہے گی۔“

یوشع نے کالے رنگ کی ٹی شرٹ لہرائی۔ مارب نے منہ بناتے تنقیدی نگاہوں سے شرٹ کو دیکھا۔ یوشع نے غصے سے واپس رکھ دی۔

اور آگے جا کے اور دیکھنا شروع ہوا۔

مارب ایک سنڈل کے پاس آئی۔ جہاں کھلی کھلی ٹی شرٹس موجود تھی۔ اس نے ایک کریم کلر کی اٹھا کر یوشع کو آواز دی۔

”یہ دیکھو۔“

”یہ کیا بکواس ہے۔“

اسے بالکل پسند نہیں آیا۔

”اسے پہن کر بھائی یو عان شیخ نہیں ملنگ لگیں گے۔“

مارب نے جبرے بھینچے شرٹ واپس رکھ دی۔

اس والے برینڈ سے نکل وہ دونوں زارا میں داخل ہوئے۔

مارب کی سیدھی نظر مردانہ شلوار قمیص پر پڑی۔ وہ بے ساختہ اس حصے کی جانب بڑھی تھی۔

”یہ بھورے رنگ کا سوٹ تمہارے بھائی پر بچے گاناں۔“

یوشع نے چونک کر مارب کے ہاتھ میں ہنگر میں لٹکے شلوار قمیص کو دیکھا۔

”کتنا خراب ٹیسٹ ہے آپ کا بھابھی۔ اس سے اچھا تو وہ کالا والا ہے۔“

یہ ان کی گیارویں جگہ تھی۔ اور وہ دونوں ایک بھی چیز پر متافق نہیں ہوئے تھے۔

اچانک سے یوشع کی نظر ایک شرٹ پر پڑی۔ جو کالے رنگ کی تھی اور اس پر سفید لکریں بنی ہوئی تھی۔

اس نے مارب کو آواز دے کر بولا یا۔  
 ”یہ اچھی ہے واقعی میں۔“  
 یہ واحد شرٹ تھی جو ان دونوں کو پسند آئی تھی۔  
 ”اسے پیک کرالوں۔ اچھی ہے ناں۔“  
 اس نے یقین دہانی چاہی۔  
 یوشع نے خوشی سے سر ہلایا۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی پسند کی کچھ اور چیزیں بھی لی تھی۔

وہ دونوں گھر پہنچے تو مارب کے گھر والے بھی آئے تھے سوائے مریم کے کہ وہ آج کل عدت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اب  
 کیا تھا جو شرٹ ان دونوں کو پسند آئی تھی وہ اب ایک ایک کے پاس جا رہی تھی۔  
 ”یہ کیا لائے ہو۔ کیا کپڑا ہے یہ۔ مجھے تو اس کی سمجھ ہی نہیں آرہی۔“  
 ورشہ شیخ ناک چڑھا کر بولی۔  
 ”I can't even differentiate the color.“ جیسن اعوان نے افسوس سے بیٹی کو دیکھا۔  
 ”کوئی فیشن سنس ہی نہیں ہے تم دونوں میں۔“  
 ”میں تم سے یہ ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔“  
 ہر ایک کی مختلف رائے تھی۔ یہاں تک کہ شاہ نواز بھی بول اٹھا۔  
 ”اتنی کوئی خاص نہیں ہے۔ کیا سوچ کر آپ دونوں نے یہ خرید لی۔“  
 کسی سرٹ پر ان دونوں کی نہیں بنی تھی۔ سوائے ایک کے اور اس ایک پر وہ جو یہاں زلیل ہوئے تھے اللہ توبہ۔ اب وہ  
 معصوم شکلیں بنائے یوعان کی جانب دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ شرٹ اب اس کے ہاتھ میں آچکی تھی۔  
 وہ الٹ پلٹ کرتے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔ جب نظر ٹیگ پر پڑی وہ چونکا۔ ماتھے پر گہرے بل در آئے۔  
 اس نے سراٹھا کر مارب کو دیکھا۔

”یہ زاراکا ہے۔“

مارب کا سرتیزی سے ہلا۔

”میں نے زاراکا بائی کوٹ کیا ہوا ہے مارب They are supporting Israel“

وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ مارب اور یوشع نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان دونوں پر گھڑوں پانی پڑا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر آئی اور اس کے ہاتھ سے شرٹ لی۔

میں اسے واپس کر دیتی ہوں۔

یوعان کو اس کا اترا ہوا چہرہ اچھا نہ لگا۔ وہ ہونٹ کاٹتے بولا۔

باقی جو لیا ہے وہ دیکھادے۔ اس میں سے کوئی پہن لوں۔۔۔۔۔

اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ دونوں سے تیزی سے اپنے اپنے بیگز اس کی گود میں رکھ گئے۔ اور رکھنے کے بعد اب

ایک دوسرے کو گھورنے کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ یوعان نے گہری سانس فضا کے سپرد کی۔ جبکہ ان دونوں

کے گھروالے حیران درحیران یوشع اور مارب کو دیکھ رہے تھے۔ ماہ جمین اعوان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ ان کی بیٹی

اتنی بڑی بزنس وومن ہو کر آپ دیور کے ساتھ یوں بچوں کی طرح ضد لگا رہی ہے۔ جبکہ ورشہ شیخ خود ورطہ حیرت میں

مبتلا تھی اپنے لاڈلے بیٹے کو دیکھ کر۔ البتہ شاہ نواز کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شام تک سارے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ مارب نے عشاء پڑھ کر کچن صاف کیا اور لاونچ می ایک دو ہاتھ

مار کر وہ کمرے میں آئی۔ تو یوعان بیڈ پر لیٹا آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ شاید سو رہا تھا۔ آج کا دن تھکا دینے والے

تھا۔ وہ یوں بھی کچھ دنوں سے ٹھیک سے نیند نہیں لے پائے تھی۔ ڈریسنگ روم میں جا کر اس نے نائیٹ سوٹ پہنا

جس پر چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوئے تھے۔ ہاتھوں پر روشن لگا کر بالوں میں دو تین بار کنگھی ماری اور لائیٹ بند

کر کے اپنی جگہ آکر لیٹ گئی۔ ہتھیلی گال کے نیچے رکھ کر اس نے کروٹ یوعان کی جانب لی۔ وہ سیدھا لیٹا ہوا تھا اور

آنکھیں بند تھی۔

یوعان شیخ نے اسی حالت میں دائی بازوؤں تکیے پر پھیلا دیا۔ مآرب اعوان کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈلے اس نے جلدی سے سرا سے بازو پر رکھا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ وہ ہنوز اسے تکیے پر جارہی تھی۔ اسے یونہی تکتے تکتے مآرب نے ہاتھ بڑھا کر اس کی داڑھی سہلانی شروع کر دی۔ یوعان شیخ نے تھوڑی اور گال پر نرم ہاتھ کا لمس محسوس کیا تو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ ساحر آنکھیں جن پر وہ پہلی ملاقات میں ہی مر مٹا تھا اس نے بہت نزدیک سے دیکھی تھی۔ کہ بے ساختہ اس کی دھڑکن بڑھی تھی۔ وہ بے اختیار جھک کر ان نین کٹوروں کو چھو گیا۔

”سونا نہیں ہے۔“

وہ گھمبیر آواز میں بولا۔

مآرب نے نفی میں سر ہلایا ہاتھ ہنوز اس کی داڑھی پر تھا۔ جبکہ چہرے پر ہلکی ہلکی لالی چاچکی تھی۔

”I was so scared when you were being taken to the operating room.“

وہ نہایت مدہم آواز میں بولی۔ یوعان نے وہی بازو اس کے گرد سمیٹ کر اسے قریب کیا۔ اور اب کے اس کے ماتھے پر لب رکھے۔

”آپ ہی نے تو کہا تھا اپنڈکس کے آپریشن میں کوئی مرنا نہیں ہے۔ پھر کیوں ڈری تھی۔“

وہ مسکراہٹ دباتے بولا۔ اور ہلکی سی کڑواہٹ اس کی طرف لینے کی کوشش کی لیکن زخم میں اٹھتے ٹھیسوں نے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ وہ درد سے لب بھینچ گیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مآرب تیزی سے اس کے حصار سے نکلی۔

”سکون نہیں ہے ناں آپ کو۔ زخم دیکھائی یں۔ اور شرٹ اتار کر لیٹے۔ رات کو تنگ کرے گی۔“

اس کا زخم چیک کرتی وہ بولنے کے ساتھ اس کی شرٹ بھی اتار گئی۔ یوعان مسکراتے ہوئے اسے اپنی فکر میں ہلکان ہوتے دیکھتا رہا۔ جو اس کی شرٹ صوفے پر پھینک کر دوبارہ لیٹ گئی۔

”مآرب سیال کدھر ہوتا ہے۔ ملنے بھی نہیں آیا مجھ سے۔ نواز بتا رہا تھا آفس آنا بھی چھوڑ دیا ہے۔“

مآرب جو آنکھیں موندنے والی تھی سیال کے ذکر پر چونکی۔ اسے یاد آیا اس کی عرصہ ہو اسیال سے بات نہیں ہوئی۔ وہ بہت بار مریم سے بھی ملنے گئی تھی لیکن وہ اسے کبھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی وہ درایہ سے ملی۔ ان باتوں پر اس نے اس لئے غور نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اکثر اپنے میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن سیال جتنا بھی مصروف ہوتا فون پر ان کی ضرورت ہوتی تھی۔

”میں فارغ ہو جاؤں تو ملنے جاؤں گی۔ شاید وہ کبھی بہت مصروف ہے۔“

وہ غائب دماغ سے بولی۔ پوعان نے سر ہلاتے آنکھیں موند لی کہ نیند اب اس پر غالب ہو رہی تھی۔

اگلے دن وہ دونوں پھر اسے آمنے سامنے براجمان ایک دوسرے کو گھوریوں کی ضد میں رکھے ہوئے تھے۔ اور بیچ میں پوعان شیخ کو حج بنایا گیا تھا۔

تار بپورے گھر کی صفائی کر رہی تھی ساتھ میں یوشع کو بھی ماسی بنایا ہوا تھا۔ اسے بہت دنوں سے گھر سنبھالے دیکھ کر یوعان نے کہا تھا کہ وہ ملازمہ رکھ لے گا جو کم از کم صفائی وغیرہ کا کام کر دیا کرے گی۔ لیکن تار ب نے ملازمہ رکھنے کی بجائے یوشع کو رکھ لیا۔ جواب اس کے ساتھ مل کر غصے سے پٹخ پٹخ کر پورے اپارٹمنٹ کی دھلائی کرنے میں لگن تھا۔

”تم دونوں چاہتے کیا ہو آخر۔ نکاح ہو گیا ہے اب کیا مسئلہ ہے۔“

یوعان شیخ کے سخت لہجے پر وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ جس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ غصے میں ہے۔

”میں رخصتی چاہتا ہوں۔“

اس کے مدعے پر عنوہ منہ کے زواے بگاڑے لمقہ دے گئی۔

”میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں۔“

یوحنا نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ منہ بنا کر ہونٹوں پر انگلی رکھ گئی۔ تو وہ عیسیٰ سے کہنے لگا۔  
”نکاح ہو گیا ہے تو ظاہر سی بات ہے رخصتی بھی ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔“

”کیوں ہوگی جب تک میں نہیں چاہوں گی تب تک رخصتی نہیں ہوگی اور میں اس کو اور آپ کو بھی بتا دوں کہ میں رخصتی کبھی نہیں چاہوں گی۔“

وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکی۔ یوعان کی بات سچ میں کاٹتی کرارے لہجے میں بولی۔ عیسیٰ ضبط سے لب بھینچ گیا۔ جبکہ یوعان شیخ نے ناگواری سے گہری سانس بھری اسے اپنی بات سچ میں کاٹنا پسند ہر گز نہیں تھا۔

”عنوہ حمید نکاح کیلئے ہڑبڑی غالباً آپ نے مچائی تھی ناں تو اب یہ مطالبہ آپ کا میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ اس کی وضاحت کر کے آپ مہربانی کر کے ہماری ذاتوں پر احسان کر دے۔“

یوعان شیخ کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ ڈری تو تھی لیکن باز پھر بھی نہ آئی۔ اس کی بات پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر اس نے نہایت سنجیدگی سے وجہ بیان کی۔

”نکاح میری ضد تھی۔ اور رخصتی اس شخص سے میں کبھی نہیں کروں گی۔“

”کیوں۔“

ان دونوں مردوں کا نہایت ضبط سے ایک ہی سوال آیا۔ عنوہ نے نظریں عیسیٰ پر رکھے کچن صاف کرتی مآرب کو آواز لگائی وہ دونوں تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کرنا کیا چاہتی تھی۔

کچھ لمحوں بعد مآرب ڈیلے ڈالے شرٹ اور ٹراؤزر پہنے ان کے سامنے تھی۔ یوعان نے مآرب کو دیکھا جو اس کے سائی ز کے کپڑوں میں ملبوس تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ بال جوڑے سے نکل کر چہرے اور گردن کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے۔ گلے میں چھوٹا سا لٹک رہا تھا

”مآرب اعوان اگر تمہارا شوہر تمہیں گالی دے تو تم اس شخص کے ساتھ کیا کرو گی۔“

وہ تینوں اس کے سوال پر بے طرح چونک اٹھے عیسیٰ اور یوعان کی تحیر بھری نظریں عنوہ کی جانب اٹھی تھی۔ جبکہ مآرب کی بے ساختہ یوعان شیخ کی جانب۔

عنوہ نے اب کے عیسیٰ کی نظروں سے نظریں ہٹا کر مآرب کو دیکھا۔

“Answer please.”

”اگر میرا شوہر مجھے گالی دے سکتا ہے تو وہ میری عزت کبھی نہیں کر سکتا۔ اور جس شخص کی نظر میں میری عزت ہی نہ ہو ایسے شخص کے ساتھ رہنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

وہ یوعان شیخ پر نظریں جمائے بول رہی تھی۔ جس کے جڑے سختی سے آپس میں پیوست ہو گئے تھے۔ کیا ہوتا اگر یہ عورت اسے چھوڑ کر چلی جاتی۔ یہ خیال ہی سوہان روح تھا۔ اس نے ایک پل کو آنکھیں میچ لی۔

عنوہ حمید ٹانگ پر سے ٹانگ اتارتے کھڑی ہوئی اور عیسیٰ بلال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔

”اور میں بے وقوف ہر گز نہیں ہوں عیسیٰ بلال۔“

عیسیٰ نے نا سمجھی سے الجھن زدہ تاثرات سمیت اسے دیکھا۔ وہ اس کے تاثرات پڑھ کر مسکرائی۔

”تمہیں شاید یاد نہ آ رہا ہو لیکن میں کچھ نہیں بھولتی عیسیٰ بلال۔“

وہ پراسرار لہجے میں بولی اور پھر اس نے من و عن وہ الفاظ دہرائے جو کچھ عرصے پہلے ہو سٹیٹل کے روم میں عیسیٰ بلال نے یوعان شیخ سے کہے تھے۔

”میرے سامنے اس زلیل عورت کا نام پھر سے نہ لینا۔ اس کا نام سننا ہوں تو خون میں شرارے اٹھنے لگتے ہیں۔ خود سے نفرت کرنے کا دل کرتا ہے۔ دماغ چیخ چیخ کر کوستا ہے کہ عیسیٰ بلال ایسی خبیث عورت سے محبت کی ہے جو قاتل ہے۔“

”تم نے میرے لائے زلیل اور خبیث کا لفظ استعمال کیا تھا۔ ان الفاظ کے مطالب جانتے ہو۔“

اس نے ایک لمحے کو وقفہ لیا۔ ماحول میں سکوت چھا گیا جبکہ عیسیٰ بلال کی رنگت سفید پڑھ رہی تھی۔

”زلیل کا مطلب ہے بے عزت۔۔۔۔ جس کی کوئی عزت نہ ہو۔ ایک خقیق شخص۔ اور خبیث پتا ہے کسے کہتے ہیں ناپاک کو نجس کو پلید کو۔ نہ تو میں بے عزت ہو اور نہ ہی ناپاک عیسیٰ بلال۔ اور جو شخص مجھے بے عزت اور ناپاک و نجس سمجھ سکتا ہے اس شخص کے ساتھ میرا رہنا ناگزیر ہے۔“







مآرب کی زبان ایکدم سے رکی۔ اس نے مقابل کو غور سے دیکھا۔ بکھرے الجھے بال سرخ انگارہ چہرہ اور لال ناک۔ سلوٹ زدہ شرٹ میں وہ بے حال لگ رہا تھا۔ مآرب کو ایکدم تشویش نے آگیرا۔  
”یوشع تم ٹھیک ہو۔“

یوشع تھکی سی سانس خارج کرتے اس کے سائیڈ سے نکلا۔ اور اندر داخل ہوتے وہ سیدھا یوعان کے پاس گیا۔ مآرب دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آئی۔ اسے یوشع کے چال میں تھکاوٹ محسوس ہوئی تھی۔  
”یوشع۔۔۔“

یوعان شیخ کی بات سچ میں ہی رہ گئی تھی جب یوشع آکر اس کے پیچھے سے گلے میں بازو ڈال کر سر اس کے کندھے پر رکھ گیا۔ یوعان شیخ کو ایک کرنٹ سا لگا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کا وجود انگاروں سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ اس قدر بخار میں تپ رہا تھا۔ کہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر ہی ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا۔  
”یوشع۔۔۔۔“

اس کا سر یوعان کے کندھے سے ڈھلکتے دیکھ کر مآرب جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تیزی سے آکر اس گرنے سے بچانے کیلئے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ گئی۔ یوعان شیخ کی پیشانی فکر کی لکیروں سے بھر گئی تھی۔ وہ اسے پکڑے ہی کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے گود میں اٹھا کر صوفے پر لیٹا تھا۔ اس کا ارادہ باپتی مآرب سرعت سے چینی۔  
”ایک منٹ۔“

یوعان نے چونک کر اسے دیکھا۔ جو غصے سے اس کے ہاتھ یوشع سے ہٹا رہی تھی۔  
”پاگل ہو گئے ہیں۔ زخم ابھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا۔ آپ کو بھاری چیزیں اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور آپ پورا بندہ اٹھا رہے ہیں۔“

یوعان شیخ نے نفی میں سر ہلایا۔ یہ عورت اگر نہ ہوتی تو وہ یقین سے کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ اپنڈکس سے بھی مر جاتا۔ لیکن فلحال یہاں بات اس کے جان سے پیارے بھائی کی تھی۔ جو اس کا لاڈلا بچہ تھا۔

”یوشع میرے سامنے بے سدھ پڑا ہے مآرب۔ ایسے میں مجھے اپنے زخم کی رتی بھر پروا نہیں۔ اگر اپنے بچے کو اٹھانے سے یہ زخم ناسور بنتا ہے تب بھی مجھے فکر نہیں ہے۔“

مآرب نے نہایت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ اس نے ایک بازو سے یوشع کو پکڑا۔

”اسے دوسری طرف سے پکڑے۔“

اس کا اندازہ دو ٹوک تھا۔ یوعان شیخ اس عورت کی خلاف ورزی نہیں کر پایا۔ بلکہ اس کے کہے کے مطابق اس نے یوشع کا دوسرا بازو پکڑا اور وہ دونوں مل کر آرام سے اسے لاونچ کے صوفے پر لیٹا گئے۔

”آپ ڈاکٹر کو کال کرے میں ٹھنڈی پٹیاں لے کر آتی ہوں۔ ڈاکٹر کے آنے تک پٹیوں سے بخار کچھ کنٹرول میں آئے گا۔“

یوشع کا ماتھا ہاتھ سے چیک کرتی وہ فکر مندی سے یوعان سے بولی۔ جو پہلے ہی موبائی ل کان سے لگا چکا تھا۔ مآرب جلدی سے ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لا کر صوفے کے سامنے رکھے شیشے کے ٹیبل پر بیٹھ کر گیلی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھنے لگی۔ جبکہ یوعان شیخ فون پہ کہہ رہا تھا۔

”ڈاکٹر سیٹھی کو لے کر میرے اپارٹمنٹ جلدی سے پہنچو نواز۔“

آگے سے کچھ کہا گیا۔ جب یوعان تیز آواز میں غرایا۔

”کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ یوشع ٹھیک نہیں ہے۔ بخار میں تپ رہا ہے۔ ڈاکٹر کو لے کر جتنی سپیڈ سے آسکتے ہو آؤ۔ مجھے تم پندرہ منٹ میں یہاں ڈاکٹر سمیت چاہیئے ہو شاہ نواز۔“

آگے سے شاہ نواز نے جی سر کہہ کر فون کاٹا۔ تو یوعان یوشع کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے صوفے پر ہی اس کے پاس جگہ سنبھالی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگایا۔ مآرب نے زرا کی زرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جو ایک ٹک اپنے بھائی کو دیکھے جارہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی پیٹیوں کی بدولت اس کا بخار کچھ کم ہوا۔ تو یوشع نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے بھاری سر کو تھامتے سمجھنے کی کوشش کی کہ وہ ہے کہاں۔  
”یوشع۔۔۔“

یوعان شیخ کی آواز قریب سے سن کر اس نے نظریں اس کی طرف گھمائی جو فکر مندی سے اس پر جھکا ہوا تھا۔

”ٹھیک ہو میرا بچہ۔“

یوشع نے پلکیں جھپکی اور دھیرے سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مآرب نے تیزی سے پیچھے سے اسے سہارا دیا تھا جبکہ یوعان نے اسے کندھوں سے پکڑتے بیٹھایا۔

یوشع خاموش سے یوعان شیخ کے سینے سے لگا۔ وہ اتنا بے دم تھا کہ یوعان کو باقاعدہ اسے سہارا دینا پڑا تھا اس کے دل کو بے ساختہ دھڑکا سا لگا۔ اس نے نرمی سے یوشع کے کندھوں کے گرد بازو کا حصار بناتے اس کے بال سہلائے۔ اسی وقت بل بجی۔ تو مآرب تیزی سے دروازہ کھولنے چلی گئی۔ واپسی میں اس کے ساتھ شاہ نواز اور ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹر سیٹھی ان کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ یوشع کو چیک کرنے کے بعد انجکشن لگایا اور دوائی دیتے چلے گئے۔

”کیوں بھئی شیر جوان مرد ہو اور یوں بے سدھ پڑے ہو۔“

شاہ نواز نے اس کے کندھے پر تپکی دی۔ جو انجکشن لگانے کے بعد دوبارہ یوعان شیخ کے سینے سے لگ چکا تھا۔

”ناشتہ کیا تھا پوشع۔“

آرب كو اسے دوائی دینی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کچھ کھانا ضروری تھا۔  
 ”مجھے نہیں پتا میں نے آخری بار کب کھانا کھایا تھا۔ میرا دماغ بالکل بند ہیں۔ شاید میں نے کل دوپہر میں  
 فروٹ ٹرائی فل کھایا تھا اس کے بعد کا مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔“  
 وہ دھیمی آواز میں بولا۔ تو یوعان شیخ نے لب بھیج لائے۔ آرب اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی اٹھی۔  
 ”میں کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں پھر میڈیسن لینا دوں گے۔ تم نے ناشتہ کیا ہے شاہ چائے لاؤ تمہارے لئے۔“

جاتے جاتے اس نے شاہ نواز سے بھی پوچھا۔ جو سہولیت سے انکار کر گیا۔

”میں ناشتہ کر چکا ہوں بی بی بس ایک گلاس پانی لادے۔“

آرب سر ہلاتی کچن میں چلی گئی۔ اس نے جلدی سے کوکریں بنانی کا سوچا تھا۔  
 ”یوشع۔“

اس کے بال سہلاتے وہ مدھم لہجے میں اسے پکار گیا۔

”مجھے کل شام سے ہلکا ہلکا بخار تھا۔ میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرتے موم نے کہا میڈیسن کھاؤ  
 ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اور خود وہ پارٹی میں چلی۔“

یوعان کو اس کی ہلکی سی آواز سنائی دی تو وہ جھک کر اسے دیکھنے لگا جو اس کے سینے سے لگا تھا۔ ساتھ اس کے  
 گنے بالوں سے ڈھکے سر پر لب رکھے۔ وہ جانتا تھا پوشع شیخ چھوٹی سی بیماری میں بھی سنسیٹو ہو جاتا ہے۔ پھر  
 تو یہ ایک سوچھے بخار تھا۔ بیماری کی حالت میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اسے امیو شنل کرتی تھی۔

”میں پوری رات بخار میں تپتا رہا بھائی۔ چار بچے کے قریب میری آنکھ کھلی۔ تو مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنی  
 باڈی موو نہیں کر پارہا۔ سارا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ میں اتنا ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا کہ سائیڈ پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا

سکوں۔ یا پھر سرہانے رکھا موبائی ل اٹھا کر آپ کو کال کر سکوں۔ وہ بہت تیز بخار تھا بھائی۔ اتنا تیزی کہ مجھے لگا میرا آخری وقت ہے۔ میں اس کے بعد سانس نہیں لے پاؤں گا۔ میں نے اس وقت اللہ کے بعد آپ کو یاد کیا تھا بھائی۔ اس چالیس کنال کے بنگلے میں کوئی نہیں تھا جو مجھے آکر پانی دے جاتا۔ مجھے اس وقت صرف آپ یاد آئے مجھے اس وقت صرف آپ کے پاس آنا تھا۔“

یوعان شیخ کے جڑے سختی سے آپس میں پیوست ہوتے جا رہے تھے۔ حد تو تب ہوئی جب اسے کندھے پر یوشع کے آنسو محسوس ہوئے۔ وہ اتنی بے بسی اس وقت میں محسوس کر چکا تھا کہ اس بے بسی نے اسے رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

یوعان شیخ نے اس کے لہجے کی اذیت اس وقت خود میں محسوس کی تھی۔  
”بھائی قربان جائے اپنے بچے پر۔ آئی ندہ سے تمہیں ہلکا سا سر درد بھی ہونے لگے تو تم فوراً مجھے کال کرو گے یوشع۔“

اس نے شدت سے اپنے لاڈلے بھائی کو بازوؤں میں جکڑا۔ شاہ نواز انہیں دیکھتا دھیرے سے مسکرا دیا۔  
یوعان شیخ ہمیشہ سے تین بندوں کے معاملے میں حساس رہا تھا ایک یوشع شیخ اور دوسرا شاہ نواز اور تیسرا عیسیٰ بلال۔

شاہ نواز نے کچن کی سمیت دیکھا جہاں مآرب اعوان کو کرپر سر بند کر رہی تھی۔ وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔  
اور اب شاید ایک اور وجود کا بھی اضافہ بھی ہو چکا ہے۔

یوعان شیخ آہستہ آہستہ یوشع کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اسے پرسکون کر رہا تھا۔  
مسز ورشہ اسے کبھی پسند نہیں رہی تھی۔ لیکن آج اسے اس عورت سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ اس عورت سے اپنا ایک کوا تابیٹا بھی نہ سنبھالا گیا۔ نہ اس پہ کبھی شوہر کی ذمہ داری پڑی تھی نہ کبھی سوتیلے بیٹے کی کہ ہوش سنبھالتے یوعان شیخ ان سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ ایک اس کا اپنا بیٹا تھا اسے بھی نہ سنبھال پائی وہ

عورت۔ ہمیشہ یوشع شیخ اپنی ماں کے ہوتے ہوئی بھی ان کی محبت اور ممتا کی شفقت کیلئے ترستا آیا تھا۔ یوعان شیخ کو کبھی یہ چیزیں اس شدت سے محسوس ہوئی ہی نہ تھی۔ کیونکہ اسے ایک آسرا تھا کہ چلو ماں ہی نہیں ہے۔ لیکن یوشع شیخ کی تو ماں موجود تھی۔ تبھی اسے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اذیت میں مبتلا کرتی تھی۔ اور دوسرا وہ تھا بھی حساس۔

برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھی وہ انہماک سے لیپ ٹاپ کھولے کام میں مصروف تھی۔ عنوہ حمید گرافک ڈزائی نگ میں اعلیٰ مہارت رکھتی تھی۔ اور اسی کے ذریعے ورک فرام ہوم کی سہولیت سے فائی دہ اٹھاتی وہ آج ایک کامیاب گرافک ڈزائیئر تھی۔ اسے گھر سے باہر جا کر مغز ماری کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑھتی تھی۔ بلکہ وہ گھر بیٹھے بیٹھے ہی لاکھوں کمالیتی۔ اس کا بینک اکاؤنٹ پیسوں سے بھرا پڑا تھا لیکن گھر وہی کچا اور چھوٹا سا تھا۔ کیونکہ بے بے کو کچے مکان پسند تھے۔ وہ عنوہ کو اپنے گھر کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیتی تھی۔ جب کبھی عنوہ ارادہ کرتی گھر میں کسی تعمیراتی کام کا بے بے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیتی کہ جب میں مر جاؤں تب اس گھر کو جیسے چاہیے تعمیر کروانا۔ اور عنوہ وہی خاموش ہو جاتی۔ اس وقت بھی ڈھیلے ڈالے کرتا شلوار میں ملبوس بالوں کا میسی سا جوڑا بنائے وہ پوری طرح کام میں غرق تھی۔ جب فون کے بیپ نے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ عنوہ نے ہاتھ روک کر موبائل کو دیکھا۔ تو سکرین پر جگمگاتا نام اس کی توجہ پوری طرح اپنی سمت کروا گیا۔ دائیں ہاتھ بڑا کر اس نے موبائل اٹھایا۔ اور میسج پر کلک کرتے چیٹ کھولی۔

”مدتوں خود کی کچھ خبر نہ لگے  
کوئی اچھا بھی اس قدر نہ لگے

اور بس تجھے اس نظر سے دیکھا ہے۔

جس نظر سے تجھے نظر نہ لگے۔“

پیغام میں لکھی تحریر پڑھتے اس نے بے ساختہ منہ میں زبان رول کی تھی۔ آج گیارو ادن تھا اس انسان کو اسے مناتے ہوئے۔ کبھی میسج پہ آتا کبھی آدھی آدھی رات کو کالز کرتا کبھی اگر وہ کہی جاتی تو اسے سٹاک کرتا۔ کبھی گھر پہ گلابوس کے بکے آنے لگتے۔ لیکن وہ عنوہ حمید تھی جس کے کان پر اس کی کوششوں کے باوجود جو تک نہ رینگتی۔ وہ ابھی جواب مٹاپ کرنے کا سوچتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اور عنوہ حمید کی چھٹی حس نے کہا کہ دروازے کے اس پار کھڑا شخص عیسیٰ بلال ہی ہے۔

دستک دوبارہ ہوئی لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ برگد کا پیڑ دروازے سے چار قدموں کی دوری پر ہی تھا۔ جب تیسری دفعہ دستک پر بھی وہ نہ اٹھی تو کمرے سے نکلتی بے بے نے ایک غصیلی ملا متی نگاہ بیٹی پر ڈالی اور دروازہ کھولنے کو آگے بڑھی۔

عیسیٰ بلال نے اخلاقیات کو لات مارتے چوتھی مرتبہ دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ دروازہ کھول گیا۔ سامنے اپنی شفیق سی ساس کا چہرہ دیکھتے اس نے جٹ سے سلام جھاڑتے سر اس کے سامنے جھکایا تھا۔ ”وعلیکم اسلام بیٹا آو اندر آو۔“

اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے انہوں نے اندر بلایا۔ عیسیٰ بلال دروازہ بند کرتے اندر آیا تو نظر سیدھی برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھی اپنی ناراض اور انا پرست بیوی پر پڑھی۔ جو اسے دیکھ کم اور گھور زیادہ رہی تھی۔ عیسیٰ بلال نے سر کے اشارے سے سلامتی بھیجی۔ اگلے ہی لمحے وہ اس پر سے نظریں پھیرتی لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوئی۔ وہ آنکھیں سکیڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اتنی ناراضگی تھی کہ سلامتی بھیجنا بھی بہتر نہ سمجھا۔

”آو نیچے بیٹھو۔“



بے بے نے صحن ہی میں سیچھی چارپائی پر بیٹھنے کو کہا۔ چونکہ عصر کا وقت تھا سورج ڈھلنے کے قریب تھا۔ تبھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور موسم بھی دل لہبانے والا تھا۔ عیسیٰ بلال آرام سے پاؤں پسپارے ادھر ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

بے بے نے بیٹی کو دور سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اٹھنے کے اشارے کئے لیکن مجال ہو جو اس پر اثر ہو جائے وہ مزے سے انہیں نظر انداز کئے ادھر ہی بیٹھی رہی۔

”بیٹے میں آپ کیلئے چائے۔۔۔۔۔“

بیٹی کے ڈھیٹ پن سے نالاں ہوتی بے بے خود ہی چائے بنانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن عیسیٰ بلال ان کا ہاتھ نرمی سے پکڑے سہولیت سے انہیں پاس بیٹھا گیا۔

”فلحال کسی چیز کی طلب نہیں ہے بے بے آپ میرے پاس بیٹھے مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ بلکہ بات کیا کرنی ہے۔ اعتراف کرنا ہے۔۔۔“

بے بے اس کی بات پر کچھ چونک سی گئی۔

”کیا بات ہے بچے۔“

عیسیٰ بلال نے محبت سے ان کا نورانی چہرہ دیکھا۔ ان کی موجودگی میں عجیب سا سکون پایا جاتا تھا۔ عیسیٰ بلال کی ندامت اس وقت حد سے سوا ہو گئی۔ جب ان کے چہرے جو دیکھتے دیکھتے یہ خیال گزرا کہ اس پاک ہستی کی بیٹی کو اس نے حبیث اور زلیل کہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے ساختہ شرمندگی کے مارے جھک گئی۔

”بے بے مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے۔“

وہ جھکی نظروں سے ندامت بھرے لہجے میں دھیمے سے بولا۔ اس کے جھکے سر کو دیکھتی بے بے کا دل ایک پل کیلئے اس کی بات پر لرزا۔ لیکن انہوں نے کہا تو صرف اتنا۔

”تو توبہ کر لو بیٹا۔“

عیسیٰ بلال نے نظریں اٹھائی۔

”بے بے دل بھی تو دکھایا ہے ناں۔“

بے بے نے دور بیٹھی بیٹی کو دیکھا اور پھر داماد کو۔ وہ کچھ حد تک معاملہ سمجھ گئی تھی۔

”میں نے غصے اور غفلت کی حالت میں آپ کی بیٹی کو گالی دی ہے بے بے۔“

لیپ ٹاپ پر تیزی سے چلتی انگلیاں رکی۔ چونکہ سماعتیں شروع سے ادھر ہی لگی ہوئی تھی۔ تبھی وہ اس کی بات سن پائی۔

”میں اس حد تک ندامت میں مبتلا ہوں کہ اپنی زبان کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ اس حد تک کچھتا رہا ہوں۔ کہ

سوچتا ہوں وقت پیچھے چلا جائے اور میں خود کے گونگے ہونے کی دعا مانگوں۔ آپ مجھے بتائی ہیں بے بے کہ

میں ایسا کیا کروں کہ آپ کی بیٹی مجھے معاف کر دے اور میرا اللہ بھی اس گناہ پر مجھ سے ناراض نہ ہو۔“

بے بے کچھ لمحے خاموشی سے عیسیٰ بلال کو دیکھتی رہی۔ جس کے چہرے پر ندامت و شرمندگی واضح دیکھی

جاسکتی تھی۔ زیادہ چونکایا انھیں عیسیٰ بلال کی خوبصورت آنکھوں نے تھا۔ جن میں ہلکی ہلکی نمی تیر رہی

تھی۔ وہ اگلے لمحے دھیرے سے مسکرائی۔ وہی مخصوص پُر شفقت مسکراہٹ۔

”میں آپ سے بھی شرمندہ ہوں مجھے معاف کر دے بے بے میں نے آپ کی پاک بیٹی کو ناپاک کہہ کر گناہ

کیا ہے۔“

”جس انسان کا دل دکھایا ہے اس سے معافی مانگ لو۔ اور گالی دینا یقیناً گناہ ہے تو اس کی توبہ کر کے اللہ سے

اپنی لائے ہدایت کی توفیق مانگ لینا۔“

وہ نرمی سے پُر اثر لہجے میں بولتی اس کا ماتھا چوم گئی۔ تو ساکت بیٹھے عیسیٰ بلال کی روح کانپ اٹھی۔ اگر

کوئی شخص آکر اسے بولتا کہ اس کی بیٹی کو اس نے گالی دی ہے۔ تو وہ اس کی زبان کاٹ دیتا۔ لیکن

۔۔۔۔ اس کی آنکھ سے بے اختیار ایک آنسو گرتا اس کی داڑھی میں جذب ہوتا چلا گیا۔ عیسیٰ بلال سے

نظریں ہی نہ اٹھائی گئی۔ وہ آج اس خاتون کا مقروض ہوا تھا۔ اس لمحے اس نے خود سے ایک پختہ وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ اس عورت کی بیٹی کی عزت میں ایک آنے کے برابر بھی کمی نہیں لائے گا۔ اور محبت تو پھر وہ اس کی تھی ہی۔

ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی عنوہ حمیدیوں ہی ساکت لیپ ٹاپ کو دیکھ رہی تھی۔ انگلیاں ہنوز کی بورڈ پر بے حرکت پڑی تھی۔ اس نے سوچا تھا عیسیٰ بلال اپنی حرکت پر شرمندہ ہو گا اور اس سے معافی مانگ لے گا۔ لیکن جس انداز میں اس نے بے بے کے سامنے یہ معاملہ رکھا تھا۔ جس قدر اس کے لہجے میں ندامت تھی۔ وہ عنوہ کا دل موم کر گئی۔ جو شخص آپ کی ماں سے آکر شرمندہ لہجے میں کہا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو گالی دی ہے۔ مجھے معاف کر دے اس شخص سے بلاوہ زیادہ دیر ناراض کیسے رہ سکتی تھی۔

یہ منظر یوعان شیخ کے آپائٹمنٹ کا تھا۔ جہاں سیننگ آئی بریا میں ون سیٹر صوفے پر ٹیبیل پر پاؤں رکھے مآرب اعوان لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر یوشع شیخ لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کے منہ میں تھرما میٹر تھا۔ اور نظریں سامنے ایل ای ڈی پر نیٹ فلکس کی چلتی سیریز پر تھی۔ کچن سے کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو اٹھتی پورے آپائٹمنٹ میں پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ شیف یوعان شیخ تھا۔ جس نے آج آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ جہاں ایک چھولے پر سٹیک بنایا جا رہا تھا۔ تو دوسرے چھولے پر یوشع کیل مے سوپ بنانے رکھا تھا۔

مآرب نے ایک آخری میل سینڈ کرتے لیپ ٹاپ بند کیا۔ اور اٹھ کر یوشع کے پاس آئی اس کے منہ سے تھرما میٹر نکال کر ہاتھ کو ایک دو جھٹکے دیئے اور تھرما میٹر آنکھوں کے سامنے کیا بخار تقریباً نارمل تھا۔

”بخار کافی حد تک کم ہو گیا ہے۔ لیمیسیکین اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ تم اٹھ کر اچلنا کو دنا شروع کر دو۔ اسی صوفے پر پڑے رہو جب تک مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتے۔ میلک شیک بناتی ہوں تمہارے لئے۔ کچھ انرجی ملے گی۔ میڈیسن کھانے کے بعد کھانا۔“

وہ جو بخار حتم ہونے کا سنتے اٹھنے والا تھا۔ مآرب کے آنکھیں دیکھانے پر منہ بسورے واپس بیٹھ گیا۔ مآرب اسے گھورتی بالوں کا جوڑا باندھتی کچن کی جانب بڑھی۔

یوشع اس کی پشت تکتے بڑبڑایا۔

”یہ عورت اس دنیا کی تو نہیں لگتی۔“

مآرب نے اندر آ کر جھانکا اور اپنے ہیڈ سم شوہر کو اپنا پسندیدہ کھانا بناتے دیکھ کر اس کی مسکراہٹ کھانوں تک چلی گئی۔ اتنی بھوک میں ایسا مزیدار سیٹک دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سی کھل اٹھا تھا۔

یوعان اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”کام ہو گیا آپ کا۔“

مآرب اثبات میں سر ہلاتی اس کے پاس آئی جو سلا دکیل مئے کھیریں کاٹ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر ایک نظر کچن سے نظر آتے یوشع کو دیکھا جس کی ان کی طرف پشت تھی۔ وہ اس کی طرف سے مطمئن ہوتی

یوعان کے بازو کے نیچے سے ہوتی اس کے حصار میں کھڑی ہوئی۔ وہ ایک دم ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے بہت نزدیک تھی۔ یوعان شیخ نے بھنویں اچکا کر اس کی حرکت ملاحظہ کی۔

”کیا میں آپ کو کس کر سکتی ہوں۔“

وہ سرگوشی میں بولتی یوعان شیخ کو استعجاب میں مبتلا کر گئی۔ مآرب نے اس کے چہرے پر حیرانی دیکھتے

بازوں اس کے گلے میں ڈالے اور ایڑھیوں کے بل اونچی ہوتی لب شدت سے اس کے گال پر رکھ

گئی۔ یوعان شیخ کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھی۔ اس لڑکی کی قربت ہمیشہ اسے ساکت کر دیتی تھی۔ کہ وہ فقط دھڑکنوں کی ہی آواز سن پاتا تھا۔ بہت دیر بعد وہ دور ہوئی تو وہ بھی ہواسوں میں لوٹ آیا۔

مآرب اعوان اب اس کے حصار میں لب دبائے کھڑی تھی۔ سٹیک کو دیکھ کر جو اسے اپنے ہینڈ سم شوہر پر پیار آیا تھا۔ جلد بازی میں اس پر عمل کرنے کے بعد اب وہ اندر ہی اندر حالت کا شکار ہو رہی تھی۔ یوعان شیخ اس کے سرخ چہرے سے محفوظ ہوتا مسکان دبائے اس کے کان کی لوہلکے سے دانتوں کی گرفت میں لیتا سرگوشی میں بولا۔

”یہ بھی برا نہیں تھا لیکن میں کچھ زیادہ ایکسپکٹ کر گیا تھا۔“

مآرب اعوان سرعت سے اسے دکھیلی دور ہوئی تھی۔ اس معنی خیز سرگوشی پر اس کے گال تنپنے لگے تھے۔ یوعان شیخ ہولے سے بے آواز ہنس دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دور ہوتی یوعان نے پلک جھپکتے میں جھکتے اس کے ہونٹوں پر نرمی سے لب رکھے تھے۔

مآرب اعوان کی آنکھیں ایک پل کو پھیل سی گئی۔ جبکہ اسے شاک میں چھوڑے یوعان شیخ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ مآرب تپتے گالوں پر ہاتھ رکھتی سر موڑ کر ایک نظر پوشع کو بھی دیکھ گئی جو سیریز میں غرق تھا۔ وہ شکر کرتی اس کیلئے شیک بنانے لگی۔ جبکہ یہ کرتے اس کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

خوشگوار ماحول میں ڈنر کرتے اب تینوں کافی پینے بیٹھے تھے۔ جب مآرب کے فون پر میسج آیا۔ بھیجنے والا کا نام عنوتھا۔

”وہ اس وقت تمہیں کلب میں ملے گا۔ میں ایڈریس بھیجتی ہوں۔“

میسج پڑھتی اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ اس نے اٹھ کر مگ ٹیبل پر رکھا۔ جس میں آدھی کافی اب بھی بچی تھی۔ اس کے کھڑے ہونے پر وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

”مجھے کچھ کام ہے میں دو گھنٹوں میں آ جاؤں گی۔“

یوعان شیخ کے ماتھے پر بل در آئے۔ اس کی نگاہ بے ساختہ گھڑی کی سمت گئی تھی۔

”ویٹ۔۔۔ کہاں جا رہی ہے آپ۔“

کمرے کی طرف جاتی مآرب اس سوال پر رکی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے سنجیدگی سے یوعان شیخ کو دیکھا۔

”کسی اپنے سے ملنے جا رہی ہوں۔ ڈونٹ وری میں جلدی آ جاؤں گی۔“

اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ بتانے کے موڈ میں نہیں ہے۔ یوعان نے بھی مزید نہیں کریدا۔ تھوڑی دیر

بعد وہ کمرے سے نکلی تو ڈھیلے سے کرتے کے ساتھ جینز پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں سنیکرز تھے۔ بالوں کی

ہائی پونی بنائی گئی تھی۔ اور ایک جو اضافی چیز تھی۔ وہ اس کے کندھوں کے گرد لپٹی سیاہ کاٹن کی چادر

تھی۔ یوعان شیخ ایک ہی نظر میں اس کا گہرائی سے جائزہ لے چکا تھا۔ چادر نے کچھ حد تک چو نکایا بھی تھا۔

لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

”یوشع میڈیسن یاد سے کھا لینا۔“

جاتے جاتے بھی وہ اسے یاد دلا گئی۔ یوشع نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے نکتے ہی یوعان شیخ نے اس

کیلئے تعینات کئے خفیہ گارڈز کو فون ملا یا تھا۔ وہ مآرب اعوان کی جان پہ رسک نہیں لے سکتا

تھا۔ جب جانتا تھا کہ دشمن اپنا ہی ہے۔

ایلیٹ کلاس کا حصہ ہوتے ہوئے بھی وہ کبھی اس معزز غلیظ جگہ پہ نہیں آئی تھی۔ اس کے شوق کبھی یہ رہے ہی نہیں تھے۔ اپنے ارد گرد کے لوگوں کی طرز زندگی دیکھتی آکثر وہ سوچ میں پڑ جاتی۔ کہ اگر اس

کے ساتھ وہ حادثہ نہ ہوتا تو وہ کبھی بے بے سے نہ ملتی۔ اور اگر وہ بے بے اور عنوہ سے نہ ملتی تو اسے شاید یہ مصنوعی رنگ اور فریبی ہی بھاتی ان میں ڈوب کر وہ زندگی کا اصل مزہ ہی کھودیتی۔ اور ناچاہتے ہوئی بھی کہی نہ کہی آج انہی کا حصہ ہوتی۔ لیکن پھر بے بے کے علاوہ اس کی زندگی میں ایک اور شخص کا بھی تو اضافہ ہوا تھا۔ جو اسی دنیا کا باسی ہوتے ہوئے بھی یہاں کانہ لگتا۔

رات آئی ہے رات آنے دو

نشہ ہوتا ہے نشہ ہونے دو

دل جلتا ہے دل جلنے دو

یاد آئی ہے مجھے پینے دو

رات کے دس بج رہے تھے۔ جب وہ ڈی سی کلب میں داخل ہوئی۔ بے تاثر انداز میں خود کو نشے میں ڈوبے اور مستوں میں جھومتے لوگوں سے بچاتی وہ وی آئی پی لاونچ میں داخل ہوئی۔  
 ایک پل کو وہ پہلی ہی قدم پر رکی۔ سامنے ہی صوفے پر وہ اڑھاتر چھابکھرے حوالے میں پڑا تھا۔ ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس میں کچھ ہی گھونٹ بچے تھے۔ اس نے ساتھ پڑی ٹیبل پر دور سے ہی نظر دوڑائی۔ تو وہاں شراب کی حالی بوتلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہ گہری سانس بھرتی اس کی اور بڑھی۔  
 مآرب دھیرے سے اس کے پاس صوفے پر ٹکی۔ مقابل کی آنکھیں بند تھیں۔ مآرب نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے ماتھے پر بکھرے بال ہٹائے۔ تو اس جانے پہچانے لمس پر مقابل نے بمشکل سے آنکھیں واکی تھیں۔ آنکھیں نشے کی زیادتی سے لال تھیں۔ مآرب کو افسوس نے آگیا۔



سیال اعوان نے بوجھل ہوتی آنکھیں جھپکی۔ گویا تصدیق کرنا چاہتا ہو کہ اس کے پاس بیٹھی لڑکی مآرب اعوان ہی ہے۔ اسے یقین نہیں آیا۔ وہ بہت دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ سیال اعوان کو لگا وہ اس کا الوژن ہے۔ لیکن پھر اس نے مآرب اعوان کے لبوں کو ہلتے محسوس کیا۔

”تم ایک مہینے سے اپنی زندگی ان اندھیروں میں برباد کر رہے ہو۔“

اس کے بال سنوارتی وہ مدھم لہجے میں بولی۔ اندھیرے سے مراد اس کی یہ فحاش اور کچھ عجیب سی جگہ تھی۔ جس کو مہذب زبان میں کلب کہا جاتا ہے۔



تیرے پیار نے سرعام  
بدنام کر دیا مجھے  
شراب کا غلام کر دیا مجھے  
نہ جی رہا ہوں نہ میں مر سکا

”یہی اندھیرا میرے گناہوں کو چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ (اس نے گلاس اٹھا کر اشارہ کیا) یہ میرے ضمیر کو کچھ لمحوں کیلئے چھپا دیتا ہے۔ اور یہ شور (انگلی گھما کر کلب میں گھونجتے شور کی طرف اشارہ کیا) یہ شور میرے گلٹ کو دبا دیتا ہے۔ میں کچھ لمحوں کیلئے ہی سہی مآرب لیکن پرسکون ہو جاتا ہوں۔“

ایسا میرا حشر ہے بن گیا  
جو پہلے مے خانہ تھا

وہ گھر ہے بن گیا  
کہ اب تو ساقی نے بھی  
جام کا حساب نہ رکھا

اس کے لہجے میں لکھڑاہٹ محسوس کرتی مآرب یاسیت سے گویا ہوئی۔  
”یہ وقتی سکون تمہارا سکون حتم کر رہے ہیں سیال۔“  
سیال نے گلاس میں بچی تھوڑی سی شراب بھی ایک ہی گھونٹ میں پی لی۔ اور گلاس ٹیبل پر پٹخ کر اس نے  
مآرب کو دیکھا۔

”چادر میں اچھی لگ رہی ہو۔“  
مآرب نے اس کی بات نظر انداز کرتے کہا۔  
”گھر چلو سیال خود کو برباد مت کرو۔ یہ جگہ  
تمہاری لائے نہیں بنی۔“  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

درد ہوتا ہے درد ہونے دو  
زخم گہرا ہے اسے رہنے دو  
رات آئی ہے رات آنے دو

سیال استہزائی یہ انداز میں مسکرایا۔ جیسے خود پر ہنس رہا ہو۔  
”کیا میں ایک اور بیٹی رہی لو۔“

بڑی معصومیت سے مآرب سے اجازت طلب کی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔  
 ”میں پینا نہیں چاہتا سچی۔ پر سالوں نے گانا ہی ایسا دردناک لگایا ہے کہ بے ساختہ پینے کا دل کر رہا ہے۔ اب  
 کوئی ان کو بتائے نہیں گئی میری محبوبہ مجھے چھوڑ کر۔ اس گانے کے چکر میں جانے کتنی پی چکا ہو۔“

آنکھیں روتی ہے انھیں رونے دو  
 یاد آئی ہے مجھے پینے دو  
 رات آئی ہے رات آنے دو  
 دل جلتا ہے دل جلنے دو  
 یاد آئی ہے مجھے پینے دو

مآرب نے سختی سے نچھلا ہونٹ دانتوں تلے کچلا۔ اس نے جانے کتنی مقدار میں شراب پی لی تھی۔ لیکن  
 اسے ابھی پوری طرح نشہ نہیں چڑھا تھا۔ جانے وہ کتنے دنوں سے پی رہا تھا۔ کہ اس حد تک برداشت بڑھ  
 گئی تھی۔

اسے خاموش پا کر سیال نے ہاتھ اٹھا کر سرینڈر کرنے کا اشارہ دیا۔ کچھ پلوں کیلئے وہ دونوں ہی خاموش  
 تھے۔ سیال نے دھیرے سے سر اس کے کندھے پر رکھا۔ اسے بے اختیار رونا آیا۔ یہ اس کی بہت پیاری  
 بہن تھی۔ مریم سے بھی پیاری۔

مآرب نے اس کا گال ہاتھ میں بھرا۔  
 ”گھر چلے۔“

سیال نے آنسو سے بھیگی آنکھیں اٹھائی۔

”میں نے بہت برا کیا ناں تمہارے ساتھ۔“

مآرب نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نے تم پر گولی چلوئی تھی مآرب۔ میں نے تمہارے پروجکٹ میں خرابی کر کے تمہارے کریئی رکو تباہ کر دیا مآرب۔ میں نے بابا کی نظروں میں تمہیں برا بنا دیا مآرب۔ میں نے بہت برا کیا تمہارے ساتھ۔“

مآرب بے تاثر انداز میں اسے سنتی رہی۔ وہ حیران نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی۔ وہ شروع سے جانتی کہ اس کے پروجکٹ کے ساتھ چیڑ چھاڑ یوعان شیخ نے نہیں سیال اعوان نے کی تھی۔ ہوعان شیخ کو جب معلوم ہوا کہ گڑ بڑ کرنے والا کوئی اور نہیں مآرب اعوان کا اپنا بھائی ہے۔ تو اس نے جان بھوج کر اس انداز میں حالات پیدا کئے کہ مآرب کا شک اس پر آئے۔ اس نے خود کو برا بنایا کیونکہ وہ جانتا تھا مآرب اعوان اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی ہے۔ اور مآرب نے بھی یوعان کے سامنے یہی ظاہر کیا کہ وہ سیال کو نہیں یوعان کو مجرم سمجھتی ہے۔ جبکہ درحقیقت اسے شروع سے پتا تھا۔ تب سے جب پہلی بار اس پر اٹیک ہوا تھا۔ اور اسے گولی لگی تھی۔ وہ ہر بات سے واقف تھی۔ بس خاموش تھی۔ سیال اعوان اس کا بھائی تھا۔ ان کی رگوں میں ایک ہی خون دوڑتا تھا۔ مآرب اعوان اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ بلا کیسے اپنے خونی اور پیارے دشمن سے انجان رہتی۔

”تم نے یہ کیوں کیا سیال۔“

اس کی زبان سے سرگوشی کی صورت نکلا۔ سیال اعوان نے اذیت سے آنکھیں میچ لی۔

”بابا ہمیشہ مجھے ڈگریڈ کرتے تھے مآرب۔ ان کو لگتا تھا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھ میں کوئی ٹیلنٹ ہی نہیں ہے اور شاید وہ ٹھیک تھے۔ مجھ میں واقعی کوئی ٹیلنٹ نہیں ہے۔ بس فقط کینہ اور بغض ہی بھرا ہوا ہے۔ داریہ ہمیشہ مجھے ٹانٹ کرتی تھی۔ کہ ہر بار بزنس میں مآرب اعوان آگے کیوں ہوتی ہے ہر بار بزنس ایورڈ اسے کیوں ملتا ہے۔ اور میں نے اللہ گواہ ہے ہمیشہ اس کو جھڑکا ہی ہے۔ لیکن یہ باتیں میرے لاشعور میں

خدا نجانے کیسے پلٹی رہی۔ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا مآرب۔ میں نے تم پر ہوائی فائی رنگ کروانی چاہی تھی۔ کہ تم بس کچھ دنوں تک وہ پروجکٹ چھوڑ دو۔ تاکہ میں اسے سنبھالتا اور ایسے بابا بھی مجھ سے خوش ہو جاتے لیکن اس فائی رنگ میں غلطی سے تمہیں گولی لگ گئی۔ اور پھر میں نے اور برا سوچا تمہارا پروجکٹ خراب کر کے تمہاری ایج خراب کر دی۔“

وہ ندامت سے وضاحت دیتا چپ ہوا۔ مآرب نے گہری سانس لی۔ سیال اعوان کے آنسو اس کا کندھا بھگو رہے تھے۔

”اگر تم کہتے کہ وہ پروجکٹ تم کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہ دے دیتی سیال۔“

سیال نے آنکھیں اس کے کندھے سے رگڑی۔ اور بچوں کے سے انداز میں روتے بولا۔

”دے دیتی لیکن مجھ سے غلطی ہوگئی مآرب۔“

مآرب کا دل کر لایا اسے روتے دیکھ کر۔ اس وقت وہ سب کچھ بول گئی۔ وہ گولی لگنے کا درد، بورڈ میمبرز کے سامنے شرمندگی، کریم اعوان کی آنکھوں میں خود کیلئے مایوسی اپنے کریئی رکا حتم ہونا سب کچھ بھول گئی۔ یاد رہا تو صرف یہ کہ اس کا بھائی رورہا ہے۔ اس کا بھائی خود کو ختم کر رہا ہے۔ گلٹ وہ بلا ہے جو انسان کو سلو پوئی زن کی طرح حتم کرتی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی اس کا بھائی گلٹ سے ختم ہو۔

”میں سب کچھ جانتی تھی سیال۔ ہاں مجھے دکھ ہوا تھا کہ تم مجھ سے شئی رکرنے کی بجائے میرے دشمن بن بیٹھے ہو پر وہ الگ کہانی ہے۔ اس کا بدلہ میں تمہیں طعنیں مار مار کر لوں گی چھوڑو گی تو پر بھی نہیں لیکن فلحال میری بات سنو۔ میں نے تمہیں معاف کیا سیال تمہارے ہر ایکٹ کیلئے جس سے مجھے نقصان پہنچا میں نے اس کیلئے تمہیں معاف کیا۔“

سیال اعوان بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

”گھر چلو سیال۔ میں یہاں اور ایک منٹ رکی تو میرا شوہر اس کلب کو تو بند کروائے گا ہی۔ ساتھ تمہیں بھی اٹھوا کر کچرے میں پھینک آئے گا۔ چلو اٹھو شاباش۔“

مآرب اعوان اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بنا ہی زبردستی بازو سے کھینچتی اٹھا گئی۔ اس کا موبائل اور کی چین اٹھاتی وہ اسے کھینچتے ہوئے اس کلب سے نکلی۔

رات کے بارے بچے وہ سیال کو لے کر اعوان ویلا پہنچی تھی۔ راستے میں یوعان کو میسج کر دیا تھا۔ کہ آج رات وہ ادھر ہی رکنے والی ہے۔ سیال کو ملازم کی مدد سے اس کے کمرے میں لیٹا کر وہ دروازے کی سمت بڑھی۔

”تمہیں اپنے لائے سنڈلینا چاہیئے مآرب۔“

مآرب رک کر پلٹی۔ سیال چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

”کیا کروں گی میں۔۔۔۔۔ تمہیں سزا دوں گی تو کریم اعوان کا نام بدنام ہو گا۔ چھوڑوں گی تو ایسے اپنی زندگی برباد کر دوں گے۔ خون کے رشتے پاؤں میں بندھی زنجیر کی طرح ہوتے ہیں جنہیں نہ توڑا جاسکتا ہے نہ چھوڑا جاسکتا ہے۔“

سیال نے چھت سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ رہی تھی۔

”لیکن ہاں خون کے رشتے ایک کام ضرور کر سکتے ہیں۔ اگلے کو اتنے طعنے دیتے ہیں کہ وہ بچا را خود ہی

خود کشی پر مجبور ہو جائے اور یہ کام میں بحیثیت بہن ضرور کروں گی۔“

اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ سیال نے ہنستے ہوئے آستین سے گیلی آنکھیں صاف کی۔ یہ کام پہلے وہ دونوں مریم کے ساتھ کرتے تھے۔ کیا وقت آگیا تھا کہ اب سے آپس میں کیا کریں گے۔ اسے ہنسی آرہی تھی۔ جبکہ اسے ہنستے دیکھ کر وہ بھی مسکراتے ہوئے کمرے سے نکلی۔

وہ نیچے آئی اس کا ارادہ اپنے لئے کافی بنانے کا تھا۔ مگر لاونچ سے آتی ٹی وی کی آواز پر اس نے لاونچ کے دروازے پر رک کر اندر جھانکا تو صوفے پر بیٹھی چپس کا بڑا سپیکٹ پکڑے نیوز دیکھتی اسے مریم دیکھی۔ مآرب نے ایک نظر نیوز پر ڈالی تو وہاں اینکر چیچ چیچ کر ان کے ڈائی ورس کا اعلان کر رہی تھی۔

مآرب نے بازوؤں سینے پر باندھے اور دروازے سے ٹیک لگائی۔

”مریم۔“

پیکٹ کے اندر سے چپس اٹھاتے مریم کا ہاتھ پل بھر کو تھما۔ اس نے سرعت سے سر گھمایا تو اسے مآرب نظر آئی۔

”اوہ مآرب۔۔۔۔۔ تم کب آئی۔“

”ابھی ہی۔۔۔۔۔ رات بارے بجے تم نیوز دیکھ رہی ہو۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”یہ۔۔۔۔۔ ارے یہ تو میری ڈائی ورس کی نیوز ہے۔ یا سریز ادنیٰ نے بلاخر دو مہینے بعد ہماری ڈائی ورس اناونس کر دی ہے۔ شاید وہ اب شادی کرنے والا ہے تبھی۔ خیر آؤ تم بھی بیٹھ کے دیکھو۔ بڑے مزے کی خبریں ہے۔ ویسے مآرب میں تو عدت میں بیٹھ گئی ہوں۔ لیکن یا سریز ادنیٰ شاید عدت میں بیٹھنا بھول گیا ہے۔“

مزے سے بولتی وہ آخر میں قدرے فکر مند ہوئی تھی۔ مآرب اس کی ناقص عقل پہ افسوس کرتی کچن میں چلی گئی۔

”تمہیں اپنی دینی علم پہ تھوڑا کام کرنا چاہیئے مریم۔ کافی بنا کر لاتی ہوں ساتھ مل کر نیوز دیکھیں گے۔“



مریم کندھے اچکا کر دوبارہ سے چپس کھاتی نیوز کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سکون ہی سکون تھا۔ وہ ہذیانی حالات میں بھی اتنے پر سکون انداز میں بولتی تھی کہ بندہ حیران رہ جائے۔ پر ان آنکھوں کا کیا کرتی جن میں اس وقت بھی نمی تیر رہی تھی۔ اسے دکھ اپنی طلاق کا ہر گز نہیں تھا۔ بلکہ غم تو اپنی زندگی کے اتنے سال برباد ہونے کا تھا۔ اس محبت کا تھا جو اسے نکاح کے بعد اپنے شوہر سے ہوئی تھی۔ اپنے حیا کے چلے جانے کا تھا۔ اس نے طلاق کے بعد کسی سے بحث نہیں کی کہ اس نے طلاق لی کیوں۔ کیونکہ کوئی سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی ماں بھی نہیں۔ اس نے اپنے ماں باپ سے شکوہ تک نہ کیا کہ آپ لوگوں نے کیوں میرا کاروباری سودا کر کے مجھے ایک بدکردار شخص کو سونپ دیا۔ جس کے اپنے کردار میں تو جھول تھا ہی پر وہ اسے بھی برائی پر راغب کرنے لگا۔ وہ اگر اپنا دل کھول کر رکھ دیتی تو قوی امکان تھا کہ اس کے ماں باپ صدمے سے ڈپریشن میں چلے جاتے۔ مگر نہیں مریم اعوان کا اصول تھا۔ کوئی اسے برا سمجھتا ہے تو سمجھنے دے۔ اس کا معاملہ اسے اور اللہ کو پتا ہے۔ تھوڑی دیر میں مآرب کافی کے مگ پکڑے اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا ناں مریم جب کسی عورت کو طلاق ہوتی ہے یا پھر اس کے شوہر کی وفات ہوتی ہے۔ تو اس پر عدت لازم ہو جاتی ہے۔ عدت کا ایک مقصد تو استبراء رحم کے ہیں۔ یعنی بچہ دانی کے حالی ہونا۔ اس میں نسب کی حفاظت ہے۔ دوسرا یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور جب اللہ کا حکم آتا ہے تو وہ یقیناً انسان کی بہتری کیلئے ہوتا ہے۔ اس میں جنڈر کو نشانہ بنائے بغیر مانے میں ہی عافیت ہے۔“

کافی کے گھونٹ لیتے مآرب نے مدھم لہجے میں سمجھایا۔

مریم خاموشی سے سنتی رہی بات کے اہتمام پر بولی۔

”تم رات کے بارہ بجے کیوں آئی ہو۔ کہی شوہر سے جگڑا تو نہیں ہوا۔“

اس کا لہجہ مشکوک تھا۔ مآرب آنکھیں گھما کر رہ گئی۔ وہ کیا بات کر رہی تھی اور مریم کس بات کی ٹوہ میں لگی تھی۔

اسی اثنا میں سیال سرہاتھوں میں پکڑے آکر ان کے پاس صوفے پر گرا۔  
”تم سوئے نہیں۔“

مآرب نے تعجب سے پوچھا۔ مریم کا اپنی ہی سوال تھا۔  
”تم آئے کب گھر۔“

”نیند نہیں آرہی۔ نشہ دماغ پر نہیں سر پر چڑھ گیا ہے۔ درد سے پٹا جا رہا ہے۔ مریم مجھے ہنگ اور ڈرنک بنا دو یار۔“

بیزاری سے بولتے اس نے مریم کو آڈر لگایا کیونکہ اس وقت سارے ملازم اپنے کو واٹرز میں جا چکے تھے۔  
”میں تمہیں ہنگ آور ڈرنک کی بجائے ہنگ آور زہر نہ بنا دوں۔ ابھی تو میری عدت بھی ختم نہیں ہوئی اور طلاق یافتہ بہن کو نوکر بنانے کی ٹھان لی ہے۔“

مریم کو تو پتہ ہی لگ گئے۔ سیال نے زرا سا سر اٹھا کر بگھڑے وازیوں سے اسے دیکھا۔  
”تمہاری اسی زبان کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے تمہیں۔ خیر تم خود کو اکیلا ہرگز فیل مت کرو۔ میں بھی انقریب اسی کٹگری میں داخل ہونے والا ہوں۔“

مآرب جو مزے سے ٹیک لگائے ان کی منہ ماری ملا حظہ کر رہی تھی۔ سیال کی بات پر سرعت سے ٹیک چھوڑتی بیٹھی۔ چونکی تو مریم بھی تھی۔

”تم داریہ سے علحیدگی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔“  
وہ تشویش سے بولی۔ سیال گہری سانس لیتا سیدھا بیٹھا۔

”وہ عورت مجھے گناہ پر راغب کر رہی ہے۔ یہ تو چلو میرے اپنے ایمان کی کمزوری ہے۔ لیکن میں اس رشتے میں بے سکون ہوں مآرب۔ یہ بے سکونی دنوں کی نہیں سالوں کی بات ہے۔ چھ سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو اور اسے اب تک اولاد نہیں چاہی ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اسے ابھی لائف انجوائے کرنی ہے۔ جیسے وہ آج کل اپنی دوستوں کے ساتھ پیرس گئی ہوئی ہے۔ تو اگر اسے بچوں کی شادی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تو شادی ہی نہ کرتی۔ اس لئے میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں علحیدہ ہو جاؤں۔ اور یقیناً اسے بھی کوئی ایشو نہیں ہو گا۔“

مریم کو اس کا فیصلہ برا نہیں لگا۔ اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس چیز سے گزر چکی تھی۔ جب دو بندے ایک بندھن میں خوش نہیں ہے تو فائی دہ کھوکھلے رشتوں کو پروان چڑھانے کا۔ جبکہ مآرب فکر مند نظر آئی۔ وجہ ماں باپ تھے۔ ابھی بڑی بیٹی طلاق لے کر گھر بیٹھی تھی۔ ابھی تو مسز جیسن نیوز والی بات پہ بھڑاس نکالتی کجا کہ سیال بھی طلاق کا شوشہ چھوڑ دیتا۔ اور نزلہ آخر میں مآرب پر ہی گرنا تھا۔ کیونکہ ان کے مطابق اسی کی منشا پر یہ سب ہو رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ایک لڑکی پھٹی ہوئی آنکھوں میں خوف لے لے اسے ہاتھ لہرا کر خود کی طرف بلارہی تھی۔  
(صبح کے سات بج رہے تھے۔ جب اس کی گاڑی آپاٹمنٹ کی پارکنگ میں رکی۔)  
اس کے ارد گرد دھند تھی۔ پہلے صرف لڑکی کی آنکھیں نظر آرہی تھی۔ لیکن غور کرنے پر اسے منہ بھی نظر آیا۔ جن پر کھر درمی انگلیوں نے بسیرا کر کے آواز کو دبا دیا تھا۔

(مآرب گاڑی لاک کر کے لفٹ کی طرف بڑھی۔)

وہ لڑکی شاید چلانا چاہتی تھی۔ چیخ کر اسے بلانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا گلابڑی بے دردی سے گھوٹا گیا تھا۔ وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے خوابوں میں آتی تھی۔ جب کبھی وہ مصیبت میں ہوتی اس کے خواب میں آکر اسے پکارتی۔ جیسے اس وقت اسے خود کی طرف بلارہی تھی۔ یقیناً اسے مدد کی ضرورت تھی۔

(مآرب نے لفٹ کھلنے کا انتظار کیا۔ اور ٹھیک سات منٹ بعد لفٹ کھل گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر قدم رکھتی۔ اندر موجود انسان کو دیکھتے اسے ٹھٹھک کر رکنا پڑا۔ دو منٹ لگے تھے اسے مقابل کو پہچانے میں اور اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹ گئی۔)

اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی کا ہاتھ تھامتادھو اس نے ایک دم سے اس لڑکی کو نگل لیا۔

”مآربیب۔۔۔۔“

وہ ہڑبڑا کر ایک چیخ مارتے بیدار ہوا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

صبح کے سات بج رہے تھے۔ جب اس کی گاڑی آپاٹمنٹ کی پارکنگ میں رکی۔

مآرب گاڑی لاک کر کے لفٹ کی طرف بڑھی۔

اس نے لفٹ کھلنے کا انتظار کیا۔ اور ٹھیک سات منٹ بعد لفٹ کھل گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر قدم رکھتی۔ اندر موجود انسان کو دیکھتے اسے ٹھٹھک کر رکنا پڑا۔ دو منٹ لگے تھے اسے مقابل کو پہچانے میں اور اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹ گئی۔

یوشع شیخ لفٹ میں ہوش و خرد سے بے گانہ پڑا تھا۔ مآرب تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اور پنچوں کے بل بیٹھ کر اس کا چہرہ پتپتا کر اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ ہوش میں ہوتا تو کوئی حرکت کرتا ناں۔

مآرب نے اپنی حواس باختگی پر قابو پاتے سرعت سے بند ہوتے لفٹ کے دروازے میں ہاتھ رکھ کر اسے بند ہونے سے روکا۔ اور ہوش کو کھینچ کر لفٹ سے نکالا۔

”ہاں۔۔۔ یو یوشع کتنے بھاری ہو تم میرے بھائی۔“  
اسے کھینچنے کے چکر میں اس کی سانسیں اچھی خاصی پھول چکی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے دوسرا کام یو عان کو کال ملا کر نیچے آنے کا کیا تھا۔

اب وہ وہی لفٹ کے پاس بیٹھی یوشع کا ہاتھ رب کرتی اسے ہوش میں لانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ تبھی یو عان شیخ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تیزی سے لفٹ سے نکلا۔

”کیا ہوا ہے اسے۔“

وہ یوشع کے پاس بیٹھا اس کی ناک کے پاس انگلی رکھتے اس کی سانسیں چیک کرتے بے چینی سے مآرب سے پوچھنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات مآرب کو انجانے سے لگے تھے۔ ماتھے پر پیسے کے ننھے ننھے قطروں نے اسے حیران کیا تھا۔ وہ شاید ابھی تک اس خواب کے زیر اثر تھا۔

”مجھے نہیں پتا یہ مجھے لفٹ میں بے ہوش پڑا ملائیے۔ آپ کہاں تھے یہ باہر نکلا کیسے ابھی تو ٹھیک سے بخار بھی نہیں اتر تھا۔“

مآرب پریشانی سے یوشع کے ماتھے سے بال ہٹاتی یوعان پر بھڑکی۔

یوعان اس کی شرٹ سے نظر آتے سینے کو دیکھتے چونکا۔ اس نے جلدی سے اس کی شرٹ کھول اس کا سینا دیکھا تو وہاں سرخ چھوٹے چھوٹے نشان بنے ہوئے تھے۔

”یہ کیا ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

”اسے ہو اسپتال لے کر چلتے ہیں۔ آپ گاڑی سٹاٹ کرے مآرب میں اسے لے کر آتا ہوں۔“

یوشع کی سانسیں مدھم چلتے محسوس کرتے وہ اضطراب بھرے لہجے میں بولا۔ تو مآرب سرعت سے اٹھی پارکنگ کی جانب بھاگی۔

”یوشع کو ٹائی فائی ڈھوا ہے تبھی بخار نہیں اتر رہا۔ بار بار بے ہوشی بھی کمزوری کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ شاید اس نے کسی چیز کا سٹرس لے لیا ہے۔“

ڈاکٹر سیٹھی اس کی ڈرپ کی سپیڈ بڑاتے پشتہ دار نہ انداز میں بولے۔ یو عان وہی اس کے بیڈ کے پاس دونوں ہاتھ پہلوں پہ ٹکائے کھڑا تھا۔ چہرے پر خطرناک خد تک سنجیدگی تھی۔ مآرب جو یوشع کے سرہانے کھڑی تھی۔ تیزی سے بولی۔

”اس کے سینے اور پیٹ پر سرخ دبے کیوں ہے۔“

ڈاکٹر سیٹھی اس کی بے چینی پر مسکرائے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ٹائی فائی ڈ میں یہ سپاٹ ہونا نارمل بات ہے۔ نووریز انشا اللہ ٹریمنٹ سے ٹھیک ہو جائے گا۔“

مآرب نے آہستہ سے سر ہلاتے یوشع کے بال بکھیرے جواب آنکھیں دھیرے سے کھول چکا تھا۔

ڈاکٹر سیٹھی اس کا چیک اپ کر کے کمرے سے نکلے۔

یو عان دو تین قدم آگے آتا اس کے پاس رکتا جھک کر بیڈ پر دونوں ہاتھ ٹکا گیا۔ اس نے سنجیدگی سے یوشع کی آنکھوں میں جھکانتے ایک سوال پوچھا تھا۔



”کس وجہ سے پریشان ہو۔ کیا چیز تمہیں پریشانی زکّر رہی تھی۔“

یوشع کے گلے میں گھلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ یوعان شیخ کے اس انداز کا مطلب تھا کہ میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔

وہ اگر نہ بھی بتاتا تو اس نے پتہ لگا لینا تھا۔ اور پھر جو اس کی کٹ ہونے تھی اللہ امان۔

”ماما مجھے فیملی بزنس میں آنے کیلئے فورس کر رہی ہے۔“

وہ دھیمے سے بولا۔

مآرب ان کی ذاتی گفتگو جانتے نکلنے لگی کہ یوشع نے اس کی کھلائی پکڑ کر اسے روکا۔

”ادھر ہی ر کے بھا بھی آپ دونوں سے زیادہ سگامیرا کوئی نہیں ہے۔“

مآرب دھیرے سے مسکرائی۔ یوشع نے اس کی کھلائی چھوڑ کر یوعان کو دیکھا جس کی زیرک نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی۔

”آگے بولو یوشع یہ بات پریشانی والی نہیں ہے۔“

یوشع کی آنکھیں نم ہوئی۔

”میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا بھائی۔“

یو عان اس کی بات پر چونکا۔

”میں فیملی بزنس میں پڑ کر اپنی ماں کے پریش میں آ کر کسی سازش کے تحت اتنے پیارے بھائی کو نہیں کھونا چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کل کو میں بھی لالچ میں آ کر سیال رحمن بن جاؤں۔“

سیال کا نام سن کر مارب نے چونک کر اسے دیکھا۔ کیا یوشع بھی اس بات سے واقف تھا۔ وہ منہ بسورے بولی۔

”سیال لالچ میں نہیں اپنی انسکیورٹی کی وجہ سے برا بن گیا تھا۔ اور تم تب سے اس بات کو لے کر بیمار ہوئے پڑے تھے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ بے وقوف انسان تم جانتے ہو مرنے والے تھے تم۔ اگر میں لفٹ لینے نہ آتی تو وہی مر کھب چکے ہوتے۔“

یوشع نم آنکھیں آستین سے رگڑتے ہنسا۔

”آپ لفٹ لینے نہ آتی تو کوئی اور آ جاتا۔ اور پلیز یہ مرنے والی باتیں میرے سامنے نہ کرے۔ میں بھائی کی طرح ابھی آپ کی محبت میں مبتلا نہیں ہوا۔ کہ خوشی خوشی آپ کے مرنے والے مذاق کو سہہ لوں گا۔“

مارب نے سٹیٹا کر یو عان کو دیکھا جس کے چہرے پر مسکان ایک لمحے کیلئے آ کر غائب ہوئی تھی۔ اس نے یوشع کی بات کی تردید نہیں کی۔ بس ایک نرم گرم نگاہ اپنی پیاری سی احساس بھری بیوی پر ڈالی۔ یہ عورت اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔

اسی وقت شاہ نواز اور عیسیٰ بلال اندر آئے۔

”کیا ہوا ہے یوشع کو۔ ایک تو تم سب کچھ نمٹا کر مجھے کیوں کال کرتے ہو۔ کبھی تم مجھے مصیبت پڑنے پر وقت پر خبر نہیں دے سکتے۔“

عیسیٰ بلال اندر آتے ہی یوعان پر برساجس نے ایک سنجیدہ سی گھوری سے اسے نوازا تھا۔ مآرب اس کی بات پر نفی میں سر ہلاتے بولی۔

”یوشع ہمارے لئے مصیبت نہیں ہے عیسیٰ بھائی کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔“

یوشع نے اسے ایک تگڑی گھوری دی تھی۔ جو اسے انڈریکٹلی مصیبت کہہ رہی تھی۔ مآرب نے لب دباتے مسکراہٹ چھپائی۔ جبکہ عیسیٰ اور شاہ نواز سر جھکائے ہنس دیئے۔ شاہ نواز نے یوشع کے ماتھے پر لب رکھتے نرمی سے اس کا حال پوچھا۔ یوعان ان سب کو مصروف پا کر نامحسوس انداز میں باہر نکلا۔ مگر مآرب کی نگاہیں اس کا سنجیدگی سے نکلنا بھانپ چکی تھی۔

وہ روم سے باہر نکلتے کوریڈور میں قدرے خالی جگہ پر آکر رکا۔ ٹراوڑ کی جیب سے موبائی ل نکال کر اس نے ایک نمبر ڈائل کرتے کان سے لگایا۔ ماتھے کی نیلی رگیں ضبط سے پھول کر واضح ہو رہی تھی۔

کال ملنے پر اس نے سلام کا تکلف کئے بغیر متانت برقرار رکھتے پوچھا۔

”کہاں کے ہیں آپ۔“

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے اپنے باپ پر سلامتی نہیں بھیجی تھی۔ وہ اس کے لہجے کا غیر معمولی پن بھانپتے بولے۔

”آسلام آباد میں۔ ایک سمینار میں ہوں خیریت۔“

”آپ کی بیوی کے بارے میں نہیں پوچھوں گا کہ ان سے باز پرس کا حق میں نہیں رکھتا۔ صرف اتنا بتائیں یو شیع کہاں ہے۔“

اس کے کھر درے لہجے میں پوچھے گئے سوال پر ایک لمحے کو حسن شیخ چپ رہ گئے تھے۔  
 ”دوستوں کے ساتھ ہو گا۔ اگر تمہارے ساتھ نہیں ہے تو۔ یا پھر کبھی دوستوں کے ساتھ سیر کو نکل گیا ہو گا۔“

ان کے انداز میں بے فکری محسوس کرتے یو عان شیخ نے بے ساختہ گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے دائیں بائیں گھماتے شاید غصہ ضبط کرنے کی ایک ناکام سی کوشش کی تھی۔

”آپ کا بیٹا دوستوں کے پاس نہیں ہے بابا۔ وہ دودن سے لاوے کی طرح بخار میں تپتپا اب اس وقت ہو ہسپتال کے بیڈ پر پڑا ہے۔ یہ ڈر اس کا بخار کم ہونے نہیں دے رہا کہ کہی وہ بزنس میں آکر مجھے نہ کھو دے۔ اور میرے سینے پر چھریاں چل رہی ہیں کہ وہ میری وجہ سے ٹوچر کیا جا رہا ہے۔“

”آپ اپنی بیوی سے کہے گا یوشع کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔ میرے بھائی کو ان سازشیوں سے دور رکھے۔ انھیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے جب وقت آئے گا اور ضرورت پڑے گی۔ تو میں اپنے شیئی ریز بھی اس کے نام کر دوں گا۔“

یوعان شیخ اپنے باپ کو سکتے میں چھوڑ کر کال بند کر کے گہری سانس لیتا اپنا طیش کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر وہ مڑا تو پیچھے مارب کو دیکھ کر چونکا۔ وہ اس کے دیکھنے پر مسکرائی۔ اس کا مسکرانا تو ٹھیک تھا۔ لیکن مسکرانے کے ساتھ جویہ آنکھیں مسکراتی تھی یہ ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جو ازل سے اس کی آنکھوں کا دیوانہ تھا۔ مسکرانے سے پہلے وہ اس پر تھوڑا تو رحم کر لیتی۔

stop smiling Marib میں ہو سپتال میں کھڑا ان خوبصورت آنکھوں کا بوسہ نہیں لینا چاہتا۔“

وہ دھیمی آواز میں خمار سے بھرپور گھمبیر لہجے میں بولا۔

مارب نے لب بھنیچلئے لیکن آنکھیں ہنوز شرارت پر آمادہ تھی۔

یوعان شیخ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اور بس اس کا ضبط یہی تک تھا۔

اس نے جھک کر ارد گرد کی پرواک ئے بغیر ان نشیلی کنول آنکھوں پر اپنے پُر حدت لب رکھے تھے۔ مآرب نے سٹپٹا کر جلدی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے دور کیا تھا۔ یوعان شیخ جتنا سنجیدہ اور کمپوز رہتا تھا اسے اُمید نہیں تھی وہ سر عام یہ حرکت کرے گا۔

اس کا سرخ پڑتا چہرہ یوعان شیخ کی دھڑکنیں بڑھا گیا۔

وہ دھیمی مسکان لائے اس کا ہاتھ پکڑتا یوشع کیلئے مختص کمرے میں چلا گیا۔

Safar-e-Adab

”کیا مسئلہ ہے۔ یوں اچانک سے اس کا بیمار پڑ جانا سمجھ میں آنے والے بات نہیں ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ دونوں کمرے میں ایک طرف رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ جبکہ مآرب اور شاہ نواز یوشع کے بیڈ کے پاس بیٹھے اس کے نخرے اٹھانے میں مصروف تھے۔

”ٹائی فائی ڈ ایک عام بخار ہے۔ جو کسی کو بھی کبھی بھی ہو سکتا ہے۔“

وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ عیسیٰ کا حلق تک کڑوا ہوا۔ اس نے دانت پیستے یوعان شیخ کے کندھے پر مکا مارا۔

”یہ چول بازیاں میرے سے مت کر۔ اندھا نہیں ہوں میں۔ ڈاکٹر ز کہتے ہیں سٹرس لیا ہے۔ اور یہ میں مان ہی نہیں سکتا کہ تمہیں اس بارے میں کوئی خبر نہیں ہوگی۔“

یوعان شیخ نے اسے گھورتے سرد لہجے میں کہا۔

”تمہاری پچھو کی ہی کارستانیاں ہے۔ سچ بات بتاؤں گا تو مان لو گے۔“

عیسیٰ بلال نے، سنکھارا بھرا۔ اور تاسف زدہ لہجے میں بولا۔

”جیسے پہلے میں نے کبھی تمہاری زبان پہ سوال اٹھایا ہونا۔ اس کی ماں میرے ہی باپ کی سگی بہن ہے ان سے مختلف تو نہیں ہوگی۔“

اس کا لہجہ زہر خند سا ہوا۔ یوعان نے ٹھنڈی سانس بھری۔

”مسز حسن چاہتی ہے کہ اب یوشع آفس سنبھالے۔ جو بری بات تو ہر گز نہیں ہے۔ ہر ماں چاہتی ہے اس کی اولاد کامیاب ہو۔ سب سے آگے ہو۔ لیکن یوشع کو لگتا ہے وہ بزنس میں انو لو ہو کر مجھے کھودے گا۔ بزنس کالا لچ ہم دونوں بھائی یوں میں دوریاں لے آئے گا۔“

عیسیٰ بلال کی پر سوچ نگاہیں یوشع پر جمی تھیں۔ یوعان شیخ کی اگلی بات پر وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہوا تھا۔

”کیا تمہیں لگتا ہے یہ مادی چیزیں ہم دونوں کو دور کر سکتی ہے۔“

وہ شاید عیسیٰ سے یقین چاہتا تھا۔



”یوعان شیخ مر تو سکتا ہے لیکن اپنے بھائی کو اکیلا نہیں کر سکتا۔ احساس بھرے دل کبھی کسی کو اکیلا نہیں کر سکتے۔“

یوعان شیخ کا دل ایک دم سے ہلکا ہوا تھا۔

”یہ دودھ مجھے پسند نہیں اس کا فلیور عجیب سا ہوتا ہے۔“

اس نے بڑے نخرے سے دودھ کا ڈبا پھرے کیا۔ اور یہ کرتے ہوئے وہ مآرب اعوان کا ضبط آزما رہا تھا۔ شاہ نواز نے بیرازی سے اس نخریلے بلے کو دیکھا۔ جو کبھی فروٹس میں کیڑے نکال رہا تھا۔ کبھی اسے دودھ کی کمپنی پہ اعتراض ہوتا۔

”میں ایک specific کمپنی کا دودھ پیتا ہوں۔ باقی مجھے سوٹ نہیں کرتے۔“

اس نے ناک منہ چڑائے۔ آخر کو اس کے پہلی بار کوئی اتنے نخرے اٹھا رہا تھا وہ کیوں نہ دیکھاتا۔

”یوشع میرے صبر کی حد بہت محدود ہے۔ میرا ضبط چھوٹا ناں تو تمہیں پچھتانے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔ چپ چھاپ یہ دودھ پیو۔ تاکہ تمہیں نیند کی ایک گولی دے کر میں سکون کی سانس لے سکوں۔“

شاہ نواز نے مسکان چھپانے کو چہرہ جھکایا۔ کیونکہ مآرب کے ڈپٹے پر یوشع بچوں جیسے روہانسی ہوا تھا۔ اور مجبوراً اسے وہ دودھ پینا پڑا جس کا ذائقہ اسے زہر لگتا تھا۔ اصل میں کمپنی تو بہانہ تھا اسے اصل میں دودھ ہی برا لگتا تھا۔

مآرب اسے دودھ پیتے دیکھ کر مڑ کر یوعان سے بولی۔

”ڈاکٹر سے بات کرے اس کی ڈرپ ختم ہوگئی ہے۔ ڈسچارج کے بارے میں پوچھے تاکہ گھر چلے۔“

وہ دونوں اس کی بات سنتے ہی اٹھے تھے۔

وہ لوگ ہو سہیل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ رہے تھے۔ یوعان نے شاہ نواز کو کسی رسٹورنٹ کے آگے گاڑی روکنے کا کہا۔

”کھانا پیک کروالے کہ یہی کھانا ہے۔“

یوعان نے سب سے پوچھا۔

”پیک کروالے گھر جا کے ہی کھا لیتے ہیں۔ یوشع کیلئے کوئی میخنی وغیرہ بنالیں گے۔“

سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے یوشع مآرب کی بات پر جھٹ سے سراٹھا کر بولا۔

”کیوں میں بریانی کھاؤں گا۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر مرے پڑے ہو تھوڑا سا پرہیز کر لو۔ بریانی کھاؤں گا۔“

مآرب اسے لتاڑتی آخر میں اس کی نقل اتار گئی۔ یوعان کیلئے ان بھابھی دیور کی لڑائی معمول کی بات تھی۔ لیکن آگے کی سیٹ پر بیٹھا عیسیٰ بلال مآرب کا یہ انداز پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس کیلئے یہ بات ورطہ حیرت میں مبتلا کر دینے والی تھی۔

یوشع نے منہ پھولا لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے منہ کا ذائقہ دواؤں کی وجہ سے خراب تھا۔ دل بریانی کیلئے مچل رہا تھا۔ مآرب نے اس کے منہ پھولانے کا بالکل نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ وہ بڑھ چڑھ کر یوعان کو اپنے پسندیدہ کھانوں کی لسٹ بتانے لگی۔

عیسیٰ گاڑی سے نکل کر ساتھ بنی ہوئی بیکری میں چلا گیا۔ جبکہ یوعان اور شاہ نواز رسٹورنٹ سے کھانا پیک کروانے چلے گئے پیچھے گاڑی میں ان دو سوتنوں کو ایکلا چھوڑ کر۔

”اچھا ٹھیک ہے اب منہ پھولا نابند کرو۔ تم بریانی پھر کسی دن کھا لینا۔ میں کھلا دوں گی تمہیں ادھر کی غازی بریانی بڑے مزے کی ہوتی ہے۔ عنوہ اکثر کھلاتی رہتی ہے مجھے۔“

یوشع نے اکڑتے زراسارخ موڑا۔ منہ ابھی بھی پھولا رہا۔ وہ بیماری میں چڑچڑاہو رہا تھا۔ پہلے یہ نخرے یوعان شیخ اٹھایا کرتا تھا۔ اب یوعان شیخ کی بیوی بھی اٹھا رہی تھی تو وہ کیوں نہ نخرے دیکھتا۔

غمیں نے یوعان کو سوپ کا بھی بتایا ہے۔ ان کا مشروم سوپ بسٹ ہے۔ تمہاری کریونگز دور ہو جائے گی اس سے۔“

مآرب نے لالچ دی۔ اس بات پہ وہ ڈیلا ہوا۔ ٹھیک ہے بریانی پھر کسی دن ہو جائے گی۔ مآرب کو اس کے بچوں کے سے انداز پر ہنسی بڑی آئی پردباگئی۔

”شادی کب کر رہے ہو۔“

یہ سوال بہت اچانک تھا۔ وہ دونوں آڈر تیار ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب یوعان شیخ نے سنجیدگی سے شاہ نواز سے پوچھا۔ وہ اس سوال پر چونکا۔

وہ خاموش رہا اس کے پاس اس سوال کا جواب ہی نہیں تھا۔

یوعان شیخ کی زیرک نگاہیں اس کا جائی زہ لے رہی تھی۔

”کچھ سالوں پہلے تم ایک لڑکی کا پیچھا کیا کرتے تھے ناں۔“

شاہ نواز جو ادھر ادھر دیکھتے اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ جھٹکے سے حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

”اُس کا کیا بنا۔“

اس کا لہجہ بڑا ٹھوس تھا۔ کہ شاہ نواز انکار نہیں کر پایا۔ کچھ لمحے خاموشی سے اپنے پاؤں سے زمین کرچتے وہ دھم لہجے میں بولا۔

”شادی ہوگئی تھی پھر ان کی۔“

”کیوں تم نے پروپوز نہیں کیا تھا۔“

یوعان نے لب دبائے وہ شاید مسکراہٹ روک رہا تھا۔

”میری حیثیت نہیں تھی۔“

”اوہ آئی سی۔ ٹرائے تو مار لیتے کیا پتا قسمت کا سکھ چل جاتا۔“

یوعان نے سنجیدگی سے یوں چیڑھا کہ وہ محسوس بھی نہ کر پایا۔

”آپ کی دنیا میں قسمت کا سکھ نہیں بزنس کا کوکا چلتا ہے سر۔“

وہ زخمی سی مسکراہٹ سے بولا۔ یوعان نے بھنویں چکائی۔ انداز داد دینے والا تھا۔

”ان کی شادی بھی بزنس کی خاطر ہوگئی۔“

”اور اب اسی بزنس کی وجہ سے طلاق بھی تو ہوگئی ہے۔ ٹرائے مار لو کیا پتا اس بار قسمت کا ہی سکھ چل

BEING THE STRING OF YOUR KITE

جائے۔“

ویٹر سے کھانے کے شاپر لے کر وہ شاہ نواز کو ساکت وہ جامد چھوڑے رسٹورنٹ سے نکل گیا۔ پیمینٹ وہ

پہلے ہی کارڈ سے کر چکا تھا۔

عیسیٰ بلال اور شاہ نواز کھانا کھا کر چلے گئے تھے۔ یوعان یوشع کے ساتھ لاونچ میں بیٹھانیوز دیکھ رہا تھا۔  
 مآرب گرین ٹی بنا کر لائی۔ تبھی ڈور بل بجی۔

یوعان شیخ نے دروازہ کھولا تو سامنے سیال اعوان کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ شاپرز سے لدھے ہوئے تھے۔  
 ”اسلام علیکم۔“

یوعان نے ایک نظر ان شاپرز پر ڈالی اور دوسری اس پر۔ اسے سیال اعوان پہ غصہ تھا لیکن۔۔۔۔۔ اس نے  
 پیچھے دیکھا مآرب ادھر ہی آرہی تھی۔۔۔۔۔ وہ مآرب کا بھائی تھا اس لئے اس کیلئے قابل عزت تھا۔ وہ  
 آگے بڑھتے خوش دلی سے اس کے گلے لگا۔

”وعلیکم اسلام بڑے دنوں بعد آئے ہو۔ آواںدر آوے۔“  
 ”سیال۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب نے حیرت سے اپنے بھائی کو دیکھا۔

”میں پہلے یہ سامان رکھ دوں پھر فرصت سے تم سے ملتا ہوں۔“

اس نے سارے شاپرز سنٹرل ٹیبل پر رکھے۔ ان میں وافر مقدار میں کھانے کی اشیاء تھیں۔ مآرب کے  
 فیورٹ سنکیس تھے۔ اس کا فیورٹ کیک اور مآرب کے پسندیدہ ڈونٹس اور کچھ فروٹس۔

سامان رکھنے کے بعد اب وہ مآرب سے مل رہا تھا پھر یوشع سے ملا۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی سیال آئی نہ آنا تو صرف اپنی بہن سے ملنے آنا۔“

یوعان شیخ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے نرمی سے تنبیہی لہجے میں بولا۔ اور سیال کے کچھ بولنے سے پہلے ہی مآرب بول پڑی۔

”ہیں کیوں ضرورت نہیں ہے۔ یہ آئے تو خالی ہاتھ میرے گھر۔ میرا پورا بزنس کھا گیا۔ اب یہ تھوڑا سا سامان نہیں لا سکتا۔“

یوعان اور یوشع نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سیال کو وہ مسکرا رہا تھا سب نارمل تھا۔ وہ دونوں گہری سانس بھر کر رہ گئے۔ مآرب کا جتنا تاف۔۔۔۔۔

”میں دیکھ رہا ہوں تم میں مریم کی روح آگئی ہے۔“

”اللہ نہ کرے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سیال کے ہنس کر کہنے پر یوشع کی بے ساختگی بھری خوف زدہ آواز نکلی۔ سیال نے حیرت سے اسے دیکھا۔

ہیں۔۔۔۔۔ مریم کا اتنا خوف۔

”کھانا کھاو گے سیال۔“

یوعان کچن کی جانب جاتے رکا۔

”نہیں بھائی میں کھا چکا ہوں۔“

”مریم کیسی ہے۔ بور ہوگئی ہوگی وہ تو۔“

”مریم ٹھیک ہے۔ اور بور تو وہ ہر گز نہ ہو۔ آج کل جب دیکھو شول میڈیا پر پائی جاتی ہے۔ فیک آئی ڈیز بنا بنا کر لوگوں سے آن لائن لڑائی یاں کر رہی ہے۔ تم بیمار ہو۔“

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب دوائیاں سمیٹتی سمیٹتی کھٹکھی۔

”ہلکا سا۔۔۔ دو دونوں سے جناب ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئے پڑے ہیں۔ اور ہلکا سا بخار ہے۔“

یو شمع نے دانت پیسے۔ بھلا کیا ضرورت ہے ہر ایک کو پکڑ کر کہانی سنانے کی۔ بھابھی تو بھائی دیکھ کر بدل ہی گئی۔



اسی دوران یوعان شیخ کرمی کافی کے ساتھ کچھ سنیکس بھی لایا۔ وہ لوگ تو گرین ٹی پی رہے تھے لیکن سیال کے لئے اس نے کافی بنالی تھی۔

سیال نے کافی کا کپ پکڑتے اپنا خیال بدلا۔ اگر مارب اعوان احساس بھرادل رکھتی تھی۔ وہ یوشع کا خیال رکھ رہی تھی۔ تو یوعان شیخ بھی جس کی لوگوں میں بڑی حیثیت تھی۔ وہ خود اس کیلئے کافی بنا کے لایا تھا۔ اگر مارب کام کر رہی تھی تو وہ بھی بیٹھا نہیں تھا۔ اچانک سیال نے اس خوبصورت سے اپارٹمنٹ میں بڑا سکون محسوس کیا تھا۔ اور وہ جان گیا تھا کہ یہ سکون یہاں کیوں ہے۔ وہ دھیرے سے مسکراتے کافی ہونٹوں سے لگا گیا۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے اب۔“  
 اسے شرمندگی بھی ہو رہی تھی کہ وہ اتنے دنوں بعد اس کا پوچھنے آیا تھا۔  
 ”آپ کو بڑی جلدی خیال آیا۔“  
 BEING THE STRING OF YOUR LIFE

یوشع کی زبان پسلی۔ جس پر اسے یوعان شیخ کی نگڑی گھوری کا سامنا کرنا پڑا۔

”ہاں بس کیا کرے بہن کے سسرال میں جھانکا پڑتا ہے نا۔“

سیال نے مسکراتے وہی آتی مارب کو چڑایا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں تم کیا کر رہے ہوں آج کل میٹنگز میں دکھائی نہیں دیتے۔“

یوعان نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مآرب اپنا کپ لے کر یوعان کے ساتھ بیٹھی۔ یوعان شیخ نے ایک میٹھی سی نظر اس پر ڈالی۔ آج اسے موقع ہی نہیں مل سکا تھا مآرب اعوان سے کھل کر بات کرنے کا۔

”کر تو فلحال کچھ نہیں رہا۔ ہاں باہر جانے کی تیاری ضرور کر رہا ہوں۔“

مآرب چونکی۔

”باہر کدھر۔“

”میں اب اعوان گروپ نہیں سنبھال سکتا میرے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ میں یو کے جارہا ہوں وہی اپنا سٹاپ شروع کروں گا۔“

”کیا مطلب نہیں سنبھال سکتے۔ یہ بکواس تمہیں پہلے سوچھنی چاہیئے تھی۔ تم ڈیڈ کو اکیلا چھوڑ دو گے۔“

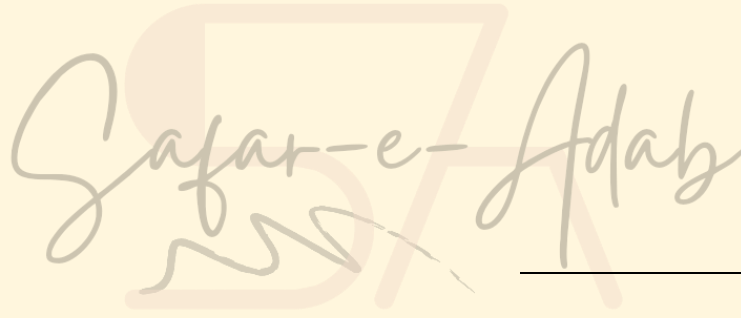
مآرب کپ ٹیبل پر پٹخ کر رکھتی بھڑکی۔ اسے تو لگا تھا وہ ویسے ہی ہوا میں پھر کی اڑا رہا ہے لیکن یہاں تو معاملہ ہی سرسٹ تھا۔

”میں یہاں نہیں رہ سکتا مآرب۔ مجھے کچھ کرنا ہے اپنی صلاحیتوں کو جاننا ہے اسے کام میں لانا ہے۔ یہاں رہا تو میں کچھ نہیں کر پاؤں گا۔ اور ڈیڈ کے ساتھ مریم ہے۔ وہ ہم دونوں سے زیادہ اچھے سے ڈیڈ کو سنبھال سکتی ہے۔“

سیال جانتا تھا مآرب اب مر کر بھی دوبارہ اعوان گروپ میں قدم نہیں رکھے گی۔ کریم اعوان نے بہت بار اسے کنونس کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مآرب کے اپنے اصول تھے۔ ایک بار جہاں سے نکال جائے وہاں دوبارہ پیر رکھنا بے وقوفی ہے۔

”اسے کرنے دو مآرب۔“

یوعان نے سنجیدگی سے اسے کچھ اور بولنے سے روکا۔ مآرب سیال کو شکوئیں بھری نظروں سے گھورتی چپ ہوئی۔ وہ جانتی تھی سیال اعوان فرار ہو رہا ہے۔ اور ایک بار وہ فرار ہوا تو دوبارہ کبھی واپس ہاتھ نہیں آئے گا۔



BEING THE STRING OF YOUR KITE

سیال کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ یو شمع فلحال یہی تھا۔ اسے بھی یوعان نے سونے بھیج دیا تھا۔ مآرب عنوہ سے بات کر کے آئی تو وہ بس نیند میں جانے کے قریب ہی تھا۔ مآرب لائیٹ بند کرتے اپنی جگہ پر آئی۔ اس نے دونوں بازو یوعان کی گردن میں ڈالے۔ جبکہ یوعان بند آنکھوں سے اسے حصار میں لے گیا۔

”سوگ مئے ہیں۔“

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

”سونے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ سونے نہیں دے رہی۔“

مآرب نے معنی خیز انداز میں مسکراہٹ دبائی۔

”توبہ میں شریف زادی ہوں ایسی حرکتیں نہیں کرتی۔“

یوعان نے بوجھل ہوتی آنکھیں واکی۔ وہ اس کے نہایت نزدیک تھی۔ کہ وہ ان خوبصورت آنکھوں کو چھوم سکتا تھا۔ اور اس نے اگلے ہی لمحے جھکتے ان پر لب رکھ بھی لئے۔

”میری مآرب ایسی حرکتیں کر کے بھی شریف زادی ہی رہے گی۔ بس شرط ہے کہ جس کے ساتھ ایسی حرکتیں کرے گی وہ یوعان شیخ ہی ہو۔“

وہ چہرہ اس کے چہرے پر رکھتا ہلکی سی مسکان سے بولا۔ آنکھیں پھر سے موند لی تھی۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ کو سب سے زیادہ اچھا کون لگتا ہے۔“

مآرب نے اشتیاق سے سوال کیا۔ اور جواب سن کر پیٹ میں مانو تتلیاں اڑھنے لگی۔

”آپ۔“

وہ بند آنکھوں سے مخمور لہجے میں بولا تھا۔ مآرب چند پل مسکراتی رہی پھر کسی خیال کے آتے اس کی مسکراہٹ اچانک سے سمٹی تھی۔

”میں اتنی اچھی لگتی ہوں تو پھر دیا کیا لگتی تھی۔“

غصے سے ناک پھلا کر کہا گیا۔ یوعان نے زرا کی زرا آنکھیں کھول کر اس کا پھولا منہ دیکھا۔ اور پھر اسے مزید نزدیک کرتے حصار مضبوط کرتے اسے سینے میں بھینچ لیا۔

”وہ میری دوست تھی۔ اب سو جائیں۔“

رات کے اس پہر جانے اس کے دماغ میں دیبا و قار کہاں سے چلی آئی تھی۔

”ہاں اتنی اچھی دوست کہ دل ہار گئی تم پہ۔“

”مارب۔۔۔۔“

یوعان نے بمشکل آنکھیں کھولتے اسے پکارا آواز میں تنبیہ تھی۔

”غصے میں تمیز کیوں بھول جاتی ہے آپ۔“

”کیونکہ ساری تمیز آپ جو یاد رکھے ہوئے ہیں۔“

غصہ ہنوز قائم تھا۔

”آپ ٹوچ ہے مارب۔ اس وقت مجھے سخت نیند آرہی ہے اپنی وفاؤں کی داستان کل سناؤں گا آپ کو۔“

نیند سے پاگل ہوتے وہ بے بس لہجے میں بولا۔ تو مآرب کو خاموش ہونا پڑا۔ اور خود بھی آنکھیں موندتے اس کے سینے پر سر رکھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ نیند میں جانے لگی تو اسے سر پر اس کا لمس محسوس ہوا۔ اور کانوں میں نیند سے بوجھل سرگوشی نے اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھیر دی۔

”مآرب اعوان مجھے خود سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ میری ساری وفائیں صرف اس ایک عورت کیلئے ہیں جو اس وقت میرے سینے پر سر رکھے سو رہی ہے۔“

میں کبھی آپ کے ساتھ بے وفائی نہیں کروں گا۔ میں کبھی آپ پہ سوتن نہیں لاؤں گا۔ میں نے اس غم سے اپنی ماں کو مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں آپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ یوعان شیخ میں اتنا جگرا نہیں ہے کہ وہ مآرب اعوان کو مرتا ہوا دیکھے۔“

مآرب نیند میں اس کی سرگوشیاں سنتی مسکرا دی تھی۔

یہ اگلے دن کی بات تھی۔ یوعان شیخ دوپہر کے وقت ایک میٹنگ نمٹا کر اپنے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والا تھا۔ کہ ٹھٹھک کر رکا۔ اس کے پیچھے آتے شاہ نواز کے قدموں کو بھی بریک لگی۔

چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ اسے گھر جانا چاہیئے۔ وہ وہی کھڑے کھڑے فون نکال کر مآرب کو کال ملانے لگا۔ ماتھے پر شکنیں نمایاں تھیں۔ شاہ نواز اچھنبے اور الجھن سے خاموش کھڑا یوعان شیخ کی حرکات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس کے انگ انگ سے بے چینی چھلک رہی تھی۔

ایک بار دوبار تین بار۔۔۔۔۔ اس نے سات بار مآرب کو کال کی تھی۔ لیکن جواب نہ ارد۔

”سر۔۔۔۔۔“

بلا آخر شاہ نواز کو اسے پکارنا پڑا۔

”وہ فون نہیں اٹھا رہی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یوعان نے تشویش سے کہا۔ اس کے انداز سے شاہ نواز سمجھ گیا کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔

”مصروف ہوگی سر۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ آپارٹمنٹ میں نہیں ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے وہ آپارٹمنٹ میں نہیں ہے۔“

پھترائے لہجے میں کہتا وہ تیزی سے باہر کی جانب بھاگا۔ شاہ نواز حیرت سے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا تیزی سے اس کے پیچھے گیا تھا۔

اگلے کچھ منٹوں میں وہ اپنے آپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہا تھا۔ پاسورڈ ڈالتے ہی لاک کھل گیا۔ یوعان شیخ زور سے دروازے کو دھکادیتا اندر داخل ہوا۔ شاہ نواز اس کے پیچھے ہی تھا۔

”مارب مارب۔۔۔“

شاہ نواز خان نے پہلی بار یوعان شیخ کی یوں دھاڑتی آواز سنی تھی۔ وہ بے چینی سے پورے آپارٹمنٹ میں مارب کو ڈوہنڈتا بلند آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ معاشاہ نواز کی آواز پر وہ ٹھٹھکا۔

”سر۔۔“

اس نے مڑ کر دیکھا۔ شاہ نواز نے یکلخت زمین سے پھترائی نظریں اٹھائی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

صوفے کے پاس لمپ گرہوا تھا۔ کشنز صوفوں کے نیچے پڑے تھے۔ اور سب سے بڑی بات مارب کا لپ ٹاپ وہ زمین پر ٹوٹا پڑا تھا۔

یوعان شاہ نزدیک آتا زیرک نگاہوں سے وہاں کا جائزہ لینے لگا۔ جیسے جیسے اسے معاملہ سمجھ آ رہا تھا۔ اس کا خلفشار خون بڑھ رہا تھا۔

”شاید بی بی یہاں بیٹھ کر کام کر رہی تھی۔ اور کسی نے۔۔۔۔۔“



یوعان شیخ کی لہورنگ آنکھوں کو دیکھتے شاہ نواز سے جملہ مکمل نہیں ہوا۔

”پسٹل کہاں ہے شاہ۔“

یوعان شیخ نے سردترین لہجے میں استفسار کیا۔

”گاڑی میں“

شاہ نواز چونکا۔ وہ کیا کرنے والا تھا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں سر رکے۔“

اسے سرعت سے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر شاہ نواز تیزی سے بولا۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس کے منہ پر سختی سے کپڑا لپٹے اسے درخت کے کھر درے تنے کے ساتھ بندھا گیا تھا۔ آنکھوں میں

خوف لے وہ اس حیوان کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے ہاتھ میں تیز دار آ رہ تھا۔ اور لبوں پر دیوانی سی

مسکراہٹ۔

”میں نے جب لفٹ میں پہلی بار تمہیں دیکھا تھا ناں تب سے میں نے ہر لڑکی ٹرائے کی۔ لیکن وہ مزہ وہ

لذت نہیں آئی۔ جو تمہیں تصور میں چیتے چلاتے تڑپتے دیکھ کر آئی تھی۔ میں نے ہزار بار تصویر کیا۔ کہ

میں تمہارے وجود کو خنجر سے آرے سے کاٹ رہا ہوں۔ اور تم تڑپتی ہوئی فریاد کر رہی ہو۔ پتا ہے میں ناں۔ باقی لڑکیوں کو جادو کے ذریعے قابو کرتا تھا۔ انھیں پینوٹائی زکرتا تھا۔ تاکہ وہ سالیاں کام کے وقت ڈسٹرب نہ کرے۔ لیکن یار ررر۔“

اس نے ماتھے پر مٹھی بجائی۔ مارب نے خشک ہوتا خلق ترکیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے جسم کی کپکپاہٹ پر قابو پار ہی تھی۔

”تم پر میں کوئی جادو نہیں کروں گا تمہیں پینوٹائی ز نہیں کروں گا۔ تمہیں ہوش میں رکھنا ہے۔ تاکہ تمہاری چیخیں مجھے ہوش سے بیگانہ کر دے۔“

کیا دیوانہ پن تھا اس کے انداز میں اور شکل وہ تو کسی درندے سے کم نہیں تھی۔ مارب دل ہی دل میں سسکتے آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ اسے اس سنسان جگہ پر ایک اللہ کا ہی آسرا تھا۔ اگر وہ یہاں تڑپتے سسکتے مرگئی تو اس کے پیاروں کو تو پتا بھی نہیں چلے گا۔

”میں نے بہت انتظار کیا ہے اس دن کا۔ میں تمہیں تھوڑی بہت رعایت دے بھی دیتا لیکن۔۔۔۔۔“

اس نے چہرہ اس کے قریب کیا۔ مارب کی سانس رک گئی۔

”لیکن وہ کیا ہے ناں کہ تم نے مجھے جیل بھجوا کر بہت انتظار کروایا ہے۔ وہ تو میری قسمت تھی کہ میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ٹھہرا۔ لیکن پیاری بلبل اب تمہارا کیا ہو گا۔ ہا ہا ہا ہا ہا ہا۔۔۔۔۔“

اس کا جناتی قہقہہ اس ویرانے میں گونجا۔ مآرب مچلتی ہوئی خود کو چھڑوانے کی کوشش میں اپنی کمر درخت کے تنے کے ساتھ زخمی کر گئی۔

”آپ اتنا تو بتائیں کہ جا کہاں رہے ہیں۔“

اس کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ اور شاہ نواز خان دل تھامے خود کے بچ جانے کی دعائیٰ کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ گاڑی کی گاڑیاں بھی بمشکل سپیڈ ملا پار ہی تھی۔

”دھواں اور قبریں۔“

اس نے اپنا خواب یاد کرنے کی کوشش کی۔ جس میں اس نے بہت سارا دھواں دیکھا تھا۔ اور ایک قطار میں قبریں۔

”کیا مطلب۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شاہ نواز نے نا فہمی سے اس کا بڑبڑانا دیکھا۔ یوکان عجلت میں بولا۔

”کسی ایسی جگہ کو جانتے ہو شاہ جہاں دھواں اور قبریں ایک ساتھ ہو۔“

”دھواں اور قبریں۔“

شاہ نواز نے استعجاب سے اس کی بات دہرائی۔ پھر ایک دم سے چونک کر تیزی سے بولا۔

”یہاں سے پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک قبرستان ہے جس کے پاس اینٹوں کی بھٹی ہے اینٹیں جب پکتی ہے تو دھواں کافی مقدار میں نکلتا ہے۔ لیکن وہاں کیا ہے سر۔“

شاہ نواز کی بات سنتے یوکان نے گاڑی کی سپیڈ ایکام سے مزید بڑھائی تھی۔ شاہ نواز نے بمشکل خود کو آگے گرنے سے بچایا تھا۔

”یا اللہ پلیز بچالے۔ اللہ جی مجھے ایمان کی موت مرنا ہے اس درندے کے ہاتھوں مجھے موت ہر گز مقبول نہیں ہے پلیز اللہ پاک رحم کرے۔“

وہ آہ پکڑے اس کے نزدیک لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔ مآرب آنکھیں میچیں جتنی دعائیوں زبانی آتی تھی سب کا ورد کرتی اللہ کو پکارے جارہی تھی۔

اس حیوان نے اس کا پاؤں ایک ہاتھ میں جکڑا۔ مآرب تڑپتی ہوئی خوف سے نفی میں سر ہلارہی تھی۔

جیسے جیسے آہ اس کے پاؤں کے قریب آرہا تھا۔

ویسے ویسے اس کی آنکھیں خوف و ہراس سے پھیلتی جارہی تھی۔ جیسے ہی آہ اس کے چمڑے سے ٹچ ہوا وہ بن ماہی بے آب کی مانند تڑپ اٹھی اس کا مچلنا مقابل کی آنکھوں کی چمک بڑھا گیا۔ وہ بے رحمی سے قہقہہ لگا

گیا۔ اس سے پہلے کہ آرہ اس کے پاؤں پہ چلتا معاً ایک تیز شعلہ سا آکر اس دردندے کے ہاتھ میں پیوست ہو گیا۔ اور وہ چیخ مارتے اپنے ہاتھ کو پکڑتا دور ہوا۔ آرہ اس کے ہاتھ سے جھوٹ کر گر گیا۔

مآرب نے بھیگی آنکھوں سے یوعان شیخ کو دیکھا۔ جس کی پسٹل سے نکلتی دوسری گولی سیدھا اس شخص کے سینے میں پیوست ہوئی تھی۔

”شیطان کو موقع ملتے ہی ختم کر دینا چاہیئے ورنہ یہ رگوں میں گھس کر اذیت کا بائیٹ بنتا ہے۔“

حقارت سے کہتے وہ ایک سفاک نظر اس آخری سانس لیتے شخص پر ڈالا کر پسٹل شاہ نواز کی طرف اچالتا تیزی سے مآرب کے نزدیک بڑھا۔

جو بکھری سی حالت میں اسے دیکھ رہی تھی۔

یوعان نے اس کی بھیگی آنکھیں شدت سے چومتے پھرتی سے اسے رسیوں سے آزاد کیا تھا۔ وہ بے قراری سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے اس کے سینے سے لگی تھی۔ یوعان نے سختی سے اسے سینے میں بھینچ لیا اور کبھی بوسے اس کے بالوں پر دے ڈالے۔ شاہ نواز ان کی جانب سے مطمئن ہوتا گارڈز کے ساتھ لاش ٹھکانے لگا رہا تھا۔ ایک بار پولیس کے حوالے کر کے دیکھ چکے تھے۔ اور نتیجہ ان کے سامنے تھا۔

”ممی۔۔۔ یں ڈر۔۔۔ گئی تھی۔۔۔“

مآرب نے اس کے گرد گرفت مضبوط کی۔

”بس میں آگیا ہوں ناں۔“

وہ اسے تحمل سے ریلکس کرنے لگا۔ حالانکہ خود کی دھڑکنیں منتشر ہوئی پڑی تھی۔ دل یہ سوچ کر رک رہا کہ اگر وہ ایک منٹ بھی لیٹ ہوتا تو کیا سے کیا ہو جاتا۔

اس واقعے کی کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی۔ یوعان نے شاہ نواز کو کسی کو بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔ کہ فضول میں سب ہریشان ہوتے۔ اس وقت وہ اس کی گود میں سمٹی سی بیٹھی نکلنے پر آمادہ نہیں تھی۔ یوعان شیخ بس اسے سینے سے لگائے اس کا ڈر کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اچھی خاصی گھبرا چکی تھی۔

”مآرب کب آپ خود کا دفاع کرنا سکھے گی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے تسلی دیتے دیتے آخر میں وہ ڈپٹنے والے انداز میں اسے لتاڑ گیا۔

مآرب نے ناک سے سانس کھینچی اور خفگی سے اسے دیکھا۔

”میں نے کیا تھا دفاع وہ شخص جانے کیسے بالکنی سے اندر آیا تھا۔ اس نے مجھ پہ پیچھے سے اٹیک کیا تھا۔ میرا گلا گھونٹا تھا اس نے۔ میں نے بھی دو تین پنچ مارے تھے اسے۔ لیکن وہ حیوان میرے منہ پر کلو فارم رکھ گیا۔ اور یو شع نے مجھے یہ نہیں سکھایا تھا۔ کہ کلو فارم سے کیسے بچنا ہے۔“

اس نے منہ بسور کر سارا الزام پوشع کے سر ڈالا۔ یوعان شیخ افسوس سے سر ہلا گیا۔

”آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ آدمی مجھے قرستان لے کر گیا ہے۔“

وہ ایک دم سے چونک کر مستفسر ہوئی۔

”مجھے خواب آتے ہیں مآرب۔ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ خواب مجھے صرف آپ کے ہی حوالے سے آتے ہیں۔“

مآرب نے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھا۔

”کیا سچ میں۔“

اسے یقین نہ آیا۔

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING IN YOUR KITE

یوعان نے اس کی ناک چومتے اثبات میں سر ہلایا۔

”مجھے ایک عرصے تک آپ کے ساتھ بچپن میں ہوئے اس حادثے کے خواب بھی آتے رہے ہیں

مآرب۔ لیکن تب مجھ پہ یہ واضح نہیں تھا۔ کہ وہ بچی آپ تھی۔ مجھے لگا شاید وہ عنوہ تھی۔“

مآرب شاک میں اسے دیکھے گی۔

معاً یوعان نے دھیرے سے اس کے لب چومے۔ وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتا تھا۔ اور کامیاب بھی ہوا تھا۔ وہ

اگلے پل شرم سے لال پڑی تھی۔

یوعان دھیمے سے ہنستا اسے لیٹا کر اس پر جھکا۔

”مجھے ان آنکھوں سے بے پناہ محبت ہے۔“

مآرب کی پلکیں لرزی۔ یوعان کمرے کی لیٹ بجھاتے دھیرے سے اس پر جھک گیا۔

کل اس کی عدت ختم ہوئی تھی اور وہ سب سے پہلے پالرگئی اپنا میک اور کروانے اور پھر اس نے مال کا رخ کیا۔ یاسر یزدانی نے ایک مہینے بعد شادی کر لی تھی۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا مریم اعوان کو کھو کر سوائے بزنس لوس کے۔ تو وہ کیوں خود کو قید کرتی۔ اس کی ماں کی بات چیت اس سے بند تھی۔ جرم صرف یہ تھا کہ مریم اعوان نے طلاق لے کر ان کے سرکل میں ان کی ناک کٹوا دی تھی۔ مگر مریم اعوان کو رتی بھر فرق نہیں

پڑا۔ اس کے مطابق آپ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہو آپ انہیں خوش نہیں رکھ سکتے۔ بھلا کبھی کوئی انسان دوسرے انسان کو خوش رکھ پایا ہے۔



شاپنگ کے بعد وہ ایک اچھے رسٹورنٹ میں آئی۔ ایک قدرے کونے والی پرسکون ٹیبل چوز کرتی وہ اپنے لائے گرل فیش کے ساتھ منٹ مار گاریٹا کا آرڈر دیتی اب فرصت سے تھوڑی مٹھی پہ ٹھکائے رسٹورنٹ کا جائی زہ لے رہی تھی۔ پورے میں نظر دوڑاتی ایک نظر پیچھے بھی ڈالی۔ کہ تبھی اس کی نظر ایک ٹیبل چھوڑے شخص پر پڑی۔

وہ ٹھٹھک گئی۔ وہ اس شخص کو جانتی تھی۔

وہ شاہ نواز تھا۔ جو کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا لپچ کر رہا تھا۔ شاید ان کی کوئی میٹنگ چل رہی تھی۔ ان کی آوازیں اس کے ٹیبل تک پہنچ رہی تھی۔ وہ شاید انٹر نیشنل گسٹ تھے۔ وہ ایک پل کو شاہ نواز سے متاثر ہوئی تھی۔ جو بڑی روانی میں انگریزی بولتا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پاکستانی ہے۔

مریم سر موڑے مسلسل پیچھے اسے دیکھ جا رہی تھی۔ یہ غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔ چونکی تو تب جب شاہ نواز نے بات کرتے کرتے اس کی طرف دیکھا۔ وہ حجالت کا شکار ہوتی جلدی سے رخ موڑ گئی۔

”کیا کر رہی ہو مریم۔ کیا تم نے کبھی زندگی میں کوئی مرد نہیں دیکھا جو یوں ندیدوں کی طرح اسے تاڑ رہی ہو۔“

اس نے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر خود کو چٹکی کاٹی۔ چہرہ شرمندگی سے لال ہوا جا رہا تھا۔

اسی خفت میں اس نے لپچ کیا۔ بل پے کرتے وہ نکل رہی تھی۔ رسٹورنٹ کے دوسرے سرے پر بھی ایک داخلی دروازہ موجود تھا جس کے ساتھ دیوار گیر شیشہ لگا ہوا تھا۔ مریم نے یوں ہی مڑ کر شیشے میں خود کو

دیکھنا چاہا اور دوسرے ہی لمحے کو وہ فریز ہو گئی۔ اس دوسرے دروازے سے یاسر یزدانی اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالے وہی لڑکی موجود تھی جس کی بینائی مریم اعوان کی مرہون منت تھی۔ وہ بڑے ٹھٹھے سے یاسر یزدانی کے حصار میں چل رہی تھی۔

اس کے پاس سے شاہ نواز گزرا۔

مریم اعوان کو آج خود پر افسوس ہوا تھا۔ کاش وہ اس کے ایکسڈنٹ کا ارادہ بدل نہیں لیتی۔ وہ چاہ کر بھی اتنی ظالم نہ بن پائی کہ اس لڑکی سے بینائی واپس چھین لیتی۔

یاسر یزدانی کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ مریم نے پھرتی سے خود سے دو قدم آگے چلتے شاہ نواز کے بازو میں ہاتھ ڈالا۔ یاسر یزدانی اسے تو واضح طور پر دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ کھڑے شخص کا چہرہ وہ دیکھ نہیں پایا۔

شاہ نواز نے اپنے بازو پر نرم و نازک ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے استعجاب سے مقابل کو دیکھا۔ اسے لگا جیسے کسی انگاروں نے اس کے بازو کو اپنے حصار میں لے لیا ہو۔

شاہ نواز خان کو پہلی بار کسی صنف نازک نے چھوا تھا۔ خود کو اس شر سے ہمیشہ بچاتے وہ اس وقت اس انجانے لمس پر یوں ہوا تھا جیسے کسی نے بدن سے لہو کھینچ لیا ہو۔

”میں اس کیلئے معافی مانگ لوں گی۔ لیکن اس وقت خاموشی سے چلتے رہو۔“

اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی مریم ہونٹ کا ٹپتی بے بسی سے بولی۔ اس نے جلد بازی میں کیا کر لیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

ہاں لیکن اس کا آہنی بازو اپنی گرفت میں لیتے اسے اس پل کوئی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ جو ہمیشہ مردوں سے حائف ہوتی آئی تھی۔ اس مرد کے حصار میں چلتے اسے جھجک تک محسوس نہیں ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر میں وہ رسٹورنٹ سے باہر تھے۔

”مجھے نہیں پتا میں نے یہ حرکت کیوں کی۔ یہ سب لاشعوری طور پر ہوا تھا۔ ایک احسان فراموش لڑکی کو دیکھ کر شاید میں اپنی سدھ بدھ کھو چکی ہوں۔“ وہ شرمندہ صورت بنی حلق تر کرتے بولی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شاہ نواز اس کی بات کہاں سن رہا تھا۔ اس کی نظر تو بس اس کے ہاتھ میں قید اپنے بازو پر تھی۔

”بازو چھوڑے۔۔۔ آپ مجھے گناہ گار کر رہی ہے۔“

مریم نے چونک کر اسے دیکھا اور دیکھتی رہی۔ اس نے اس کی بات ذہین میں دہرائی اور سمجھ آنے پر جٹ سے اس کا بازو یوں چھوڑا جیسے کوئی آگ کا گولہ ہو۔ اور انسان جلنے کے ڈر سے اسے جھٹک دے۔

مریم ساکت سی ہوئی تھی اس کے الفاظ پر۔ شاہ نواز خان ایک خاموش نظر اس کے ساکت چہرے پر ڈال کر اپنی گاڑی کی سمت بڑھا۔

پیچھے مریم اعوان کے ذہن میں ایک ہی جملہ بازگشت کر رہا تھا۔

”آپ مجھے گناہ گار کر رہی ہے۔“

یہ توجہ اسے یا سریزدانی غیر مردوں کے سامنے دعوت نظارہ پیش کرتا تھا تب وہ سوچتی تھی۔ تو کیا وہ اس حد تک آگئی تھی۔ کہ اپنے اعمال سے اب دوسروں کو گناہ گار کرے۔ کیا اس سے حیا مکمل طور پر چھین لی گئی تھی۔

اگا ہی کالمہ قیامت تھا اور وہ اس قیامت سے گزر رہی تھی۔

*Safar-e-Adab*

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب کا خیال تھا کہ سب اپنی اپنی الجھنوں میں مصروف ہو کر کافی وقت سے مل نہیں پائے تھے تبھی اس نے یوعان شیخ کے ذاتی فارم ہاوس پر ایک چھوٹی سی باربی بی کیونائی ٹ رکھ کر سب کو انوائٹ کیا

تھا۔ دوسرا وہ چاہتی تھی کہ عنوہ اب کسی پارلگ ہی جائے جس نے بچارے عیسیٰ کو کب سے پیچھے لگا رکھا تھا۔

”یوشع ٹھیک سے پکا دیکھو یہ سخت اور کچے ہیں۔“

سیخ سے ایک تکا کھاتی مارب نے بھا بھی ہونے کا رعب جمایا۔

سردیوں کی شامیں تھی۔ تبھی انہوں نے بون پائی رکا بھی انتظام کیا ہوا تھا جس کے ارد گرد سب براجمان تھے۔ ٹھنڈی ہواؤں کے تھپڑوں سے بچنے کیلئے انہوں چادریں لی ہوئی تھی۔

”سخت تو ہوں گے مسالاجو آپ نے لگایا تھا۔ ہزاروں نوکر ہے لیکن نہیں مفتے کیلئے ان کو یوشع چاہیئے۔“

Safar-e-Adab

پٹخ پٹخ کر سیخ پلٹتا وہ مارب پر طنز کرتا سب کو اونچی آواز میں سنا گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ایسے نہیں بولتے یوشع۔ لوگوں کی دعائیں لوگے تو اچھی بیوی ملے گی کب تک کنوارے رہو گے۔“

اس وقت عیسیٰ کی انٹری ہوئی تھی۔ اس نے شفقتانہ انداز میں نصیحت کی تھی کہ طنز۔۔۔۔۔ یوشع سمجھ نہ سکا۔ لیکن اسے سلگا ضرور گیا تھا۔ اوپر سے ان سب کے قہقہے۔

یوشع اور سیال باربی بی کیو بنا رہے تھے۔ عنوہ اور مریم آگ کے آگے بیٹھی تپش انجوائے کر رہی تھی۔ جبکہ مارب کبھی یوشع کی نگرانی کرتی کبھی یوعان کو کال کرنے لگتی جو ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

”مجھے تو ابھی ملی ہی نہیں ہے ناں۔ آپ آکر یہ نیک کام انجام دے کیا پتا آپ کی ملی ہوئی بیوی رخصتی کیلئے راضی ہو جائے۔“

یوشع نے بڑی گہری جگہ وار کیا تھا۔ عیسیٰ روح تک بھبھلا گیا۔ اس نے شکوہ بھری نظر عنوہ پر ڈالی۔

”دیکھ لو تمہارے وجہ سے اس چنے سے بھی طعنے سننے پڑ رہے ہیں۔“

عنوہ نے بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے۔

”عیسیٰ بھائی یوعان سے رابطہ ہوا ہے آپ کا۔ فون نہیں اٹھا رہے۔ جبکہ میں نے کہا بھی تھا آج جلدی آنا ہے۔“

مآرب جھنجھٹائی سی عیسیٰ کے پاس آئی۔

اس کی بورڈ ممبرز کے ساتھ میٹنگ تھی آج۔ ڈونٹ وری آجائے گا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

عیسیٰ نے اس کا سر تپتپا کر اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ جس کے تاثرات کچھ خاص اچھے نہیں تھے۔

تکے تقریباً تیار تھے۔ لڑکیوں نے آگ کے ارد گرد ہی سفید دسترخوان بچائی۔

مآرب نے سب کو کولڈ ڈرنکس ڈال کر انہیں پیش کی۔ لڑکے سخیں لا کر دسترخوان پر رکھ گئے۔

”میں ڈائیٹ پہ ہوں۔“

مآرب کے گلاس پیش کرنے پر وہ نخرے سے بولی۔ مآرب نے بھنوائی یں اچکائی اور تبھی اسے کہی پڑھا ہوا ایک جملہ یاد آیا۔

“Change of diet will not help a man who will not change his thoughts.”

یہ مریم اعوان پر طنز تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ مآرب یقین سے کہہ سکتی تھی۔ کہ اسے گالیاں دی گئی ہے۔

فارم ہاؤس میں گاڑیاں آکر رکی۔ سب نے مڑ کر دیکھا۔ دوسری گاڑی سے شاہ نواز کے ساتھ یوعان شیخ نکلا تھا۔

ان کی طرف آتے یوعان دھیمی آواز میں شاہ نواز سے کہہ رہا تھا۔  
 ”مآرب کی سکیورٹی سخت کروادو نواز۔ لیکن اسے بھنک بھی نہیں لگنی چاہیئے۔ اور اس بار میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔“

شاہ نواز نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ لوگ ان کے نزدیک آئے۔

”ہم زیادہ لیٹ تو نہیں ہوئے۔“

سب کا سرموٹائی میں ہلا۔ اور تبھی یوعان کو مآرب کی تپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”نہیں بالکل نہیں مہمان سارے آچکے ہیں۔ کھانے کا انتظام ہو چکا ہے۔ لیکن میزبان غائب ہیں۔ اور وہ غائب ہی رہے تو اچھا ہے۔ اینڈ ٹائی م پر آکر مجھے شرمندہ کرنی کی ضرورت نہیں ہے۔“

شاہ نواز نے مسکراہٹ دبائی۔

”اور ایکٹنگ کر رہی ہے۔“

مریم ساتھ بیٹھے سیال کے کان میں بڑبڑائی۔ سیال اسے گھور ہی سکا۔ مریم اعوان کبھی نہیں بدل سکتی تھی۔ وہ تینوں بھائی بہن ایسے ہی ایک دوسرے پر ٹانٹ کرتے بڑھے ہوئے تھے۔

یوعان شیخ نے نرمی سے ایک بازو مآرب کے گرد باندھا۔

”مجھے جلدی آنا چاہیئے تھا آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑھی اس کیلئے معذرت بیگم۔“

پھر اس نے سب کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ لوگوں کی جرت کیسے ہوئی میری بیوی کو شرمندہ محسوس کروانے کی۔“

اس کی آنکھوں میں شرارت محسوس کرتے وہ سب قہقہہ لگا گئے۔ جبکہ مآرب کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

اس نے غصے سے اسکے پیٹ میں کہنی ماری۔

وہ پہلی بار یوں شرارت کر گیا تھا۔ مآرب کو اس سے یہ توقع نہیں تھی۔



”سوری۔“

اسے ناراض ناراض دیکھ کر یوعان نے نامحسوس انداز میں جھک کر اس کنپٹی پر بوسہ دیا۔ ایک بے ساختہ مسکراہٹ مآرب کے لبوں کا حصہ بنی۔

”چلو آؤ بیٹھ جاؤ اب سب۔“

عنوہ نے سب کو کھانے کی جانب متوجہ کیا۔

یوعان شیخ مآرب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مآرب کے ساتھ مریم تھی اور مریم کے ساتھ سیال۔

یوشع جو عنوہ کے ساتھ بیٹھ رہا تھا۔ عیسیٰ بلال نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر آنکھیں دیکھائی تھیں۔ یوشع منہ بناتا شاہ نواز کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”میری قسمت میں آپ ہی کے ساتھ بیٹھنا لکھا ہے شاہ بھائی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شاہ نواز اس کی بگڑی صورت پر ہنس دیا۔ وہ کب سے عنوہ پر لائی ن مارتے عیسیٰ بلال کو غصہ دلارہا تھا۔

کھانا کھاتے وہ لوگ ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔

”چلو یوشع ایک اچھا سا گانا سنا دو۔“

کوئلہ ڈرنک کا سیپ لیتے سیال نے فرمائی ش کی۔ اگلے لمحے یوشع نے مآرب کو دیکھا۔ اور افسردگی سے گنگنایا۔

”بھابھی میری شادی کر دو مئی جون جلائی میں

بھابھی میرا دل نہیں لگتا کالج کی پڑھائی میں“

اس کا انداز ایسا تھا کہ لان میں قہقہوں کی بارش ہوئی تھی۔

مآرب ہستے ہوئے اس کی ایکٹنگ دیکھ رہی تھی۔ جو دور سے ہی مسکے لگانے کو اس کی بھلائی یاں لے رہا تھا۔

”تو یہ ظالم تم ہو مآرب بچے کی دہائی سنو اب بڑا ہو گیا ہے۔“

عنوہ شرارت سے بولی۔

”بھابھی سے پہلے بھائی کو پٹاؤ میرے شیر۔“

عیسیٰ نے لقمہ دیا۔ جس پر یوشع نے مسکین سی شکل بنائی۔ یوعان شیخ ہی تو تھا۔ جو اسے لڑکیوں سے دور رکھتا تھا۔ اسے فضول کے آئی ٹی رزہر گز پسند نہیں تھے۔

”بھائی کو بھی تو صرف بھابھی ہی پٹا سکتی ہے۔“

سیال کی بات پر مآرب نے بے ساختہ یوعان کو دیکھا۔ جو اس بات پر بولا کچھ نہیں تھا بس زیر لب مسکرا دیا تھا۔

”تو بیٹا پڑھائی میں ہی دل لگا لے۔ شادی کا خواب فلحال نیند تک ہی رکھ۔“

شاہ نواز نے اس کے بال بکھیرے۔ وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

”ہاں آپ کا تو مجھے اپنی طرح کنوارا رکھنا کا ارادہ ہے۔ تبھی غلطی سے ڈیٹ پر جانے کا سوچوں تو آپ پہلے

سے حاضر ہو جاتے ہیں۔“

”بھئی فاو رہے اپنے شہزادے کی۔“

عیسیٰ نے کہا۔ مریم کی بے ساختہ نظر شاہ نواز کی جانب اٹھی تھی۔ جو مسکرا رہا تھا۔

”عیسیٰ بھائی چلے آپ کچھ گادے کیا پتا اسی بہانے معافی مل جائے۔“

یوشع نے آنکھ مارتے اسے سرعام زلیل کیا تھا۔ عیسیٰ بدال نے تپ کر کین اس کی جانب اچلا۔

ان کی باتیں انجوائے کرتا یوعان شیخ دھیرے سے مآرب کا ہاتھ پکڑ کر انگلیاں اس کی انگلیوں میں الجھا گیا۔ وہ زیادہ بولنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسے محفلوں میں خاموش رہنا پسند تھا۔ مآرب اس اچانک اقدام پر چونکی تھی۔ یہ احساس بڑا گدگداسا تھا۔ اس نے لب بھینچتے بمشکل شرمیلی سی مسکراہٹ کو ہونٹوں پر آنے سے روکا تھا۔ دھڑکن تو تب روکی کر چلی جب ہاتھ کی پشت انگوٹھے سے سہلائی گئی۔

یہ نہیں تھا کہ یوعان شیخ کبھی اس کے قریب نہ آیا ہو۔ ان کے بیچ ایک ازواجی تعلق قائم تھا۔ وہ اس کے روح تک کے قریب آیا ہوا تھا۔ لیکن ہمیشہ اس کی ان چھوٹی چھوٹی جسارتوں سے مآرب کے پیٹ میں

تتلیاں دوڑنے لگتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسے پمپراپ کرتا تھا۔ اور آرب کو اسی چیز نے اس کی محبت میں مبتلا کیا تھا۔ انہیں کبھی براہ حراست محبت کے اظہار کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ لیکن وہ دونوں ہی اپنے اعمال سے ایک دوسرے کو احساس دلاتے تھے۔

”اچھا چلے آپ عنوہ کو کچھ مصروں میں ڈی فائی ن کرے۔“

عیسیٰ کے مسلسل انکار پر یوشع نے نیا شو شا چوڑا۔

عیسیٰ نے ایک نظر عنوہ کو دیکھا جو اس سے بے نیاز نظر آرہی تھی۔

اس کے دماغ میں کچھ مصرعے تازہ ہوئے۔

ہمممم بات جو ہے اس میں

بات وہ یہاں کہی نہیں کسی میں

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زندگی میں وہ نہیں تو

کچھ نہیں ہے میری زندگی میں

اس کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ دوسرا وہ گنگنایا بھی ایسے گھمبیر لہجے میں رہا تھا کہ سب کی ہونٹنگ بے اختیار تھی۔

”کوشش اچھی تھی لیکن معاف تو میں پھر بھی نہیں کرنے والی۔“

عنوہ دل ہی دل میں اتراتی بظاہر ناک بھنویں چڑھاگئی۔

عیسیٰ نے نرم گرم نگاہوں میں اسے تکتے سرگوشی کی۔

”اگر میں اپنی جائی داد آپ کے نام کر دوں تو بھی نہیں۔“

عنوہ نے اسے دیکھا۔ اور اس کی آنکھوں کی شرارت بھانپتی بولی۔

”پھر ررررر سوچا جاسکتا ہے۔“

عیسیٰ سر نفی میں ہلاتے بے آواز ہنس دیا۔

”آپ بھی کچھ بولیئے ایسے خاموش مت رہیئے۔“

یوشع نے اچانک مریم کو مخاطب کیا۔ پھر اس کی سنجیدگی سے خود کی طرف دیکھنے پر گھبراتے وہ شاہ نواز کے نزدیک کھسکا۔ وہ ایک خطرناک عورت تھی یوشع شروع سے جانتا تھا۔ سب مریم کی جانب متوجہ ہوئے سوائے شاہ نواز خان کے جو اسے ہر کمسن حد تک نظر انداز کئے ہوئے تھا۔ وہ ادھر دیکھ کر خود کو باغی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”میرا ایک سوال ہے۔“

وہ پرسکون لہجے میں بولی۔ اندر سے بے شک وہ شرمندگی سے ڈوب مرنے کو تھی۔ لیکن چہرے سے لگتا تھا سارا اکاسا سکون مریم اعوان کے قلب و جان میں سمٹ گیا ہے۔

”شاہ نواز خان کی یوعان شیخ کی زندگی میں کیا حیثیت ہے۔“

اس کا سوال عجیب ترین اور غیر متوقع تھا۔ کم از کم شاہ نواز خان کو ہر گز یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ یوں سرعام اس کی ذات پر سوال اٹھائے گی۔ یوعان شیخ نے کچھ نہیں کہا کیونکہ مریم کا انداز براہر گز نہیں تھا۔ بلکہ اس کا انداز ایسے تھا کہ جیسے وہ کچھ کھوجنے کی کوشش میں ہو۔

مآرب اور سیال نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کئے۔ جس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

”اس پاگل کو کبھی چھوڑ کے آ جاتے۔“

”جو عیسیٰ بھائی اور یو شمع کی ہے۔“

یہ مآرب تھی جو بڑے مان سے شاہ نواز کو دیکھتے بولی تھی۔ شاہ نواز خان نے سر تسلیم خم کرتے اس مان کو قبول کیا تھا۔

”ہنہ عیسیٰ اور یو شمع سے زیادہ ہے۔ یو شمع کا نشانہ کچا ہے جبکہ عیسیٰ جو ڈو میں مہارت رکھتا ہے لیکن کراٹے میں نہیں۔ اور شاہ نواز خان میرا شیر ان تینوں کا بادشاہ ہے۔“

یوعان شیخ نے زندگی میں شاید پہلی باریوں کھل کر شاہ نواز خان سے لگاؤ کا اظہار کیا تھا۔ اس نے حیثیت والی بات کو مذاق میں بدلتے اس سب کو ہنسنے پر مجبور کیا تھا۔ شاہ نواز خان کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔ وہ اگر

یوعان شیخ کی پرچھائی تھا تو یوں ہی نہیں تھا۔ آج جو سر محفل اس نے ان خوبیوں کا ذکر کرتے اسے معبر کیا تھا۔ وہ درحقیقت اسی کے سکھائے گرتھے۔ اسے مریم اعوان کی نظریں خود پر محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ بڑے ضبط سے اپنی نگاہ جھکانے میں کامیاب ہوا تھا۔

”میرا بھی ایک سوال ہے مسٹر یوعان سے۔“

عنوہ نے ہاتھ کھڑا کرتے سب کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

یوعان نے بھنویں اچکا کر عنوہ حمید کو دیکھا۔

”کیا میرا انٹرویو ہو رہا ہے آج۔“

پہلے مریم اور اب عنوہ کے سوال پر اس کا سنجیدگی سے کیا طنز عنوہ کو گڑبڑانے پر مجبور کر گیا۔

”نوپ اس آجنرل کو سچن۔ آپ کا آئی یڈیل کیسا تھا۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مارب نے عنوہ کا سوال سنتے اسے آنکھیں دیکھائی تھی۔ بھئی یہ کوئی سوال تھا۔ ظاہر ہے وہ اس کی

آئی یڈیل تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کچھ ایسا بولتا دیتا جس سے ایویں اس کا دل برا ہوتا۔

”مجھے پتا ہے مجھے پتا ہے۔“

یوشع نے اپنی جگہ سے اچلتے تیزی سے کہا۔

”بیٹھ جاؤ ہم ویسے بھی تمہاری بات سن لیں گے۔“

عیسیٰ نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے واپس گرایا۔ جو اڑھا ہی جا رہا تھا۔

اب سب کی توجہ کامرکز یوشع شیخ تھا۔ جو بڑی بے صبری سے راز اگلنے والا تھا۔ یوعان شیخ بس دھیمی سی مسکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا یوشع کیا کہنے والا ہے۔

ایک بار میں نے بھائی سے پوچھا تھا کہ آپ کی آئی یڈی ل ”کیسے دیکھتی ہے۔

and I remember what exactly he told me that “ half of her beauty is her  
brain

یوشع کے پر جوش انداز میں بولنے پر سب کی گردنیں مآرب اعوان کی جانب مڑی تھی۔ جو بڑے غور سے یوشع کی بات سن رہی تھی۔ سب کی نظریں خود پر محسوس کرتی گڑبڑائی۔  
اسے غور سے دیکھنے کے بعد سب منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

Yeah she has brain

مآرب کے لب ہلے۔

”مجھے لگا وہ دیبا و قارنہ بول دے۔“

یوعان کے تیز کانوں نے اس کی سرگوشی سن لی تھی۔ وہ مسکان روکتے اس کے کان میں بولا۔

”اس کے پاس یہ دونوں نہیں ہے۔“



”میرا ایک بھی سوال ہے۔“

”مریم اعوان سے“

یوشع کی بات پر وہ سب چونکے۔ مریم نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

”مریم کون ہے۔“

یوشع کا سوال بڑا غیر متوقع تھا۔ سب دلچسپی سے مریم کو دیکھنے لگے۔ انہیں بھی جاننا تھا مریم کون ہے۔ اتنی پر اسرار شخصیت جسے دیکھ کر یوشع کو ڈر سا لگتا تھا کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ پرسکون رہتی تھی۔

مریم جو آگ کے شعلوں کو بغور دیکھنے لگی تھی۔ یوشع کے سوال پر چونک گئی۔

”مریم کون ہے۔“

اس نے زیر لب سوال دہرایا۔  
BEING THE STRING OF YOUR KEE

”مریم ایک غزل ہے۔“

اس کے جواب نے انہیں الجھا دیا۔ وہ انہیں الجھن میں دیکھتی مسکرائی۔

نیک لوگوں میں مجھے نیک گنا جاتا ہے

اور گناہ گار گناہ گار سمجھتے ہیں مجھے

میں بدلتے ہوئے حالات میں ڈھل جاتا ہوں

دیکھنے والے اداکار سمجھتے ہیں مجھے

اس کی نظریں شاہ نواز خان سے ملی۔ اگلے پل پیچھلی ملاقات کی خجالت یاد آتے اس نے سرعت سے  
نگاہیں چرائی تھی۔ مگر شاہ نواز خان شاید پہلی بار نگاہیں ہٹانہ سکا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ جو اُس پار ہیں اُس پار مجھے جانتے ہیں

یہ جو اِس پار ہیں اِس پار سمجھتے ہیں مجھے

میں تو یوں چپ ہوں کہ اندر سے بہت خالی ہوں

اور یہ لوگ پر اسرار سمجھتے ہیں مجھے

اس کے الفاظ اور لہجہ بہت پر اثر تھا۔ وہ سارے متاثر نظر آرہے تھے۔ یہ خوبصورت شام یہاں اہتمام پر زیر ہوئی تھی۔ اور سب اپنے اپنے ٹکانوں کو لوٹنے لگے تھے۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ جب گھمبیر لہجے میں کہے یہ اشعار اس کے کانوں میں پڑے۔

مدتوں خود کی کچھ خبر نہ لگے

کوئی اچھا بھی اس قدر نہ لگے

اور بس تجھے اس نظر سے دیکھا ہے۔

جس نظر سے تجھے نظر نہ لگے۔

عنوہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ جو اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔

”کیا تم میرے لئے اپنا دل وسیع نہیں کر سکتی تھی۔“

عنوہ نے نفی میں سر ہلایا۔ عیسیٰ بلال نے اس کا ہاتھ پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھایا پھر رک کر اسے دیکھا۔

”ہاتھ پکڑ سکتا ہوں۔“

اس کا اجازت مانگنا بڑا دلفریب تھا۔ لیکن عنوہ نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ عیسیٰ بلال مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تھینک یو۔“

”تمہیں میں برا لگتا ہوں گاناں آج کل۔“

عیسیٰ نے ایک پر تپش نظر اس پر ڈالی۔ جو اشباب میں سر ہلارہی تھی۔

وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

”کوستی بھی ہوں ہوگی مجھے۔“

اس نے پھر سر ہلایا۔

”کیا اب ساری زندگی مجھ سے بات نہیں کرو گی۔“



”شاید میں ٹھیک سے محبت کے معنی جان نہیں پایا۔ اور اس کیلئے میں ساری زندگی شرمندہ رہوں گا۔“

وہ دھیرے سے بولا۔ اس کی آواز سے ندامت چھلک رہی تھی۔

”معافی دے دی ہے۔ اس کیلئے دل سے شکر گزار ہوں۔ اب رخصتی بھی دے دو تو ساری زندگی

احسان مند رہوں گا۔ ورنہ میں دل کو روک نہیں پاؤں گا۔ جو شرافت چھوڑ کر بڑی بے باکی پر اتر رہا ہے۔“

عیسیٰ نے اس کے کان کی لولبوں سے چھوتے سرگوشی کی۔

عنوہ جھٹ سے اس کا حصار توڑ کر دور ہٹی۔

”زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

تیکھے لہجے میں بولتی وہ شاید اپنے چہرے کی لالی چھپا رہی تھی۔

عیسیٰ ہنستے ہوئے گاڑی سٹاٹ کر گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھوڑی دیر بعد گاڑی جب اس کے گھر کے آگے رکی۔ تو عنوہ گاڑی سے نکل کر اس کی سائیڈ پر آتے شیشے پر جھکی۔

”اندر آنے کا نہیں کہوں گی۔ کل آنا دوبارہ پوری تیاری کے ساتھ میرا ہاتھ مانگنے تبھی مانوں گی۔“

اترا کر کہتی وہ چھپاک سے گھر کے اندر غائب ہوئی پیچھے وہ خوشگوار انداز میں قہقہہ لگا گیا۔

ایک نیا پر امید اور خوشگوار دن مریم اعوان کی زندگی میں طلوع ہوا تھا۔

تری پیس بزنس اوشن گرین رنگ کا سوٹ پہنے پاؤں میں ہائی پنسل ہیلز ڈالے وہ اپنی گاڑی سے اتری۔  
کرل کئے بالوں کو جھٹک کر اس نے ہوٹل کے اندر قدم رکھا۔ اس کے پیچھے ہی اس کی سکیٹری اور منیجر  
تیزی سے قدم بڑھاتے جا رہے تھے۔

آج یہاں بڑے پیمانے پر بزنس سمینار ہونا تھا۔ جس میں سبھی بڑے بزنس مین شامل تھے۔  
سمینار شروع ہونے میں ابھی وقت باقی تھا۔ اس کا سامنا سب سے پہلے دیبا و قار سے ہوا تھا۔  
”کالی بلی راستہ کاٹ گئی ہے۔“

وہ ایک ادا سے چلتی اسی کی جانب آرہی تھی۔

”دعا پڑھ لے مریم۔“

بڑبڑانے کے ساتھ ہی اس نے آیت الکرسی پڑھ کر خود پر پھونکی۔ مریم نے بچ کر گزرنا چاہا لیکن وہ شاطر  
لو مڑی آکر سامنے رک گئی۔

”نائی س ٹوسی یو ہیر مریم کافی دونوں بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں۔“

مریم مصنوعی سا مسکراتی ہال میں نظر دوڑانے لگی کہ ایک جگہ اس کی نظر ٹک کر رکی۔ یوعان شیخ کے ساتھ ہی کندھے سے کندھا ملائے تھری پیس سوٹ پہنے شاہ نواز خان کھڑا تھا۔ عیسیٰ بلال، حسن شیخ، یوشع شیخ، ساتھ ہی تھے۔ وہ لوگ کچھ انٹرنیشنل گسٹ کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔

”تمہاری تو شاید عدت چل رہی تھی۔ مجھے افسوس ہوا تھا تمہاری طلاق کا۔۔۔“

یوعان شیخ کی اس پر نظر پڑی تو اشارے سے پاس بلایا۔

”طلاق مجھے ہوئی ہے تو افسوس تمہیں کیونکر ہو رہا ہے۔ اسکیوز می پلیز۔“

ٹھہرے ہوئے انداز میں اسے جواب دے کر وہ یوعان لوگوں کی جانب بڑھی۔

وہ ان کے قریب آئی۔ یوعان شیخ ایک بندے سے کہہ رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

“Meet her Mr John she is Maryam Awan ,elder daughter of Karim

Awan۔“

مریم نے مسکراتے انہیں ہیلو کیا جو شکل سے انگریز دیکھ رہا تھا۔

“Hello Miss Awan.Isn't she your sister in law?”



بز نس ولڈ میں سب ہی جانتے تھے کہ کریم اعوان کی چھوٹی بیٹی یوعان شیخ کی بیوی ہے۔ ان کی بات پر یوعان شیخ نے ہلکی سی مسکان سے سر ہلایا۔ مریم کو بز نس ورلڈ میں لوگ یا سریزدانی کے نام سے جانتے تھے۔ آج اسے متعارف کروانے کا مقصد یہی تھا کہ لوگ اسے مریم اعوان کی حیثیت سے جان سکے۔

وہ گسٹ کسی اور کے پاس چلے گئے تو وہ سب آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مریم نے نوٹ کیا تھا جب سے وہ ان کے پاس آئی تھی تبھی سے شاہ نواز خان کی نظریں زمین سے چیک رہی تھی۔

اسی بیچ کریم اعوان بھی آگئے۔ وہ تھوڑی پیچھے ہوئی یوں کہ اب وہ شاہ نواز کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔

”مارب کیوں نہیں آئی۔“  
مریم یوعان سے مخاطب ہوئی۔

”اسے عنوہ کی طرف جانا تھا۔ یہاں سے ہو کر ہم بھی ادھر ہی جائیں گے۔ عیسیٰ کی رخصتی کی تاریخ لینے۔“

یوعان شیخ نے سنجیدگی سے تفصیلی جواب دیا۔

مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

سائیڈ پر ایک بڑا دیوار گیر شیشہ لگا تھا۔

مریم کی غیر ارادی نظر شیشے پر پڑی وہاں ان دونوں کا عکس موجود تھا۔

مگر چونکاتے والی بات یہ تھی۔ کہ چھ انچ کہ ہیل پہن کر بھی وہ شاہ نواز کی تھوڑی تک آتی تھی۔

اس نے شیشے سے نظر ہٹا کر سر تا پیر شاہ نواز کو دیکھا اور دوبارہ نظریں شیشے پر لگادی۔

اس نے سوچ لیا تھا اگلی بار وہ چھ انچ سے زیادہ کی ہیل لے گی۔

یہ ایک غیر ارادی حرکت تھی۔ اس میں اس کے شعور کا کچھ زیادہ عمل دخل نہ تھا۔



عیسیٰ کی رخصتی کی تاریخ طے کر دی تھی۔ جو ایک مہینے بعد کی تھی۔ تاریخ لینے عیسیٰ نے حسن شیخ اور یوعان کو بھیجا تھا۔ مسز حسن کے شایان شان وہ جگہ تھی نہیں اسی لئے انھیں بتایا گیا تھا۔ کہ رخصتی لینا ان کے ہاں صرف مردوں کا رواج ہے۔

عیسیٰ بلال نے آج سب کو ڈنر کی ٹریٹ دی تھی۔

وہ سارے اس وقت ایک بڑی سی ٹیبل پر بیٹھے خوشگپوں میں مصروف ڈنر انجوائے کر رہے تھے۔

مآرب نے جس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ یوں ہی سارے پر نظر دوڑائی تو مریم کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔  
اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو شاہ نواز کو دیکھتے بھنویں اوپر کو شوٹ کر گئی۔

وہ مسلسل اسے دیکھے جارہی تھی۔ بلا آخر مآرب کو اسے ٹوکنا پڑا۔

”وہ شریف آدمی ہے۔“

”اور حیا دار بھی۔“

مریم بڑبڑائی۔ پھر مآرب کو دیکھا۔

”کیا یہ میری حیا مجھے لوٹا دے گا۔“

”تمہاری حیا صرف اللہ ہی لوٹا سکتے ہیں مریم کیسی باتیں کر رہی ہو۔“

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ اور پھر نظریں ثابقہ جگی پر ٹھکا دی۔

”تم نہیں سمجھو گی مآرب۔ مجھے لگتا ہے یہ آدمی اللہ کو بہت پیارا ہے۔ اور مجھے اس آدمی کو اپنا بنانا ہے۔ تم

ٹھیک کہہ رہی ہو حیا اللہ لوٹاتا ہے اور مجھے اللہ میری حیا لوٹائیں گے وہ بھی اس آدمی کے ذریعے۔“

مآرب نے شاہ نواز کو دیکھا جو یوعان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

”حیا خیر کی علامت ہے اور مجھ سے خیر چھین گیا ہے۔“

مریم کسی ٹرانس کی کیفیت میں زیر لب جیسے خود ہی سے بولی تھی۔  
 ”یہ آدمی واقعی ہنڈ سم ہے۔ ٹال ہیڈ سم اینڈ رچ۔ اسے پکڑ لے مریم۔“  
 ان کے ساتھ بیٹھی عنوہ نے سر زراسا سر کایا۔ اور سر گوشیانہ کہنے لگی۔  
 وہ دونوں بدک کر ڈری۔

”ابھی میرا بی پی لو ہو جاتا عنو۔“

مارب نے دانت پیسے۔ وہ بہت اچانک سے بولی تھی۔ کہ ان دونوں کا یوں اچلنا بنتا تھا۔  
 اب منظریوں تھا کہ وہ تینوں سر جوڑے کسر پسر کرتی وقفے وقفے سے شاہ نواز پر نظر ڈال لیتی۔ جو عیسیٰ اور  
 یوعان کے بیچ بیٹھا تھا۔ ان کی بھی بڑی ضروری میٹنگ چل رہی تھی۔ ایک یو شع ہی تھا۔ جو موبائل میں  
 گھسا جانے کیا کر رہا تھا۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

”رچ۔۔۔ اس کی پے کتنی ہے مارب۔“

مریم نے چونک کر سوال اٹھایا۔ عنوہ نے کھیر امنہ میں رکھتے تجسس سے مارب کو دیکھا۔

”only one and a half million“

کھیر امنہ کے خلق میں پھنسا تھا۔ مریم حیرت سے جبکہ عنوہ آنکھیں پھیلائے مارب کو دیکھنے لگی۔

مارب نے ہونٹ بھینختے اثبات میں سر ہلایا۔

.“Fact he deserves more

-(lllllllll

مآرب کی زبان میں بڑے دنوں بعد کجھلی ہوئی تھی۔ اس نے شاہ نواز سے نظر ہٹا کر ایک تند نگاہ اس پر ڈالی۔

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب نے زبان رول کرتے مسکراہٹ دہائی۔ جبکہ عنوہ ہنسی ضبط کرتی تیزی سرکتی اپنی جگہ پر آئی۔

”ویسے حیا کیا ہے تمہاری نظر میں۔“

مآرب نے اب کی بار سنجیدگی سے سوال کیا۔

وہ دھیرے سے بولی۔

”حیا کی صفت اچھے اور برے میں تمیز سکھاتی ہے۔ اور میں بھول چکی ہوں اچھا اور برا کیا ہے۔“

اس کے لہجے میں یاسیت شامل تھی۔ مآرب منتشر ذہین سمیت اسے دیکھے گئی۔ اس کے لب کچھ بولنے کیلئے مچلے لیکن زبان بولنے سے قاصر رہی۔

”تم اتنے سارے پیسوں کا کیا کروں گی۔“

”میں یہ چوکیدار چاچا کو دوں گی ان کے بیٹے کی شادی ہے ناں۔ انہیں ضرورت پڑھے گی۔“

مآرب نے اس سے نظریں ہٹائی۔ جو س کا گلاس پھر سے اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ یوں شاید وہ آنکھوں میں اڈتی نمی چھپاتی۔

اس نے ازردگی سے سوچا تھا۔ مریم اعوان ایک ہیرہ دل لائے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن یاسر یزدانی کے ساتھ جڑنے سے وہ ایک گوہر بے آب بن کر رہ گئی تھی۔ وہ گوہر (موتی) جس کی چمک ماند پڑ جائے۔

جیسے وہ ایک ناقص موتی کی مانند تھی۔ جو دنیا کی رو میں بہہ کر اپنی چمک کھو چکی تھی۔ وہ یوعان شیخ ہی تھا۔ جس کی سنگت میں وہ گوہر بے آب سے گوہر بے بہا (انمول موتی) بن چکی تھی۔ ہمارے ایمان کی

مضبوطی بعض اوقات ہم سے جڑے شخص پر بھی منحصر کرتی ہے۔ یا تو ان کی سنگت ہمیں ہیرہ بتا دیتی ہے یا پھر ناقص موتی۔ جیسے وہ بڑے بزرگ کہتے ہیں ناں کہ ہمیشہ اچھے دوستوں کی سنگت میں رہنا

چاہیئے۔ مگر۔۔۔ یہ رائیٹ پرسن ہم نہیں ہماری قسمت تائی ان کرتا ہے۔ قسمت سے لڑ نہیں سکتے مگر اسے اپنی منشا پہ چلا سکتے ہیں۔ اور دعا سے بہتر قسمت بدلنے والی کوئی شے نہیں۔

وہ فائی لوں میں سرگھسائے نہایت مصروف نظر آرہی تھی۔ سیال اعوان آفس آنا بند کرچکا تھا۔ اور اس کے چھوڑے ہوئے پروجکٹ اب مریم سنبھال رہی تھی۔

”میم وائے ایس وائے سے مسٹر۔۔۔۔۔“

”بھیج دو اندر۔“

وہ جانتی تھی۔ شیخ کمپنی کے ساتھ شروع کئے پروجکٹ کی فائی ل ان کے آفس سے آئی تھی۔ جس پر اس کے سائیڈ درکار تھے۔ اس وقت وہ مصروفیت میں جانے کی کوشش ہی نہیں کرپائی کہ آنے والا کون ہے۔ اسی اثنا میں دروازہ نوک ہوا۔

”کم ان۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آنے والا اندر آیا۔ اور آکر فائی ل اس کی ٹیبل پر رک دی۔

”سرنے یہ کانٹرکٹ فائی ل بھیجی ہے۔ انھوں نے سائیڈ کر دیئے آپ بھی کر دیجئے۔“

صفحے پلٹتے اس کے ہاتھ رکے۔ اس نے جھٹکے سے سراٹھایا۔ سامنے ہی ہینڈ سم ٹال اینڈ ریج عنوہ کے مطابق شاہ نواز خان کھڑا تھا۔ یہ فائی ل نہایت ضروری تھی۔ شاہ نواز کے ہاتھ بھیجنے کا مطلب تھا۔ یوعان شیخ خود آیا ہو۔

مریم نے توک نکل کر اس پر سے نظریں ہٹائی اور فائل اٹھا کر کھولتے اس نے تیزی سے پڑھ کر سائی ن کر دیئے۔ اسے جلدی سے اس شخص کو یہاں سے بھیجنا تھا۔

شاہ نواز خان جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس کی پریتیاں دیکھ رہا تھا۔ جس نے بیٹھنے کیلئے بھی نہیں کہا تھا۔  
”ہاوروڈ“

مریم نے سائی ن کر کے خاموشی سے فائل اس کی سمت بڑھاتے ٹیبل پر رکی۔ اور دوبارہ سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی۔

ایک منٹ دو منٹ تین منٹ۔۔۔ پورے چھ منٹ بعد جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریر ہوا تو مریم نے اپنا ازلی پر سکون انداز اپنا کر سر اٹھایا۔

وہ ابھی تک وہی کھڑا تھا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پہلی بار نظریں اس کے صلیج چہرے پر جمائے۔  
”آپ گئے نہیں۔۔۔“

”شادی کرے گی مجھ سے۔“

آفس کی فضا میں سکوت چھا گیا۔ مریم کا وجود بے حس و حرکت رہا اس میں کوئی جنبش نہیں ہوئی لیکن آنکھوں کی پتلیاں اپنی سائی ز سے بڑی ہونے لگی۔ وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

”کیوں۔“



اس کے لبوں سے یک لفظی جواب بے ساختگی میں نکلا۔

شاہ نواز نے دائی جیب سے ہاتھ نکال کر کلائی میں پہنی گھڑی میں وقت دیکھا اس کے پاس ٹائی م کم تھا۔

”اگر میں کہوں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں تو مان لے گی۔“

مریم نے نا فہمی سے اسے دیکھا۔

”مجھ سے محبت کرتے ہو؟“

شاہ نواز خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیوں۔“

مریم حیرت کی کیفیت میں مبتلا ہوئی۔ شاہ نواز خان نے کندھے اچکا کر لائے علمی کا مظاہرہ کیا کہ بھٹی میں خود

اس ”کیوں“ کا جواب نہیں جانتا۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مریم کو لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔ لیکن شاہ نواز خان کا اس کے ساتھ مذاق والا تعلق بنا کب تھا۔ وہ تو خود اس

کے بارے میں سوچ رہی تھی یہ سوال تو اس کے کرنا والا تھا۔ لیکن پھر اپنے طلاق یافتہ ہونے کا سوچ کر

رک جاتی۔ اب جب شاہ نواز نے پہل کی تو اس کیلئے مانو صدمہ ہی تو ہو گیا۔

”کیا کر سکتے ہو میرے لئے۔“

محبت میں تو لوگ چاند تاروں کی بات کرتے ہیں۔

”پتا نہیں۔“

شاہ نواز نے بے نیازی سے کہا۔ دل البتہ اندر ہی اندر محشر برپا کر چکا تھا۔ اگر اس نے نکار کر دیا تو۔

مریم نے امتحان لینا چاہا۔

”تم میرے لے مر سکتے ہو۔“

”نہیں۔۔۔ میں آپ کیلے مروں گا نہیں میں آپ کیلے جیوں گا۔ اور آپ کیلے آپ کی زندگی

کو جنت بناوں گا۔ مگر تو آپ کو آنسو ہی دینے ہے۔ جبکہ وعدہ تو مسکراہٹیں دینے کا کیا ہے۔“

مریم نے بے یقینی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ وہ ابھی تک ویسے ہی کھڑا تھا۔ ہاورڈ مریم۔

”تم بہت فلمی باتیں کر رہے ہو۔“

”میں فلمی باتیں نہیں کر رہا ہوں بس میری محبت آپ کو حقیقت میں نہیں ملے گی۔“

شاہ نواز نے کندھے اچکائے۔ ہاں حقیقت میں تو واقعی نہیں ملے گی۔ حقیقت میں تو لڑکے چاند توڑ کر لانے

کی بات کرتے ہیں۔ اور اسے پتا ہی نہیں جس سے یہ محبت کرتا ہے اس کیلے کیا کر سکتا ہے۔ مریم نے

اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور شاہ نواز خان فائی لے کر ناامید لوٹ گیا۔

”دس منٹ میں تم مجھے اپنے سامنے چاہیئے ہو مارب۔“

”موم میرا گھر پچیس منٹ دور آپ کے گھر سے۔ میں اڑ کر۔۔۔۔۔“

مآرب نے بحث کرنے کی غلط کر دی تھی۔ آگے سے ان کی چیخ نے اسے یوں بھوکھلایا کہ موبائی ل اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے گر ا۔

”تم اڑ کر آویارینگ کر مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن دس منٹ سے ایک منٹ اوپر ہوا تو میرا وہ روپ دیکھو گی تم کہ تمہاری روح کانپ اٹھے گی۔“

ان کا لہجہ نہایت سخت تھا۔ اور الفاظ خطرناک۔

## BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب لرزتے دل کے ساتھ جلدی سے بیگ اور ضروری چیزیں اٹھاتی دروازے کی طرف بھاگی۔ جیس اعاون کو عموماً زیادہ غصہ نہیں آتا تھا۔ وہ زیادہ معاملوں میں کول رہتی تھی۔ لیکن جب آتا تو کریم اعاون کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی تھی۔

”اللہ جانے اب کیا کر دیا ہے میں نے۔“

وہ دل ہی دل میں اپنی خیر منائی جتنا جلدی ہو سکتا تھا ڈرائی ہو کرنے لگی۔ اور پھر اس نے سارے قانون تھوڑے واقعی میں گاڑی دس منٹ میں اعوان ویلا کے پورچ میں روکی تھی۔ گاڑی سے اترتے اس نے یوعان کو وائی س نوٹ بھیجا تھا۔

”میں گھر آئی ہوئی ہو شاید رات یہی رکوں۔ ویسے رہنے کے حالات تو نہیں ہے لیکن۔۔۔ اگر میں کل تک بھی نہ آپائی تو مجھ پہ فاتحہ پڑھ لیجئے گا۔“

موبائی ل بند کرتے اس نے بیگ میں رکھا اور تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوئی۔

لاونچ میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اسے دور سے ہی ماحول کی گرمی کا اندازہ ہو چکا تھا۔

ایک جانب صوفوں پر ہاتھوں کی مٹھی بنائے ہوئیوں پر رکھے تھے تاثرات کے ساتھ بیٹھاسیال۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر کریم اعوان ماتھے پر بلبلے بر اجماع تھے۔ ان کے تاثرات کچھ خاص اچھے نہیں تھے مآرب اندازہ لگا چکی تھی کہ انھیں یقینی کسی اہم مینٹنگ سے بلایا گیا تھا۔ ایک جانب سنگل صوفے پر مریم اپنے ازلی پر سکون انداز کے ساتھ موجود تھی۔ مآرب اور سیال پھر بھی ماں باپ کے غصے سے خائف ہو جاتے تھے لیکن مریم۔۔۔ نہ کبھی مر کر بھی نہیں وہ رتی برابر بھی ماں سے نہیں ڈرتی تھی۔ ہاں باپ کے سامنے خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔ اور یہ رویہ اس کا یا سر سے شادی کے بعد شروع ہوا تھا۔



مآرب نے یک لخت ان کی بات کاٹی۔ صوفوں پر بیٹھے نفوس کسی تماش بینوں کی طرح ان کی بحث ملاحظہ کر رہے تھے۔

”میں اسے سمجھاتی۔۔۔ کیوں۔۔۔ ایک ایسے انسان کیلئے جس کے ہر آئے روز نئے نئے آئی ریز کی خبریں آتی رہتی ہے۔ اس گھٹیا انسان کیلئے میں اسے فورس کرتی جو اسے کہتا ہے کہ اپنے جسم کی نمائش کرو لیکن مجھے کلائی نٹس لا کر دو۔ اور وہ سالوں سے اس کے آئی ریز اور واحیات فرمائی شیں جھپکتی رہی۔ آپ کس بات کے انتظار میں تھی کہ کل کو اس کا شوہر اسے کسی کے ساتھ رات گزرا نے کو کہہ دیتا۔“

مآرب غصے سے پھر گئی۔ غصے میں اس نے باپ بھائی کی موجودگی کا بھی خیال نہ رکھا تھا۔ ایک پل کیلئے لاونچ میں اندوہناک خاموشی چھا گئی۔ سب کی گردنیں سنگل صوفے پر بیٹھی مریم کی جانب اٹھی۔ جس کے اطمینان میں زرا برابر فرق نہیں آیا تھا۔

”یہ سچ کہہ رہی ہے۔“

کریم اعوان کا سوال بے یقینی لائے ہوا تھا۔ مریم نے بڑے آرام سے سر ہلایا۔ چہرہ ہر تاثر سے پاک تھا۔ کریم اعوان تو بیٹی کا چہرہ دیکھتے رہ گئے جبکہ سیال کی غیرت نے اس وقت بری طرح جوش مارا تھا۔

”اس شخص کے میں تکرے کتوں کو کھلاؤں گا۔ لیکن بے غیرت تم بھی ہو جو اسے خاموشی سے جھپکتی رہی۔ پہلی بار ہی میں اس کے منہ پر کیوں نہیں تھوکی“

سیال اعوان آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ یاسر یزدانی کے ساتھ ساتھ مریم کا بھی قتل کر دے۔ جو اتنے عرصے میں وہی جمائے بیٹھی رہی۔

”میں نے تو اپنی سی کوشش کی تھی رشتہ بچانے کی۔ آخر کار ہمت جواب دے گئی تو چھوڑ دیا۔“

وہ پرسکون انداز میں بولی۔ جیسے کوئی افسانہ سنارہی ہو۔

”تم نے کوشش ہی کیوں کی مریم تم مجھے کہتی تو سہی۔“

کریم اعوان ارزدگی سے بولے۔ وہ اس وقت دل برداشتہ سے ہوئے تھے۔

”آپ بزنس کے چکر میں میری شادی ہی نہ کرواتے۔“

”مریم۔“

مآرب کو اسے ٹوکنا پڑا کیونکہ اس کی بات پر وہ اپنے باپ کا رنگ بدلتا چہرہ دیکھ چکی تھی۔ مریم نے بھنویں اچکاتے مآرب کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ کیوں غلط کہہ رہی ہوں۔

”یردانیز کی ویلو اس وقت ٹاپ پر چل رہی تھی ناں۔ آپ نے میرا رشتہ کروا کر۔۔۔۔۔ مجھ سے کہا کہ میں یاسر یزدانی سے مل لو۔ وہ میرے لئے یقیناً ایک اچھا میچ ثابت ہو گا۔ آپ کو اپنا فائی دہ دیکھا اور یزدانیز کو اپنا بیچ میں پسلی کون۔۔۔۔۔ مریم۔“

وہ شکوہ نہیں کر رہی تھی۔ حقیقت بتا رہی تھی۔ اور اس بیانک حقیقت نے سب کی زبان سی دی تھی۔ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔ یہی تو ہوتا آیا تھا۔ مریم کے ساتھ، سیال کے ساتھ اور مآرب۔۔۔ خیر اس کی تو قسمت اچھی تھی۔

مآرب نے استہزائی یہ انداز میں ماں کو دیکھا۔ وہ خاموش رہتی لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے میڈیا کا جمگاٹا، سوسائٹی کی عورتیں اور وہ امیر بیویاں آئی جن کے سامنے ان کا ایک بھرم تھا۔ ایک رعب تھا۔ کیونکہ وہ جبین تھی وہ کریم اعوان کی بیوی تھی۔ جو حیثیت میں ان سب سے اونچا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر مآرب کی ساس ورشہ شیخ۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ ان کے تورونگٹے کھڑے ہو گئے۔

”اور سیال اس کے ساتھ کیا مسلمہ ہے۔“

انہوں نے جرجری لیتے غصے سے مآرب کو ٹونٹ مارا۔

”اسی سے پوچھئے اس کا مسلمہ مجھے کیسے پتا ہو گا۔ میں تو خود اس کی ڈسی ہوئی ہوں۔“

مآرب نے کندھے اچکائے۔ اس کا طنز سیال ہی سمجھ چکا تھا اور جی جان سے سلگ اٹھا۔ خود پر اس لمحے ہزار بار لعنت بھی بھیجی۔۔۔۔۔ کس منحوس گھڑی میں اس نے اس عورت سے پھنگا لیا تھا۔ وہ جتنا پچھتا تا کم تھا۔





”لگائی اسے سینے سے اور شہ ملے گی اسے۔“

جبین کا پارا اور ہائی ہوا۔ انہیں مآرب پر غصہ آرہا تھا۔ اب کوئی لاکھ سمجھائے وہ سمجھنے والی نہیں تھی۔

کریم اعوان انہیں نظر انداز کرتے بیٹے سے بولے۔

”کیا داریہ بھی یہ چاہتی ہے۔“

ان کی بے نیازی پر جبین اعوان شعلہ بار ہوئی۔

”میری بھی سن لے آپ۔“

انہوں نے ٹھہر کر بیوی کو دیکھا۔

”ساری زندگی آپ ہی کی سنی ہے۔ اس وقت بچوں کی سن لوں؟“

ماں کا چہرہ دیکھ کر مریم کو ہنسی آئی جسے وہ کھانسی میں بدل گئی۔ کریم اعوان سیال کی جانب متوجہ ہوئے۔ مآرب نے مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھا۔ دل خوشی سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرا سی الفت سے کھلکھلا اٹھا تھا۔ مریم جذبات کے اظہار میں باپ ہی طرح کوٹی تھی۔ لیکن اس وقت مآرب کو دیکھتی وہ محبت سے مسکرائی تھی۔

”درا یہ بھی راضی ہے۔ موم میں چھ سال تک کوشش کرچکا ہوں لیکن اب بس یار میں تھک گیا ہوں۔“

باپ سے کہہ کر تھکے سی بے بس لہجے میں ماں کو مخاطب کیا۔ جو صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔ کیا کہتی اب وہ۔

”ایک اور بات۔“

سیال نے زرا کی زرا نگاہ سب پر ڈالی۔

”میں لنڈن جانا چاہتا ہوں۔ مجھے وہاں اپنا خود کا بزنس سٹا کرنا ہے۔ اور ڈیڈ آپ میری کمپنی میں انوسٹ کریں گے۔“

لاونچ میں ایک بار پھر سے ہو کا عالم چھا چکا تھا۔ مآرب نے آنکھیں میچ لی۔ اسے سیال سے بہت محبت تھی اور وہ اس سے اتنی دور جا رہا تھا۔ اگر وہ اسے روکتی تو وہ روک بھی جاتا لیکن وہ اسے روک کر یہاں سپوائی ل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”چلو جی یہ علان کرنا باقی تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ بتانا رہ گیا ہے تو بتا کر میری سانس روک دو۔“

مسز جبین سلگ اٹھی۔ مریم کے اطمینان میں خاک فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ پہلے سے ہی جانتی تھی۔ باقی بچے کریم اعوان تو وہ بیٹے کو دیکھتے رہنے کے بعد بولے۔

”فورٹی سیون پرسنٹ اون ہنڈرٹ ملین ڈالر۔“

اس سب نے جھٹکے سے کریم اعوان کو دیکھا۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے مان گئے تھے۔ جبکہ سیال آنکھیں پھیلائے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”فوری پر سنٹ۔“

سیال نے حتمی لہجے میں کہتے نفی میں سر ہلایا۔ کریم اعوان کے تاثرات میں کوئی لچک نہیں تھی۔ یعنی وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ سیال نے گہری سانس لے کر منہ بنا کر کہا۔

”ڈن۔“

”I can't deal with this-

آپ اسے اجازت دے رہے ہیں ایک ہی بیٹا ہے ہمارا وہ بھی دور چلا جائے گا۔ اور آپ اسے جانتے نہیں ایک بار چلا گیا تو مڑ کر واپس نہیں آئے گا۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

جبین اعوان بے یقینی سے بولی۔

”وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ میں اب کیا بولوں۔“

ان کا انداز پر سکون تھا۔ جبین اعوان نے انھیں یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ اتنے آپ سیدھے۔ وہ اگر چاہتے تو سیال قدم گھر سے نہ نکال پاتا۔ لیکن وہ ایک قابل اور عقل مند بزنس مین تھے۔ اگر ان کا بیٹا لنڈن میں بزنس کرنا چاہتا تھا۔ تو انہی کا پروفٹ تھا اس میں وہ فوری فرسٹ کے شیئر ہولڈر بن رہے تھے۔ اور

پھر ان کے بعد سب ان کے بچوں کا ہی تو تھا۔ تو اچھا تھا کہ وہ سب اپنی اپنی محنت کے بل بوتے پر کھڑے ہو جاتے۔

انہیں بحث کرتے رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ڈنر کا ٹائم بھی نکل چکا تھا۔

”بھائی کو معاف کر چکی ہو۔“

مآرب کے کان میں سرگوشی میں یہ الفاظ پڑے تو وہ جھٹکا کھا کر باپ کو دیکھنے لگی۔

”آپ کو پتا تھا۔“

وہ شاک کی سی کیفیت میں منمنای تھی۔ کریم اعوان لب دبائے مسکرائے مآرب کی آنکھیں چومتے وہ ایک بار پھر سرگوشی میں بولے۔

”اب تم سے باخبر رہتا ہوں۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”تمہیں اتنی جلدی اسے معاف نہیں کرنا چاہیئے تھا۔“

مآرب ششدر سی انہیں دیکھے گئی۔

”میں منتظر رہا تم شکایت لگاتی تو میں اسے سخت سے سخت سزا دیتا۔ لیکن تم تو بچپن سے اس کی وکیل بنتی آئی

ہوں۔ یہاں بھی اسے بچا گئی۔“

وہ خفگی سے گویا ہوئے۔ مآرب کے لب ہلے۔

”آپ کیا کرتے اس کے ساتھ۔“

”میں اسے جائی داد سے عاق کر دیتا۔ اسے قانون سزا ملتی تو بھی پیچھے نہ ہٹتا۔ رشتوں میں سب کچھ چلے گا۔ مگر خون سے غداری نہیں۔“

ان کے لہجے میں سختی در آئی۔

مارب گہری سانس لے کر آہستگی سے بولی۔

”میں نے اسی لئے اسے معاف کر دیا ڈیڈ۔ مجھے سیال سے بہت محبت ہے۔ میں اسے سفر کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔“

مارب نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ جو آج اسے کھل کر پیار کر رہے تھے۔ کبھی اسے سینے سے لگاتے کبھی ماتھا چومتے۔ یہ سب دیکھتے مریم بھی ضبط نہ کر پائی اور آکر ان کی دوسری طرف بیٹھتی ان کے سینے سے لگی۔ تو انہوں نے مریم کو بھی اسی طرح حصار میں لیتے پیار کیا۔ سیال کیوں پیچھے رہتا اس نے آکر صوفے کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی گردن میں بائیں ڈال کر ان کا سر چوما۔

کریم اعوان بہت پیار سے مسکرائے۔ وہ برے نہیں تھے۔ انہیں ان تینوں سے برابر کا پیار تھا۔ لیکن بس جذبات کے معاملے میں کورے تھے۔ اور تھوڑا مزاج بھی سخت گیر قسم کا تھا۔

”موم ہماری ایک پک لیجئے گا۔“

مآرب چہک کر ماں سے بولی۔ جبین اعوان نے خفگی سے انہیں دیکھتے اپنے فون میں ان کی ڈھیروں تصویریں لے ڈالی۔

”آپ بھی آجائیں۔ ایک فیملی پک لیتے ہیں۔“

جبین مصنوعی گردن اکڑائے پاس آئی۔ بھرم بھی تو دیکھنا تھا ناں۔ تھوڑی دیر پہلے اگنور جو مارا تھا۔

مآرب نے جلدی سے ان کیل مئے جگہ چھوڑی۔ کریم اعوان مسکراہٹ دباگئے۔

سیال نے کھڑے کھڑے ایک ہنستی مسکراتی سلفی لی۔

یہ ان کی زندگی کی واحد خوشگوار فیملی پک تھی۔ و تینوں کھلکھلاتے ماں باپ سے لپٹے تھے۔ اس وقت تو مریم بھی جذباتی ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہکا پلکا ڈنر کرتے مآرب نے واٹ سیپ سٹیٹس اس کیپشن کے ساتھ لگایا تھا۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ہپی فیملی۔“

ایک بجے اس کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ مارب کا میج اسے مل چکا تھا۔ اور تب سے موڈ خراب تھا۔ آفس سے سیدھا وہ ایک بزنس پارٹی میں چلا گیا۔ جہاں جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن گھر جانے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا۔

بارش بھی زور و شور سے شروع ہو چکی تھی۔

وہ گھر آیا تو خالی گھر اس کا منہ چڑھا رہا تھا۔

موبائل نکال کر واٹ سیپ کھولا۔ مارب کا سٹیٹس دیکھتے اس کے ہونٹ اوہ کی شپ میں سکڑے۔

تصویر زوم کر کے اس نے مارب پر فوکس کیا۔ تو نظر سیدھا اس کی خماری آنکھوں پر ٹھہر گئی یہ آنکھیں ہی تو اسے نکارہ کر چکی تھی۔ ان آنکھوں نے ہی تو اس جیسے خشک مزاج بندے کو دیوانہ بنایا تھا۔

رات کا آدھا پہر، تنہائی، برستی بارش اور یہ ساحر آنکھیں اسے بے ساختہ ایک عزل یاد آئی۔ دل کیا اسے سنا کر بھیجے۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنی خوائش کو عملی جامہ پہناتے مارب کی چیٹ کھولی تھی۔

ایک بج کر پچیس منٹ پر وہ تینوں بہت ساری باتیں کر کے سونے کیل مے کمروں میں گھسے۔

مارب برش وغیرہ کر کے سونے کیل مے لیٹی تو یوعان کا خیال آیا۔



تیزی سے موبائی ل اٹھایا۔ نیند سے آنکھیں بند ہو رہی تھی لیکن شوہر صاحب کی فکر بھی ستار ہی تھی۔  
موبائی ل کھولا تو یوکان کا ایک لمبا سا وائی س نوٹ سامنے تھا۔

مآرب ماتھے پر ہاتھ مارتی اٹھ بیٹھی۔ پریشانی بھی ہوئی تھی وائی س نوٹ کے ساتھ تیس مس کالز دیکھ کر۔  
مس کالز گیارہ بجے کے قریب کی تھی جبکہ وائی س نوٹ ابھی پہلے کا تھا۔ اس نے جلدی سے وائی س نوٹ  
کھولا۔ خوبصورت گھمبیر آواز کمرے کی فضا میں گھونکنے لگی۔

رات سہانی ہے اور تم نہیں ہو

عہد جوانی ہے اور تم نہیں ہو

نشے میں چور ہے تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہے تمہاری آنکھیں

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مآرب کے پریشان چہرے پر ایک دم سے شرم کی لالی

چھاگئی۔ چہرے پر کچھ حیرانی کچھ حجالت کے تاثرات چھاگئے۔

کتنی مخمور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

تجھ کو ہے میری قسم، اب تو آ جا

آنکھوں کے ساغر سے... آ کر پلا جا

نشے میں چور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

ہجر کی راتوں میں میں تمکو ڈھونڈوں

غم کی باراتوں میں میں تمکو ڈھونڈوں

ایسے میں دور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

وہ اسے اتنا رومانی تصویر نہیں کرتی تھی۔ اتنی دلکش ساحر زدہ آواز میں اس کے لئے عزل گنگنا

اسے شرم سے کھکھلانے پر مجبور کر گیا۔ مآرب کے پیٹ میں تتلیاں اڑنے لگی۔

فضائیں سہانی ہیں اور تم نہیں ہو

عشق ہے مچلا اور تم نہیں ہو

پھر کیوں مجبور ہیں تمہاری آنکھیں

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

تُو جس کو دیکھے وہ تاب نہ لائے

پلک جھپکتے ہی تیرا بن جائے

جلوہ ظور ہیں تمہاری آنکھیں

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

مآرب مسکراتے ہوئے بیڈ پر گری۔ وائی س نوٹ ختم ہوا تو اس نے دوبارہ لگایا۔ اور جانے وہ کتنی دیر تک کتنی بار اسے سنتی رہی۔ اسے خود بھی خبر نہ ہوئی تھی یہاں تک کہ یہ مرغوب الطبع آواز سنتے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس کی آنکھ لگتے لگتے تین پینتیس ہو چکے تھے۔

آج عیسیٰ اور عنوہ کی مہندی تھی۔ جو عیسیٰ بلال کے ہی گھر میں ہو رہی تھی۔ جس کی ساری ارینجمنٹس یوعان شیخ نے کروائی تھی۔ مہندی میں زیادہ لوگ نہیں تھے دوسرا بلال ہاوس کالان بھی کافی بڑا تھا۔

ٹک۔۔۔۔ٹک۔۔۔۔ٹک۔۔۔۔ٹک۔

بہت سی گردنیں سیڑھیوں کی جانب مڑی۔ ہمیشہ کی طرح مریم اعوان اونچی ہیل پہنے اتر رہی تھی۔ رسم سب سے ملتے اس کی ساری توجہ صرف ایک شخص پر تھی۔

جو دور کھڑاپینٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے کسی کے ساتھ باتوں میں محو تھا۔ مریم کی جانب اس کی پشت تھی۔

وہ قدم قدم چلتی اس کے قریب بڑھ رہی تھی۔

نظریں مقابل کی چوڑی پشت پر جمی تھی۔

وہ قریب پہنچ کر خاموشی سے اس کی پشت پر کھڑی ہوئی۔ مقابل ایکدم چونکا۔ مخصوص خوشبوؤں ناک کے نتوں سے ٹکرائی۔

شہناز خان نے ہلکا سا سر ترچھا کیا۔ سامنے والا کوئی ضروری گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن اس کی توجہ بھٹی تھی۔

اسے سینے میں مٹھا سادرد محسوس ہوا۔ یہ موجودگی اس کے لئے غیر متوقع تھی۔

اس دن کے بعد سے شاہ نواز خان اسے آج دیکھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے نظریں ہٹا کر سامنے والے کی بات

سننے لگا۔ اسے اس بلا کو نہیں دیکھنا تھا۔

مریم نے لب بھنجتے مسکراہٹ روکتے شہادت کی انگلی اس کی پشت پر رکھی۔ اس طرف زیادہ روشنی نہیں

تھی سو کسی کا دھیان نہیں گیا۔

شاہ نواز کا دل ایک دم دھڑک اٹھا۔

وہ انگلی کی مدد سے کچھ لکھ رہی تھی۔

اس نے دھیان کے سارے دھاگے اس کی سمت لگا دیئے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

0349.....

وہ دم سادھ گیا۔ مریم اعوان اس کی پشت پر اپنا نمبر لکھ رہی تھی۔ شاہ نواز خان سانس تک روک گیا۔

مریم مسکرائی اور آخری ہندسہ لکھتے ہونٹ دانتوں تلے کاٹ کر وہ ایک پل کیلئے ٹھہری اور پھر مڑ

گئی۔

خوشبوں کے غائب ہوتے ہی شاہ نواز نے کب کی رکی سانس بحال کی تھی۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ سیٹج کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شاہ نواز خان کی نظریں اس کی پشت سے چمٹ گئی۔ میرون کام دار سلک کے شلوار قمیص میں سنہرے بارڈر والا بھاری دوپٹہ کندھوں پر سے گزار کر آگے کی طرف ہاتھ میں پکڑے وہ اونچی ایڑھی والے جوتوں میں تھی۔

سیٹج پر پہنچ کر وہ پلٹی۔ شاہ نواز خان نے پہلی بار نظریں نہیں پھیری تھی۔ مریم مسکرائی۔ اور رخ موڑ گئی۔ شاہ نواز خان نے کبھی اتنی حسین مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ۔

”دیکھو عیسیٰ میں اپنی جان کا ٹکڑا تمہارے حوالے کر رہی ہوں تو اس لحاظ سے تو اگر تم اپنی آدھی جائی یداد بھی میرے حوالے کر دو تو کم ہے لیکن تم صرف اور صرف ون ملین میرے ہاتھ پر رکھ دو ننگ کے طور پر۔“

عیسیٰ بدال کی آنکھیں تو پھیلی ہی تھی سانس تو تیر کی جب ساتھ بیٹھی دلہن بنی منکوحہ کو تنک کر بولتے دیکھا۔

”بات تو دو ملین کی ہوئی تھی ناں ایک میر اور ایک تیرا۔ تم بھول گئی مارب۔“

سٹیج پر موجود لوگوں نے دیدے پھاڑ کر ان دو دوستوں کو نہارا۔ وہ تو شکر تھا مآرب کی ماں اور عیسیٰ کی اکلوتی خالا سٹیج سے دور تھی۔ ورنہ مآرب کو جو سننا پڑتا اف۔

”عنوہ میں حق حلال کا شوہر ہوں تمہارا۔ کچھ تو رحم کرو یا۔“

عیسیٰ نے اپنی بیوی کو شرم دلائی چاہی۔ جو گردن اکڑائے ہنکارا بھر گئی۔

”کیا مزاکرات کامیاب نہیں ہوئے۔“

مریم دوپٹہ سبھالتی ابھی ہی وہاں آئی تھی۔

”کیا آپ کو بھی حصہ چاہیئے۔“

یوشع نے اشتیاق سے پوچھا۔ لیکن اس عورت کا ایک نظر دیکھنا ہی کافی تھا۔

”میرا حصہ تم افورڈ نہیں کر سکتے اس لئے رہنے دو۔“

وہ سنجیدگی سے بولتی ہلکا سا پر تبسم ہوئی۔ یوشع تعبداری سے سر ہلاتا مآرب کے نزدیک ہوا۔ کبھی یہ عورت اپنی خطرناک نگاہوں سے مار ہی نہ ڈالے۔

بہت ساری بحث کے بعد بلا آخر عیسیٰ نے ون ملین کا چیک کاٹ کر مآرب کو پکڑا ہی دیا۔ اور اس کے بعد جو ادھم مچی اللہ امان۔

دور کھڑے شاہ نواز خان کی نظریں ابھی بھی مریم اعوان پر جمی تھی۔ جب یوعان شیخ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اس کے پاس آکر کھڑا ہوا۔

”کیا ڈسائیڈ ہوا پھر۔“

شاہ نواز چونکا پھر گڑبڑا کر تیزی سے مریم سے نظریں ہٹائی۔

یوعان کی نگاہ مآرب ہر پڑی جو کسی بات پر کھکھلا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نرمی سے مسکرائی۔

”آپ میرا رشتے لے کر جائیں گے اپنی سالی کیلئے۔“

شاہ نواز مدھم سا بولا۔

”دیکھتے ہیں پہلے سالی کو تو راضی کر لو۔“

شاہ نواز نے ذہین میں وہ نمبر دہرایا۔ جو مریم اعوان اس کی پشت پر لکھ کر گئی تھی۔



یوعان، مآرب اور یوشع کل بارات تک عیسی بلال کے گھر ہی رکے تھے۔ بے کو منانے میں عیسی کامیاب ہو چکا تھا۔ کہ شادی کے بعد وہ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔ عیسی کے ساتھ مآرب اور عنوہ بھی ان کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ انھیں کافی جتن کرنے پڑے تھے۔ اور پھر بلا آخر مآرب کے یہ دھمکی دینے پر کہ اگر وہ ان کے ساتھ نہیں رہے گی تو انھیں مآرب کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ وہ مان گئی تھی۔

کل بارات کا فنکشن شہرے کے مشہور ہال میں ہونا تھا۔ رات دیر تک مہندی اٹینڈ کر کے لوگ اپنے گھر کو لوٹ چکے تھے۔ عنوہ اور بے کو یوعان شیخ خود اپنی نگرانی میں ڈراپ کرنے گیا تھا۔

اس وقت وہ چاروں لاونچ میں تھکے ہارے گرے پڑے تھے۔ ملازمہ چائے لا کر ان کے سامنے رکھ چکی تھی۔

Safar-e-Adab

”مآرب۔۔۔۔۔ کپڑے جینچ کر لو تنگ کریں گے۔“

وہ پاؤں اوپر کئے صوفے پر بیٹھی چائے کی چسکیاں لے رہی تھی۔ جب یوعان نے اس کا سرخ سرخ چہرہ اور گردن دیکھتے فکر مندی سے کہا۔

یوشع موبائل میں سرگھسائے کافی مگن دیکھائی دے رہا تھا۔

”کرتی ہوں بس یہ چائے پی لوں۔ چینی بھی کم ہے اس میں۔ میں چینی لے کر آتی ہوں۔ کسی اور کو چاہیئے۔“





”ہم نے کچھ پوچھا کیا۔“

وہ منمنایا۔

”یہی تو ڈر ہے کہ کچھ کہہ ہی نہیں رہے۔ آپ تو چپ کرے۔“

مآرب کے مسلسل ہسنے پر اس نے تپ کر کشن اسے دے مارا۔ جیسے وہ کھینچ کر گئی اور زور سے ہنستے اسے چڑھانے لگی۔

Safar-e-Adab

وہ انتظار کرتی رہی لیکن اس کی کال نہیں آئی۔ مریم اعوان نے پہلی بار کسی مرد کی کال کی اتنی شدت سے منتظر رہی تھی۔ بلا آخر صبح ساڑھے چار بجے نماز پڑھ کر وہ سونے کیلئے لیٹ گئی۔ نیند میں جاتے ہوئے اس کا منہ مایوسی سے اتر اہوا تھا۔ اسے سوئے ہوئے تقریباً پندرہ منہ ہوئے تھے کہ کمرے کی فضا فون کی گھنٹی سے گونج اٹھی۔ اور وہ جو بے بیدار نیند سو رہی تھی۔ ہڑبڑا کر جھاگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا کر نگاہوں کے سامنے کیا تو انون نمبر دیکھ کر اس نے ایک گھوری سے اس نمبر کو نوازتے یس کرتے کان سے لگایا۔

”اسلام علیکم شاہ نواز خان بات کر رہا ہوں۔“

”جانتی ہوں۔“

خفگی سے بھرپور آواز شاہ نواز خان کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے ہونٹوں پر تبسم بکھرا۔

ساری رات کال کروں ناکروں کے بیچ گزر گئی تھی اور صبح کہی جا کے وہ ہمت جٹایا تھا۔

”کیسی ہیں آپ۔“

اس نے دھیرے سے سوال داغا۔

”جیسی کل رات تھی۔“

لہجے کا تیکھا پن واضح تھا۔

شاہ نواز اپنے اپارٹمنٹ کی بالکنی میں آکر کھڑا ہوا۔ آسمان پر ہلکی سیل سیل تیر رہی تھی۔

”کل رات تو آپ بہت۔۔۔۔۔“

وہ کہنا چاہتا کہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ کہ پھر رک گیا۔ مریم کی آنکھیں نیند کی زیادتی سے بوجھل

ہو رہی تھی۔ لیکن اسے یہ کال سننی تھی۔

”بہت خطرناک لگ رہی تھی۔“

مریم کی آنکھیں بھک سے کھلی۔ لیکن اگلی بات سے دل سکڑ کر پھیلا۔

”اتنی کہ آپ نے میری سانسیں روک دیتی تھی۔“

لطیف سی دھیمی سی سرگوشی فون کے اسپیکر سے ابھری۔ مریم کا چہرہ گلال بکھیرنے لگا۔

”ک۔۔۔ کال کیوں کی ہے۔“

تپتے گال تپتپاتی وہ رعب سے بولی۔ لیکن لہجہ پھر بھی لکھڑا گیا۔

”آپ کا اقرار جاننے کیلئے۔“

رلینگ سے ٹھیک لگاتے وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

”اگر میں انکار کروں تو۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ اترائی۔

شاہ نواز مسکرایا۔

”آپ نہیں کرے گی۔“

مریم نے فون کو گھورا۔

”مریم۔“

ہائے مریم آنکھیں موندھتے چہرہ تکیے میں چھپا گئی۔ پہلی بار کسی مرد کے پکارنے پر دل میں ہلچل مچی تھی۔

”سر آپ کے ڈیڈ سے جلد بات کریں گے۔“

شاہ نواز نے اتنا کہہ کر فون کاٹا۔ تھوڑی دیر اور بات کرتا تو اسے ڈر تھا وہ بے باک نہ ہو جاتا۔ اس نے آسمان کو دیکھا۔ جہاں اتنا انتظار کیا تھا وہاں کچھ اور سہی۔

Safar-e-Adab

وہ سرخ بنارسی ساڑھی میں اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ کہ جہاں جاتی یوعان شیخ کی نظر اس کے وجود سے لپٹ جاتی۔ اس روشنیوں سے چمپاتے ہال میں خوبصورت دلکش کھلیوں کے بیچ اسے صرف ایک عورت نظروں کو بھار ہی تھی۔ جو اس کی بیوی تھی۔ اور اب عشق بھی۔

مآرب اعوان یوعان شیخ کیلئے ایک معجزہ ثابت ہوئی تھی۔ اپنے باپ کے کہنے پر ایک بزنس وومن سے شادی کیلئے ملاقات کرتے وقت اسے اندازہ نہیں تھا۔ کہ کل کو یہ عورت اسے اتنی عزیز ہو جائے گی۔ کہ اسے پہنچی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی اس کیلئے اذیت کا بائیٹ بنے گی۔ اس کے ہونٹوں پر

کھکھاتی مسکراہٹ اس کے کیلئے راحت کا سبب ہوگی۔ مآرب اعوان یوعان شیخ کے ساتھ جس طرح کی زندگی گزار رہی تھی۔ ایک امیرزادی شاید ہی گزار پاتی۔ اس کے وجود کے ساتھ گردش کرتی یوعان شیخ کی نگاہیں مسلسل مسکرا رہی تھی۔

سیٹج پر بیٹھا جوڑا بھی نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔ بلڈ ریڈ رنگ کا لہنگا پہنے آج عنوہ کو دیکھ کر لگ ہی نہیں رہا تھا۔ کہ یہ وہی غنڈی عنوہ حمید ہے۔ چوئی موئی سی بنی آج وہ عیسیٰ بلال کو مسکرا نے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ بار بار پیار بھری نظر اس پر ڈالتا اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔

”دیکھے کتنی خوبصورت لڑکیاں آئی ہوئی ہے۔ ان کو دیکھ کر آپ کو اپنا دیو ریاد نہیں آتا۔“

یو شیع اس کے پیچھے پیچھے پھرتا اس کا پارہ چڑھارہا تھا۔

”تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے یو شیع تو بتا دو میں آنٹی کے کان میں بات ڈال دوں گی۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”پسند۔۔۔۔۔“

یو شیع صدمے سے دبا دبا چیخا۔

”کیا مطلب پسند میں تو آپ لوگوں کے سہارے بیٹھا ہوا ہوں۔ میری پسند پہ چھوڑا تو نہ ادھر کار ہوں گانہ

ادھر کا۔“

مآرب نے تیکھے پن سے اسے دیکھا۔



”سچ کہہ رہا ہوں۔ یار دیکھے۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ گلابی کپڑوں والی کے بال پیارے ہیں۔ اس نیلے کالر کی ساڑھی پہنے لڑکی کی آنکھیں غضب کی ہے۔ اس بھورے رنگ کی فورک پہنے لڑکی کا قد قابل تعریف ہے۔ تو یہ موم کے ساتھ کھڑی کی مسکراہٹ۔ اب میں کس کس کو پسند کروں۔“

وہ ایک ایک لڑکی کو دیکھتا گھرے الجھن میں مبتلا دیکھائی دے رہا تھا۔ اور مآرب۔۔۔۔۔ وہ بچاری تو گھرے شک کی کیفیت میں غرق تھی۔ کیا فلرٹی دیور پایا تھا اس نے۔

ان کی نوک جوک یوں ہی چلتی رہنی تھی۔ ان دونوں کا رشتہ احساس پر مبنی تھا۔ اور ساری زندگی یوں ہی نوک جوک کرتے گزرنا تھا۔ اور بچ میں بچارے یو عان شیخ نے ہمیشہ کی طرح پسنا تھا۔

Safar-e-Adab

وہ قدرے کونے میں کھڑا فون پر ضروری بات کرتے فارغ ہو کر مڑا ہی تھا۔ کہ پیچھے اسے دیکھ کر بے طرح چونکا۔ آسمانی بنارسی ساڑھی میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح ہائی ہیلز میں شاہ نواز خان کا دل دھڑکا گئی تھی۔

وہ دلکشی سے مسکراتی دو قدم اس کی اور بڑھی یوں کہ اب ان کے بیچ تین انچ کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ مریم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ شاید زندگی میں پہلی بار وہ یوں گہرائی سے کھل کر دل سے مسکرائی تھی۔ شاہ نواز نے بڑے ضبط سے اس کی ساحر آنکھوں اور دلفریب

مسکراہٹ سے نظر ہٹا کر مہمانوں پر ٹکائی تھی۔ یہ رونقیں کتنی پھیکی سی تھی۔ یا پھر اس کی آنکھوں کو ایک ہی وجود بھار ہا تھا۔ اس کے ذہن میں اچانک سے خیال آیا۔

مریم کھڑے کھڑے ہی اس کے مزید نزدیک ہوئی۔ اس کے جسم سے اٹھتی خوشبو اتنی مسحور کن تھی۔ کہ خود پر ضبط کرنے کے چکروں میں وہ سانس روک گیا۔

جب بات برداشت سے باہر ہوئی تو شاہ نواز نے خشک لہجے میں دبا دبا احتجاج بلند کیا۔

“Stop lady....you are seducing me.”

وہ جو اس کے کان کے قریب جا کر کچھ کہنے والی تھی۔ چونک کر اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔ مریم نے آنکھیں سکیڑ کر سمجھنے کی کوشش کی۔ پھر مسکراہٹ کو لبوں میں دانتوں تلے دبایا۔ وہ اونچی ہیل پہن کر بھی اس کی تھوڑی تک پہنچ رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے اپنی زندگی میں (باپ بھائی کے علاوہ) ملے ہر مرد سے ڈر لگا تھا جن میں اس کا سابقہ شوہر بھی شامل تھا۔ اور شاہ نواز۔۔۔۔۔ وہ واحد مرد تھا جس کو وہ اگر بہکاتی بھی تو اسے یقین تھا۔ کہ وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے مر جائے گا لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اسی سوچ نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ وہ مدھم مدھم سا ہنستے ماتھا اس کی تھوڑی پر ٹکا گئی۔

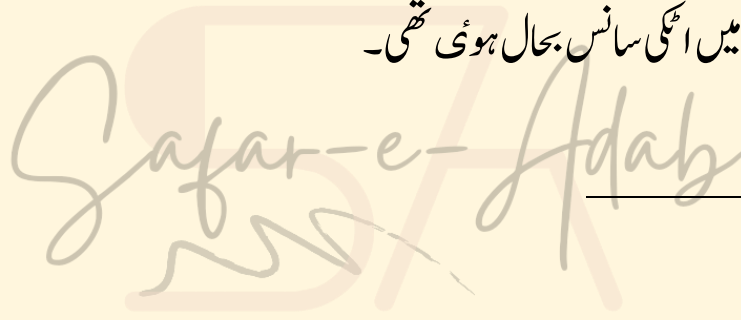
شاہ نواز خان جہاں اس کی مدھر ہنسی میں ڈوبا تھا۔ وہی اس کا ماتھا تھوڑی پر محسوس کرتے اس کی دھڑکن ایکدم سے اودم مچاتے اسے دیوانہ کرنے پر تل گئی۔

”مجھے محرم بنالو خان۔ ورنہ تمہیں بہکاتے بہکاتے میں کہی خود۔۔۔۔“

وہ بولتے بولتے ایکدم سے خاموشی ہو گئی۔

جبکہ اس کی ذومعنی بات کا مفہوم سمجھتے شاہ نواز کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ مریم دھیرے سے بے آواز ہنستی اسے ساکن چھوڑے مڑتی وہاں سے چلی گئی۔

شاہ نواز خان کے سینے میں اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔



BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ اس وقت کمر پر ہاتھ ٹکائے کھڑا حیرت کی کیفیت میں پورے ٹیرس پر نظر دوڑا رہا تھا۔ پاس میں عنوہ حمید ہاتھ سینے پر باندھے منتظر سی اسے دیکھ رہی تھی۔ بلا آخر وہ مڑا اور بھنوں کی جنبش سے استفسار کیا۔

”کیا ہے یہ۔“

عنوہ کا سارا اشتیاق بھک سے اڑا تھا اس نے ایک نظر ٹیرس پر دوڑائی جسے اس نے مآرب سے کہلو کر بہت خوبصورت اور رومینٹک انداز میں سجایا تھا۔

فیری لائی ٹس، دیئے اور کینڈلز کے ذریعے روشن ٹیرس اس وقت گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔  
ٹیبل پر ایک خوبصورت ساریڈولوٹ کیک ان کی شادی کی مبارک باد کی وشنزدے رہا تھا۔

”یہ ڈیٹ ہے۔“

”ڈیٹ۔“

”ہاں ڈیٹ میں نے سوچا ایک ان رومینٹک شوہر کارونارونے کا کیا فائی دہ۔ گلے شکوئیں کرنے سے بہتر ہے  
میں خود ہی ایک رومینٹک ڈیٹ کا اہتمام کر لوں۔ آفٹر آل ایک اچھا سارومیٹک ڈیٹ تو عنوہ حمید بھی ڈیرزو  
کرتی ہے ناں۔“

اس نے آنکھیں مٹکا مٹکا صورت حال بیان کی۔ عیسی بلال نے سرخ جوڑے میں مقید اپنی دلہن پر ایک استحقاق  
بھری نظر ڈالی اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے خود کی جانب کھینچا تو وہ اس کے سینے سے لگتے لگتے پچی۔

”ابھی تو میں پاس بھی نہیں آیا پھر یہ الزام کیوں۔ مجھے ثبوت دینے کا موقع تو دو۔“

اس کی جالائی ن پر شدت سے لب رکھتے ذو معنی انداز میں جملہ کسا۔ تو عنوہ اسے خود سے دور دکھیلتی دانت  
پیس کر غرائی۔

”گندے انسان گند ہی بھرا رہتا ہے بس دماغ میں۔ رومینس سے مراد وہ نہیں ہوتا جو تمہارے دماغ میں  
آیا ہے اسے تو کچھ اور ہی۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔“

وہ بولتی بولتی ہڑبڑا کر بات ادھوری چھوڑ گئی۔ اس کا سرخ انار چہرہ دیکھتے عیسیٰ کا بلند قبہ گونجا۔

”رومینس تو یہ ہے کہ اپنے پاٹنر کا ہاتھ پکڑو۔“

عنوہ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اور انگلیاں اس کی انگلیوں میں الجھائی۔

”اور کھلے آسمان تلے اس کے ساتھ بیٹھ کے دیر تلک تاروں کو تکتے محسوس کرو کہ۔۔۔“

عنوہ اسے لائے صوفے پر بیٹھی اور سردھیرے سے اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ ابھی تک بارات کے جوڑے اور بھاری زیورات میں ملبوس تھی۔ خاموش ٹیس میں اس کے ہاتھ میں سچی چوڑیوں کی چنکار عیسیٰ کے کانوں کو کسی مدھر دھن کی طرح لگ رہی تھی۔

”کہ تمہارے ساتھ کوئی ہے۔ جو چاند کی طرح بے وفائی نہیں دیکھائے گا۔ ایک مدت کیلئے ان تاروں کی طرح تمہیں جان لیو عادت لگا کر بیچ راہ میں نہیں چھوڑے گا۔ کیا یہ رات سہانی نہیں ہے۔ جس میں میں اور تم ہے۔ کیا یہ فضا مستانی نہیں ہے جس میں میں اور تم ہے۔ ان تاروں کے بیچ سیاہ آسمان تلے صرف میں اور تم۔“

مدھر آواز میں کسی بلبل کی طرح عیسیٰ بلال کے کانوں کو سحر بخشی وہ اس کے دل میں ہلچل مچا گئی۔

”کیا یہ ساتھ رومینٹک نہیں ہے۔“

وہ اسے دیکھتی بھنویں اچکا کر پوچھنے لگی۔ عیسیٰ اس کے چہرے پر جھکتا سرگوشی کرتے بڑی بے باکی سے بولا۔

”بالکل ہے۔ تمہارا رو مینس سر آنکھوں پر۔ پر اب آگے سے میں کو ٹینو کروں۔“

اس کے گھمبیر اور خمار بھرے لہجے نے عنوہ کو بھوکھلاہٹ میں مبتلا کیا تھا۔ وہ کانوں تک سرخ پڑتی اپنا بچاؤ کرنے لگی۔ لیکن تب تک وہ اسے گود میں اٹھاتا کمرے کی طرف بڑھ چکا تھا۔

شادی خیر خیریت سے نیٹ گئی۔ عیسیٰ اور عنوہ ہنی مون کیلئے اٹلی چلے گئے۔ جو عنوہ کے مطابق ہنی مون کم اور بزنس ٹرپ زیادہ تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ عام دنوں کی طرح ہی ایک دن تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ڈنر کے بعد مارب سیال سے بات کر کے فارغ ہوئی تھی۔ ابھی وہ صوفے سے اٹھتی کہ یوعان اس کے سامنے آکر رکا۔ اور ایک فائل اس کی سمت بڑھائی۔

”یہ کیا ہے۔“

مارب نے تھیر سے فائل پکڑتے الٹ پلٹ کر کے دیکھی۔

”میں نے اور شاہ نواز نے مل کر یہ کمپنی شروع کی تھی۔ جس میں سب سینسٹ فیصد شیئرز میرے ہیں اور پنتیس شاہ کے۔ میں نے اپنے شیئرز میں سے پچاس فیصد شیئرز آپ نام کر دیئے ہیں۔ اب میں دس جبکہ شاہ پچیس پرسنٹ کا مالک ہے اور آپ پچاس کی۔ لہذا کل سے آفس جوئی ن کرے۔ آج کے بعد سے آپ اور شاہ یہ کمپنی سنبھالیں گے۔“

مارب نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”مگر مجھے یہ سب نہیں چاہیئے۔ میری جاب چل رہی ہے اور اگر ضرورت پڑی تو واپس سے آفس جوئی ن۔۔۔۔۔“

”آپ وہاں اب دوبارہ قدم بھی نہیں رکھیں گی مارب۔ میں چاہتا تو آپ کو فیملی بزنس میں لاسکتا تھا۔ مجھ سے بابا نے بھی کبھی بارانسسٹ کی ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں چاہتا مارب۔ آپ کی صلاحیتوں کا بہت غلط استعمال کیا گیا ہے۔ آپ اپنی سکلز اب درست جگہ اپلائے کریں گی۔ میں نے آپ کو میجر ٹی شیئرز ہولڈر اسی لئے بنایا ہے کہ آپ اپنی مرضی کے فیصلے کر سکیں۔ جہاں مجھے بھی مداخلت کا زیادہ حق نہ ہوں۔ اگر آپ کی خود مختاری آپ کو میری آفر ایکسپٹ کرنے نہیں دے رہی تو ڈونٹ وری یہ آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ آپ یوں سمجھ لئیئے کہ میں آپ کے ذریعے اپنی کمپنی میں انوسٹ کر رہا ہوں۔ آپ محنت کرے اور اس کمپنی کو اتنا قابل بنائے کہ کل کو آپ مجھ سے بڑے فخر سے باقی کے دس پرسنٹ بھی خرید لے۔“

مآرب اب بھی شش و پنج میں مبتلا تھی۔ اسے یوعان کی دولت نہیں چاہی تھی۔ وہ اگر اپنے باپ سے کہتی تو وہ ایک کیا ہزاروں کمپنیز اس کے نام کھڑی کر دیتے لیکن اسے یہ کرنا ہی نہیں تھا۔

یوعان شیخ اس کے چہرے پر الجھن دیکھ کر گہری سانس بھرتا اس کے قدموں میں بیٹھا۔

”میں نے آپ کو آپ کا حق مہر نہیں دیا تھا ناں۔“

مآرب چونکی۔ نا فہمی سے اسے دیکھا۔

”سمجھ لے یہ پچاس فیصد شئی یرز آپ کا حق مہر ہے۔ آپ اس کمپنی کو برینڈ بنائے گی مآرب۔ اور میں اس دن کا انتظار کروں گا۔“

اس کے لہجے میں یقین تھا۔

مآرب نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے فائل پر ڈالی اور دوسری اس پر۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی۔ اس نے فائل میز پر رکھی۔ اور کمرے سے نکلتے بولی۔

”آپ کافی پس گے۔“

یوعان نے اس کی پشت کو بری طرح سے گھورا تھا۔ اور گھورتا ہی رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور اس کے پیچھے ہولیا۔ مآرب اعوان کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔



کچھ سالوں بعد

یہ ایک بزنس ایورڈ شو کا منظر تھا۔ جہاں اینکر جوش سے مآرب کا نام پکار رہی تھی۔ جسے اس سال کا بسٹ بزنس وومن اوف دا آئییر کا ایورڈ مل رہا تھا۔

وہ سٹیج پر ایورڈ لینے آئی سامنے ہی کرسیوں پر مہمانوں میں اس کے سارے اپنے براجمان تھے۔  
 ”اسلام علیکم گڈ ایونگ ٹو آل۔۔۔۔۔۔ اس عزاز کیلئے شکریہ۔ ویسے تو میں یہ ڈیزرو نہیں کرتی کیونکہ میری کامیابی میں مجھ سے زیادہ میرے شوہر کا ہاتھ ہے اور دوسرا شاہ نواز خان۔۔۔۔۔۔ میرا پیار بھائی جس نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ اس کمپنی کو اس مقام تک لانے میں سب سے بڑا ہاتھ ہی ان دو شخصیات کا ہے۔ جس کیلئے میں تہہ دل سے ان کی شکر گزار ہوں۔“

یوکان شیخ بہت خوبصورتی سے مسکرایا تھا۔ آج وہ وہی مقام دوبارہ حاصل کر چکی تھی جہاں سے اسے گرایا گیا تھا۔ جبکہ شاہ نواز خان نے سینے پر ہاتھ رکھتے اس کا شکریہ قبول کیا تھا۔

یوعان شیخ نے ایک بار اس سے پوچھا تھا۔ کہ اس نے اتنی آسانی سے سیال کو کیوں معاف کیا۔ تب اس کا جواب تھا۔ کہ اگر سیال کی جگہ یوشع ہوتا اور مآرب کی جگہ یوعان تو وہ کیا کرتا اور تب یوعان شیخ خاموش رہ گیا تھا۔ یہ میرا تجربہ تو نہیں لیکن مشاہدہ ہے کہ ہم اپنوں سے قطع تعلق کر سکتے ہیں ان سے بدلہ نہیں لے سکتے۔ وہ لاکھ برا کرے انھیں سزا دینے کی ہم میں ہمت نہیں ہوتی۔

مآرب اس لئے بھی خاموش رہی تھی۔ کہ زیادتی تو سیال کے ساتھ ہوئی تھی۔ اسے ڈگریڈ تو کیا گیا تھا۔ تو اگر وہ بھی اسے سزا دیتی تو اور برا بن جاتا اور آج وہ لندن کا ٹاپ بزنس مین نہ ہوتا۔ اس نے خود کو بہت شاندار طریقے سے سنوارا تھا۔ کہ دیکھنے والے پہنچان ہی نہ پاتے۔



BEING THE STRING OF YOUR KITE

ایورڈ سرمنی کے بعد وہ سارے ایک خوبصورت سے فائی ف سٹار ہوٹل میں ڈنر کرنے آئے تھے جو کہ مآرب کی طرف سے ٹریٹ تھی۔ وہ الگ بات تھی کہ پینٹ یوعان شیخ کے کارڈ سے ہونی تھی۔ ان سب میں صرف یوشع نہیں تھا۔ کیونکہ اسے وہ سارے کیپلز اپنے بچوں کے پاس چھوڑ گئے تھے۔

وہ سارے خوشگلیوں میں مصروف تھے۔ جب عنوہ کی نگاہ خود کی طرف یلٹک دیکھتے عیسیٰ پر پڑی۔ وہ آنکھیں چندھیا کرتے سرگوشی میں بولی۔

”سرعام لڑکی کو تاڑ رہے ہو شرم نہیں آتی۔“

عیسیٰ مسکرایا۔ اور نفی میں سر ہلایا۔

”ویسے اتنی غور سے کیا دیکھ رہے تھے۔ کیا چل رہا ہے دماغ میں۔“

عیسیٰ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ اس کی طرف جھکتا لب دبائے دھیمے سے گنگنایا۔

”ہے جو ارادے بتادوں تم کو شرمناہی جاو گی تم۔“

عنوہ نے جھنپ کر شر میلی مسکان چھپاتے کہنی اس کے پیٹ میں ماری۔ تو وہ بے آواز ہنستا تھوڑا دور ہوا۔

”آج کے بعد سب کچھ پہننا مگر کالا مت پہنا۔“

وہ اس کا لے شلوار قمیص میں عیسیٰ بلال کی آنکھوں کو ہیرہ کر رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کیوں۔“

اس کے سنجیدہ انداز پر عنوہ کو تعجب نے آگیرا۔

”کیونکہ تمہیں اس لباس میں دیکھ کر جب میں بہک سکتا ہوں تو پھر میں باقیوں سے کیا گلا کروں۔“

اس نے گھمبیر لہجے میں بولتے عنوہ کے گالوں کو لالی بخشی تھی۔

”یو شمع بچارے کو بچوں نے تنگ کیا ہو گا۔“

شاہ نواز نے کباب کا پیس منہ میں رکھتے مصنوعی افسوس سے کہا۔ جس پر مارب تڑخ کر بولی۔

”آپ کو یوشع کی فکر ہے مجھے تو اپنے گھر کی ٹینشن ہو رہی ہے۔ جس کا سب نے مل کر کباڑا کر دیا ہو گا۔“

”کبھی تو احسان مان لیا کرو تم احسان فراموش لڑکی۔ بچوں کو اس کے سر ڈال کر یہاں مزے سے ڈنر کر

رہی ہو۔ پھر بھی اچھا نہ کہنا تم۔“

عنوہ نے اسے لتاڑا۔ جس پہ وہ ہاتھ جھلا کر رہ گئی۔

”اسے اب شادی کر لینی چاہی لڑکیوں کی لائی ن تو لگی ہوتی ہیں ہر پیچھے۔“

مریم نے رائے دی۔ اصل میں یوشع نے بزنس چھوڑ کر تدریس کے شعبے میں اپنا ہنر آزمایا تھا۔ اور آج وہ ایک بہترین یونیورسٹی میں سب سے ہنڈ سم اور ہنگسٹ پروفیسر تھا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا۔ کہ لڑکیاں اسی کیلئے یونیورسٹی آیا کرتی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”اسے ابھی تک اس کی ڈریم گرل نہیں ملی ناں۔“

یوعان سنجیدگی سے بولا۔ اس کے لہجے میں طنز محسوس کرتے وہ سب ہنس دیئے۔

ڈنر کے بعد وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں یوعان شیخ کے آپاٹمنٹ کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے اپنے

اپنے بچوں کو پک کر کے انھیں گھر جانا تھا۔

”کیا میں آج بہت پیارا لگ رہا ہوں۔“

اس کی محویت نوٹ کرتے وہ شوخ لہجہ میں بولا۔

مریم چونکی۔

”جی۔“

”نہیں وہ آپ کی نظریں مجھ سے کہہ رہی ہے کہ شاہ نواز خان تم اس عورت کی محبت لگ رہے ہو۔“

مریم نے اٹھتی مسکراہٹ روکی۔ وہ ڈرائی یونگ کرتے ہوئے اسے شاید اپنی نظروں سے ڈسٹرب کر رہی تھی۔

”نہیں میں حیرت میں مبتلا ہوں۔“

شاہ نواز نے بھنویں اچکائی۔

”کیوں۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میں نے تم سے پہلے کبھی اتنا خوبصورت مرد نہیں دیکھا۔“

یہ بولتے ہوئے اس کی آنکھیں میں نمی کی لکیر ابھری۔

”یا تو مجھے کوئی ملا نہیں یا پھر میں ناپینا تھی۔ تم نے میری آنکھوں کی بینائی لوٹا دی ہے خان۔“

شاہ نواز چہرہ جھکائے مسکرا دیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سٹرینگ سنبھالتے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑتے انگلیوں میں انگلیاں الجھائی۔ اور شدت سے اس کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔

”اور میں نے ایسی کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی۔ جسے دیکھ کر صرف عشق ہو۔ میری محبت آپ سے بہت پرانی ہے مریم۔ اور یہ دن بہ دن اتنی جنونی ہو رہی ہے کہ مجھے خود سے ڈر لگنے لگا ہے۔“

مریم آسودگی سے سیٹ کی پشت سے سرٹکاتی آنکھوں میں محبت سموئے اسے دیکھنے لگی۔ جواب میٹھی میٹھی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ زندگی میں محبت نہیں تھی۔ تو زندگی پر سکون تھی۔ اب محبت ہے تو زندگی گلز رہے۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ کو یاد ہے ہماری پہلی ملاقات۔ اس وقت مجھے آپ سے مل کر لگا تھا۔ کہ اس شخص سے بڑا کوئی گمنڈی ہے ہی نہیں۔“

مآرب اس کا بازو جکڑے اس کے کندھے سے ٹیک لگائے ہوئی تھی۔ وہ ڈرائی یونگ کرتا وقفے وقفے سے کبھی اس کی ناک چومتا کبھی لب کبھی ماتھے پر بوسہ دیتا تو کبھی کینیٹی۔

”اور اب کیا لگتا ہوں۔“

یوعان نے مسکراتے پوچھا۔ مآرب نے لب دبائے۔

”اب زندگی لگتے ہیں۔“

”اظہار کر رہی ہو۔“

یوعان نے خوش ہوتے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔ وہ ہنس دی۔

”نہیں اعتراف کر رہی ہوں۔“

اس نے آج تک محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اور یوعان شیخ اس کے ہر لفظ پر چونک جایا کرتا تھا۔ اب کیا کہ تب کیا۔

”یوعان آپ کسی قاری صاحب کا انتظام کچیئے گا۔ میں آپ سے کہنے والی تھی لیکن ہر بار بھول جاتی ہوں۔ بچے اب بڑے ہو رہے ہیں۔ وقت سے قرآن سیکھے تو بہتر ہے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”قاری صاحب۔۔۔“

یوعان کے ہونٹ ہلے یادوں کے پردے پر ایک واقع بڑی آب و تاب سے رونماں ہوا تھا۔

”الف۔۔۔۔۔“

ایک کرارا تھپڑ اس کی کمر پر پڑا تھا۔

”کتنی بار کہا ہے کہ الف کو کھینچ کر پڑھنا ہے۔“

قاری صاحب نے تنفر سے ایک زوردار چت اس کے سر پر لگائی تھی۔ اور یہ چت پیار بھری ہر گز نہیں تھی۔

وہ پانچ سالانچہ بچی بمشکل روکتے دوبارہ پڑھنے لگا۔

یہ دوسرا مہینہ تھا یو عان کو اس قاری سے پڑھتے ہوئے۔ زرا زرا اسی غلطی پہ قاری صاحب پرواک مئے بغیر اسے دھنک کر رکھ دیتے۔

اور وہ ڈر کے مارے غلطی پہ غلطی کئے جاتا۔

ان کے مطابق یہ بہتر طریقہ تھا بچوں کو پڑھانے کا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ یوں وہ اس بچے کو آہستہ آہستہ قرآن سے متنفر کر رہے ہیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ یادوں کے جرو کے سے نکلتا گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

”ہم اپنے بچوں کو خود پڑھائی میں گے مآرب۔ جتنے اچھے طریقے سے ہم ان کی اصلاح کر سکتے ہیں کوئی اور کبھی نہیں کر سکتا۔“

اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ مآرب نے اثبات میں سر ہلایا۔



یو شیع شیخ کچن میں کھڑا پیرن پہنے انڈیس پھینٹ رہا تھا۔ وقت نے اسے کافی جازب نظر بنادیا تھا۔ تبھی تو لڑکیاں مرتی تھی اس پر۔ اس کے دائی یں جانب ایک چار سال کا بچہ جس کا نام ”حیدر بلال“ تھا میجرنگ کپ میں میدہ ڈال رہا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ جبکہ بائیں جانب کاونٹر پر پاؤں لٹکائے بیٹھاسات سال کا بچہ جس کا نام ”ازلان یوعان شیخ“ تھا گلے میں نقلی سٹیٹھو سکوپ ڈالے اپنے ہیر و چاچو کو سبزیوں کے فوائی دگنورہا تھا۔ اسے ڈاکٹر پسند تھے۔ اور وہ ابھی سے خود کو اس رول میں فٹ کر رہا تھا۔ کیونکہ بڑے ہو کر اس نے ایک کامیاب ڈاکٹر بننا تھا۔ وہ اپنے وژن میں کلیئی رہا تھا۔ جبکہ حیدر بلال فلحال بننے والے کیک پہ فوکس کر رہا تھا۔ اسے میٹھے سے عشق تھا اور اس کا ہیر و چاچو اسی کی فرمائی ش پر اس وقت کیک بیک کر رہا تھا۔

کچن کے فرش پر ایک گولو مولو ساتین سال کا پیار سا بچہ جس کا نام ”ارحام خان“ تھا۔ ٹوٹے نائی ف سے سب کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے وہ اس کوشش میں بار بار ناکامی کا شکار ہو رہا تھا۔

تھوڑے فاصلے پر سیننگ آئی ریامیں صوفوں پر آپ کو ایک اور بچہ دیکھائی دے گا۔ جس کی عمر چھ سال تھی اور نام ”موسی بلال“ تھا۔ وہ اس وقت ایک نئے ماڈل فون کو کھولے بیٹھا تھا۔ جو یقینی اس کی ماں کا فون تھا۔ جسے آتے وقت وہ چھپکے سے ان کے بیگ سے نکال چکا تھا۔ اب اس کے الگ الگ پرے کئے وہ جانے کیا تلاشنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آہاں سب سے آخری بچے کو تو آپ بھول ہی چکے ہے۔ جو ان سب کا بھی باپ ہے۔ پانچ سالہ ”ادیان“ یوکان شیخ“ جو اس وقت آپ کو ہاتھ میں خشک آٹا لے کسی ماہر کسان کی طرح کھیتوں اوہ سوری فرش پر ڈالتا نظر آئے گا مانو فصل کو کھا دال رہا ہو۔ گندگی اس کی طبعیت کا خاصا تھی۔ گندگی سے زیادہ اسے کسی چیز سے لگاؤ نہیں تھا۔ اور اب بھی وہ سارا سیٹنگ آئی ری آٹے سے گندہ کر چکا تھا۔ کیونکہ صفائی اسے کچھ خاص پسند نہیں تھی۔

اسی وقت دروازہ کھولتے وہ سارے آپاٹمنٹ میں داخل ہوئے اور اگلے ہی مآرب کی چیخ نے اندر موجود مخلوق کو ساکن کر دیا۔ جو جہاں تھا وہی رک کر مآرب کو دیکھنے لگا۔ اور جب اس کی چیخ کا دروانیہ ختم ہوا تو وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوئے۔ لیکن دوسری چیخ اس سے بھی زیادہ بلند تھی۔ جو یقیناً عنوہ حمید کی تھی۔ اپنے نیو ماڈل فون کا کبڑا ہوتے دیکھ کر اس کے حواس گویا منجمد ہو چکے تھے۔ وہ تیزی سے اپنے بیٹے کی طرف بڑھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کون سے کانڈکٹے تھے میں نے جو تم جیسی ناہنجاز اولاد پیدا ہوئی مجھ۔ یہ اس مہینے کا میرا تیسرا فون ہے“  
موسیٰ بلال۔“

اس نے جھٹ سے اپنا پرزے پرزے فون موسیٰ کے ہاتھ سے کھینچا۔ جس نے تمحل سے کہا تھا۔

”ڈونٹ وری موم بابا بنالے دیں گے۔“

عسی بلال نے بیٹے کی ڈھیٹائی پر دانت پیسے۔ اب اس کی بیوی نے ایک ہفتے تک اس کا جینا حرام کرنا تھا۔ کیونکہ موسی بلال بد قسمتی سے عسی کا چہتا بیٹا جو ٹھہرا۔ اور جو جیب حالی ہوئی تھی وہ الگ۔

”میں نے اس فتنے کو چھوڑنا نہیں ہے آج۔“

مآرب غصے سے غراتی ہوئی ادیان شیخ کی جانب بڑھی جو پھرتی سے خرگوش کی طرح بھاگتا باپ کی ٹانگوں سے لپٹا تھا۔ اور یوعان شیخ نے بھی کسی قمیٹی متاع کی طرح اسے گود میں بھرا تھا۔ وہ شرارت سے مسکراتا باپ کی گردن میں منہ چھپا گیا۔

”کوئی بات نہیں بچہ ہے۔ میں صاف کروں گا ڈونٹ بینک مآرب۔“

اسے غصے سے ادعان کی جانب لپکتا دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔ ورنہ آج تو مار پکی تھی۔

”ارحام۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مریم اپنے بیٹے کو دیکھنے آگے بڑھی۔ جو چھری سے کوشش ترک کرتا اب بلا آخر دانتوں سے سیب کترتا اور پھر فرش پر پھینک دیتا۔ اسے کھانا کھانا پسند نہیں تھا۔ کھانے سے کھیلنا پسند تھا۔

”آگے آپ لوگ کیسا گزرا ایونٹ۔ مبارک ہو بھابھی میں نے نیوز میں دیکھا۔“

یوشع کیک اون میں رکھتا۔ ان کے پاس صوفوں پر آکر بیٹھا۔ اس کا کام ان کے بچوں کو مصروف رکھنا تھا۔ تاکہ وہ ماں باپ کے پیچھے روئے نا۔ اب یہ مصروفیت کسی بھی نویت کی ہو سکتی تھی۔ اس کی ذمہ داری وہ

نہیں لیتا تھا۔ وہ الگ بات تھی کہ یوشع ایک بار جو کسی نام سے منع کر دے پھر مجال تھی جو ان بچوں کی جرت ہوتی وہ کام کرنے کی۔ اس کے مطابق بچے آزاد پنچھی کی مانند ہوتے ہیں۔ کس جانب پر مارے کس کو کیا خبر۔

مآرب اسے گورنے لگی۔ جو کندھے آچکا گیا۔

ازلان ماں کو گلے لگا کر مبارک باد دیتا اپنے خان چاچو کی گود میں بیٹھا تھا۔ اسے شاہ نواز خان سے بہت محبت تھی۔ لیکن ہائے رے یہ ظالم سماج (ارحام خان)۔ ارحام خان ماں کی گود میں بیٹھا جلیس ہوتا ازلان کو لات مار کر باپ کی گود سے گرا گیا۔ جس پر ازلان نے دانت پیستے اس ننھے بچے کو گھورا جبکہ وہ سب قہقہہ لگا گئے۔

ان سب کی زندگی حسین تھی۔ لیکن ان بچوں کی وجہ سے حسین ترین ہو چکی تھی۔ یوں چھوٹی چھوٹی خوشیاں انھیں جوڑ کر رکھتی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ختم شد



سکھایا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ انھیں ہمت کرنے کی ترغیب دے آپ اپنے مرد سنوارے۔  
 انھیں تہذیب سکھائے انھیں انسانیت سکھائے۔ انھیں بھی رشتے کی اہمیت سکھائے جیسے مائیں بیٹیوں کو  
 وداع کرتے وقت کہتی ہے اب سے وہ تمہارا گھر ہے۔ وہ سے ہی بیٹوں کو بھی بتایا کرے ناں کہ اب سے وہی  
 تمہاری بیوی ہے۔ پر ائی عورتوں سے لگاؤ لگاؤ گے تو جہنم کی آگ کماؤ گے۔

باقی کے کرداروں کی خاصیت و خامیاں میں آپ سے جاننا چاہوں گی۔ آپ ان کرداروں کو کیسے دیکھتے  
 ہیں۔ اپنی قمیٹی رائے ضرور دیجئے گا۔ میں انتظار کروں گی۔۔۔ چلے اب آپ لوگ قسط پڑھئے اور میں  
 اگلے ناول (الجھی تحریر) کو لکھنے بیٹھتی ہوں۔

اور ہاں۔۔۔ اگر سیال اعوان اور یو شیع شیخ کی دھوم دار کہانی الگ سے پڑھنا چاہتے ہیں تو مجھے انسٹاپہ فولو  
 کرے daneenkhan\_Novelist کے نام سے میرا کاؤنٹ ہیں۔ اور اسی نام سے فیس بک پیج بھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE



# پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ایسین خانج



# ابراہیم

# تطمئن القلوب



## دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھلا بھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے ہوئے کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجہ ہٹا کر گئی۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

## وراثت

## فاطمہ ملک

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا مانتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنوں گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ!!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے ہلٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"



## ناول شب انتظار کی دیکھی جھلک

"میرا دماغ چل گیا؟ تم لوگوں کو تو میں سڑک تک نہ لائی تو کہنا۔ اپنے عہدوں کا فائدہ اٹھاتے ہو اور لوگوں کا مذاق بناتے ہو۔" اس کی آواز میں نفرت تھی۔ تھانے کے اندرونی حصے میں کچھ اندھیرہ تھا۔ غالباً لائٹ کا کچھ مسئلہ تھا۔

"محترمہ فالحال تو آپ ہمارا مذاق بنارہی ہیں۔" وہ غصے سے چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا تھا۔ "خود مسئلہ بتا رہی ہیں یا آپ کے خلاف ایکشن لیا جائے۔" وہ آج معمول کے خلاف پیش آرہا تھا۔

"تمہیں کتے بلیوں کی طرح سڑک پر نہ کھینچ کر رگڑا تو کہنا۔" اس کی آواز میں ایک نفرت تھی کہ وہ سن رہ گیا۔ "ایک باہر والا بندہ اب مجھے تھانے سے نکالے گا۔"

مراد سے آج تک زندگی میں کسی نے ایسے بات نہیں کی تھی۔ اس نے رخ بدل کر اس کا چہرہ کچھ نزدیک سے دیکھا تا کہ سمجھ سکے مگر چہرے پر نگاہ

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

عینا پیگ

شب انتظار

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING OF  
www.safareadab.com

پڑتے ہی ماتھے پر شکنیں پھیل گئیں۔ وہ کوئی اجنبی نہیں تھی 'وہ بالکل کوئی اجنبی نہیں تھی۔ وہ اجنبی کیسے ہو سکتی تھی 'مگر وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔ سالوں بعد پہلی ملاقات! ایسے؟

"وہ باہر والے نہیں 'اندر والے ہی بندے ہیں۔ ڈی ایس پی صاحب "! شاز نے تصحیح کی تھی اور تھانے میں سکوت چھا گیا تھا۔ اس لڑکی کا چہرہ یکدم ہی سفید ہوا۔

"ڈی۔ ایس۔ پی۔؟؟؟؟؟" اس کی سانسیں اٹکنے لگیں۔ اسے تو لگا تھا یہ کوئی باہر کا بندہ ہے۔ اب بھلا اس میں اس کی کیا غلطی تھی۔ وہ کونسا وردی میں موجود تھا۔

"ایک پولیس آفس سے یوں مس بی ہو کر نے کی سزا جانتی ہیں آپ؟" گویا ایک ہنگامہ مچ گیا۔ اس نے تیزی سے مراد کو دیکھا جو خاموش اس کو ہنوز تک رہا تھا۔ یکدم ہی وہ ساری شرمندگی بھول گیا۔

"اس کا فیصلہ تو سر خود ہی کریں گے۔" آپس میں چہ گوئیاں ہونے لگیں۔

"کیا مسئلہ ہیں ان کا فخر؟ کیا کمپلین لکھوانے آئی تھیں یہ؟" اس پورے حصے میں اس لڑکی نے پہلی بار اسے بہت صاف دیکھا۔ اور وہ پہچان گئی۔

"ڈی۔ ایس۔ پی۔۔" شاید اسے حیرت ہوئی تھی۔ وہ جان نہ سکی یا اسے لگا اسے دیکھنے اور پہچاننے میں غلطی ہو گئی۔

"جی! ڈی ایس پیس مراد اعوان!" اس کا چہرہ کسی بھی تاثرات سے عاری تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور کچھ کر بھی نہ سکا تھا۔

"مم۔ میں معذرت۔۔" وہ ہکلا نے لگی۔ اس کا دل چاہا زمین میں گڑ جائے۔ یہ اس سے کیا ہوا تھا۔ اس کے پاس کوئی حق نہیں تھا کہ بغیر جانے اور پہچانے یوں گہنونی حرکت کرے۔

اسے لگنا چاہئے کہ وہ غیر شادی شدہ ہوگی؟ نہیں  
کبھی نہیں۔ وہ جواب سنے بغیر اندر بڑھ گیا۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں  
کلک کریں۔

[safareadab.com](http://safareadab.com)

"اس کی ضرورت نہیں آپ کمپلین لکھوائیے۔  
مجھے پراپر ایف آئی آر کٹی ہوئی دکھنی چاہئے۔ ان  
کو پراپر اسسٹ کیا جائے اور مجھے معاملہ دکھایا  
جائے۔ کوئی کوتاہی ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں  
ہوگا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اپنے کیبن میں جانے  
کو مڑ گیا۔

"آپ کا نام؟" آفسر نے اس لڑکی سے پوچھا  
تھا۔ وہ سب سیدھے ہو گئے تھے۔ مذاق مستی  
گویا کبھی تھی ہی نہیں۔۔

"حنانہ ملک۔" اس کی آواز اب ویسی نہیں رہی  
تھی۔ وہ بمشکل الفاظ ادا کر رہی تھی۔

"آپ کے شوہر کا نام؟" مراد نے کیبن کا دروازہ

کھولا تھا جب اس نے سنا۔ وہ شادی شدہ تھی  
شاید۔۔ اس کا دل تھما تھا مگر وہ کیوں تھم رہا تھا وہ  
بے خبر تھا۔ آج اتنے سالوں بعد پھر یوں دل میں  
تکلیف ہوئی تھی کہ سانس بھرنا دشوار محسوس  
ہونے لگا تھا۔ بھلا اتنے سارے سالوں کے بعد

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب